

# حج کا سفر

۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں

محمد رضا انصاری

حقوق طباعت بحق مصنف محفوظ

طابع	.. .. .	نامی پریس کھنڈ
ناشر	.. .. .	فرنگی محل کتاب گھر و فرنگی محل کھنڈ
صفحات	.. .. .	۳۴۴
طبعم اول	.. .. .	ایک ہزار ایک سو جلدیں
قیمت مجلد	.. .. .	پانچ روپے پچاس پیسے
تاریخ اشاعت	.. .. .	۱۹۶۶ء

میلے کا پتہ :- فرنگی محل کتاب گھر و فرنگی محل کھنڈ

## والد ماجد

### مولوی محمد سخاوت الشہ مرحوم و مغفور کے نام

جنہوں نے فرنگی محل کے ایک خوشحال گھرانے میں آنکھیں کھولیں پہلی اولاد کی حیثیت سے  
 دادیہال اور نانیہال کا لاد پیا ربے حساب پایا، جوان ہونے سے قبل شفقت پوری سے محروم  
 ہو گئے، دادا الحاج مولوی محمد شرافت الشہ (دیپاٹ ڈپٹی کلکٹر) اور باپ کے براہِ شفقت چچا مولانا  
 محمد سلامت الشہ اور مولانا مفتی محمد عنایت الشہ کے سایہ عاطفت میں ابتدائی دینی علوم حاصل  
 کر کے دنیاوی علم حاصل کیا، پیرو مشہور حضرت مولانا عبد الباقی کے مشاک کے مطابق تراکب  
 مولانا کے تحت انگریزی نوکری نہیں کی، متاثر زندگی کا بار پڑنے پر میاست حیدر آباد میں  
 روزگار تلاش کیا اپنے بڑے بیٹے۔ راقم السطور کو دینی تعلیم کے حصول کے لئے وطن میں  
 سٹ اس کی والدہ اور بہنوں کے چھوڑ کر حیدر آباد میں ۲۵ سال بے گمراہ وانی زندگی کی کڑیاں  
 جھیلیں بڑیوں کی دق میں مبتلا ہو کر بغرض علاج۔ جو بوجہ سنگدستی خاطر خواہ نہ ہو سکا  
 وطن واپس آئے اور لاہور میں ۱۹۳۷ء کو جب کبھی صحت و فاق۔ مرض دق کے پیش نظر شہادت پانگے  
 بڑے لڑکے کے ساتھ اس کی ماں اس کے ایک چھوٹے بھائی محمد خالد انصاری سلمہ اور دو  
 چھوٹی بہنیں آسیہ حسین احمد علوی سلہا اور نسیم واقف علوی سلہا کو اپنے سایہ شفقت سے  
 محروم کر دیا، اللہم اغفرلہ وارحمنا وارحمہ مجرمتہ، متیلا اولین والآخرین۔  
 نہ صرف یہ سراسر اسعدت سفر اور اس کا سفر نامہ بلکہ و عی کی کا ہر عمل جو نہ یونہی بن سکتا ہو  
 بلا واسطہ یا بواسطہ کسی ملام و مغفور کے ایثار ہی کا صدقہ ہو، فان لم من الراجح مبتذل اچھوڑ  
 دیا، (ادکما قالے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

# فہرست

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۷۸	سنی اور عفات میں	۳	انتساب
۲۳۸	حج کے بعد مکہ معظمہ میں	۷	سفر نامہ کا "مقرر"
۲۴۳	مؤتمر عالم اسلامی	۳۳	نثر طر اول قدم
۲۵۸	کوئٹہ کی تیاریاں	۴۸	ردائگی اور سببی میں
۳۹۴	مکہ معظمہ سے روانگی	۶۷	پہلے حج کیلئے طریقہ کار کے بارے میں
۲۸۰	حضور مدینہ منورہ	۸۴	جہانزکی روانگی
۲۸۹	حضور خواجہ دود عالم	۹۶	جہانز کا نظم کار
۲۹۸	آداب باریابی	۱۱۶	بدرے میں
۳۱۵	مسجد نبوی اور تبرک آثار	۱۳۰	حرم کعبہ میں
		۱۶۴	حج کے دنوں میں



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## سفر نامہ کا ”سفر“

روانگی سے پہلے ہی سفر نامہ لکھنے کا کوئی قصد نہ تھا اور واپسی کے بعد بھی اس کا کوئی خیال نہیں ہوا، جیسے سوا مہینے کے بعد جب عمر محترم جناب حیات اللہ صاحب انصاری نے اخبار کے لئے ”سات آٹھ جاس قسطوں“ میں تاثرات حج قلم بند کرنے کو کہا تو کب تک گونہ تال کے بعد ”حج کا سفر“ لکھنے کا آغاز جو لائی سلسلہ میں اس طرح کیا کہ اخبار کے ہفتہ وار ایڈیشن میں پہلی قسط ڈھائی تین گھنٹے کی ایک نشست میں گویا لکھ ڈالی، اور یہی معمول بن گیا کہ ہفتہ وار ایڈیشن کی آخری کاپی کے بطبع جانے کے دن ایک قسط لکھی جاتی رہی، نہ کوئی خاص خاکہ تصنیف و تالیف کا پیش نظر تھا اور نہ کوئی واضح اندازہ کہ کب تک یہ سلسلہ چلے گا۔

پوچھنے والے پوچھ بھی بیٹھتے تھے۔ یہی سمجھ کر کہ سفر نامہ مرتب ہو کر بالاقساط شائع ہو رہا ہے۔ کہ کتنی قسطوں میں ”حج کا سفر“ آنے والا ہے۔ سات

آٹھ قسطوں کا تخمینہ دس بارہ قسطوں تک جاسکے گا اس انداز کو سامنے رکھ کر جواب دیا جاسکتا تھا مگر یہ جواب بھی بہر حال تخمینہ نظر آیا اس لیے عملاً ایسے استفسارات کا جواب مال دینے ہی سے دیا، اسی دوران میں ایک سادہ مزاج مخلص کے ایک جتنے نے اس طرح چونکا دیا کہ سفر کی کمائی کو مکمل کیے بغیر ہی ختم کر دینے کا ارادہ ہونے لگا، اس نے بطور تائش بڑے معمولانہ انداز میں کہا تھا ”آپ کے سفر حج کا تو خوب چرچا ہو رہا ہے“

اس بھولے بھالے جتنے نے ذہن کو ہٹو کا دیا ”کہیں اس حرکت میں سیکواری کے“ اشتہار کی ہوس تو کارفرما نہیں ہے؟ اور اس مبارک سفر میں خوش بختی سے اگر کچھ ملا ہے تو کیا اس طرح اسے گنوا دینا مناسب ہو گا؟

اگر ہمارا اپنے مرض کی خود تشخیص کر لینا علماً اور ردایا درست ہے، مازوں بیماری کی جو نفس کی انتہائی گمراہیوں میں چھپی ہو اگر ذہن تہجیبی سعی خود ہی کھاتی لا محالہ ان سے جن کی فضیلت اس حیثیت سے سلب ہے اس پیچیدگی کا ذکر کیا، محترم مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی نے جو حج کے رفیق بھی تھے اس سے بھی زیادہ سنگین مگر پر لطف واقعہ بیان کر دیا کہ ایک صاحب نے حج سے آکر سفر نامہ لکھنا شروع کیا تو ان کے بارے میں ایک دوسرے صاحب نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ ”وہ حج کرنے گئے ہی اسی نیت سے تھے کہ واپس آکر سفر نامہ لکھیں گے“

علی میاں نے اس کے بعد یہ بھی کہا ”سفر نامہ لکھنے والے صاحب کا نام بتانا خطرے سے خالی نہیں اور جن صاحب نے ”یتجرہ“ ان پر کیا تھا ان کا نام کہیں لے لیا تو غضب ہی ہو جائے گا“

اس ڈھارس بندھانے والے واقعہ کے علاوہ ”جج کاسفر“ پڑھنے والوں کا بالمشافہ اظہار پسندیدگی نیز لکھنے والے اور اخبار کے مدیر کے نام پسندیدگی کے ایسے خطوط کی آمد نے جن کے لکھنے والوں میں سے اکثر دونوں کے بیٹے اہل اجنبی تھے تذبذب اور تردد کو گویا ختم کر دیا۔ اندازہ یہ تھا جو اگر ”جج“ کے باپ سے میں پڑھنے کی بے چینی بڑے پیمانے پر پائی جاتی ہے۔ درد بلا تعارف اور مشناسائی کے کوئی کچھ پسندیدگی کی ”سند“ لکھنے بیٹھ جاتا ہے ؟

اس سلسلے میں بزرگ صوفی اور بے لوث سیاسی قائد قاضی محمد عدیل عباسی صاحب ایڈوکیٹ (سٹی انے اپنے متواتر گرامی ناموں میں اس حد تک قدر افزائی سے کام لیا جو درحقیقت ”ذره نوازی“ کے ہم معنی ہو گئی۔

اگرچہ یہ جرات ہے کہ ان نجی خطوط کے اقتباسات جن میں مکتوب الیہ کی تقریف و توصیف ہو — خود مکتوب الیہ منظر عام پر لائے لیکن قاضی صاحب کے گرامی ناموں کے اقتباسات دو وجوہوں سے نقل کرنا وزوں معلوم ہوا، ایک یہ کہ یہ قاضی صاحب کے گرامی نامے تھے جنہوں نے قلم کو ہمیز بھی کیا اور اس کی راہنمائی بھی کی، دوسرے یہ کہ ان میں حجاز کے سفر ناموں پر فنی پہلو سے تبصرہ کا حق بھی بخوبی ادا کیا گیا ہے۔

پہلے گرامی نامہ (مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۷۵ء) میں قاضی صاحب نے تحریر فرمایا۔

”آپ کا سفر نامہ حجاز میں اس شوق سے پڑھا ہوں جس شوق سے قومی اتحاد میں مشیر یا ملحق کے شکار کی کمائی پڑھا ہوں! یہ گستاخی نہیں

ہے بلکہ مثال معنی آپ کے مضمون نے اپنے اسلوب کے انوکھے پن سے میرے اندر جو دلچسپی پیدا کر دی ہے اسے واضح کرنے کے لئے دی ہوا ہر سچ کو افکار کا بے پناہ گنی کے ساتھ انتخاب اور ہنسنا ہے اور ایک ایک لفظ اہلک سے پڑھنے کے بعد جب مضمون ختم ہو جاتا ہے تو ایسا دھکا لگتا ہے جیسے ایک سوٹر ۶۰ میل کی رفتار سے چار ہا ہو اور اچانک کسی رکاوٹ کے آجانے سے ڈرائیور ایک دم بڑبڑا لگا دے مضمون ایک دم ایسا ختم ہو جاتا ہے کہ ہم مدق اٹھتے ہی رہ جاتے ہیں کہ اب کہاں درج ہے یعنی بس اضطراب ہی اضطراب کا سامنا ہوتا ہے ”

”دکل کے پہلے سینچر کو آپ جلد تک پہنچتے تھے اور ابھی بے کیف رہتے اگلے قومی آواز اٹھایا تو کوئی دلچسپی نہ ہوئی ” ایڈیٹوریل چند سکٹر میں اس طرح بڑھ گیا جس طرح سولا ..... کی ضخیم کتاب منڈیوں میں بڑھ بیستا ہوں ” سیرادعویٰ ہے کہ سولانا ..... کی کسی کتاب کیلے جو د زمین سو صفحات کی ہو مجھے صرف ۱۰-۵ منٹ چاہئیں پھر استہان لے لیجئے کہ اس میں کیا لکھا ہے ! ایڈیٹوریل تھا تو سبھی بر حقیقت مگر مطلب چند سکٹر میں آگیا سمجھ میں ” ” گلوپاں ” بھی پھکی پھکی انشیں ہر انداز اٹھایا اور پڑھتا رہا پھر کھانا کھانا کھانے کے بعد میں فوراً سو نہیں سکتا کچھ بڑھنا ضروری ہے اور ہر ادھر تلاش کیا کوئی چیز نہ ملی اچانک خیال آیا کہ آج سینچر ہے جھپٹ کر قومی آواز اٹھایا اور سفر تلے پر نگاہ پڑی ۔ اب آپ منزل شوق میں داخل

ہوئے میں.....

سبحان اللہ کیا سفر نامہ ہے اس کی سب سے بڑی خصوصیت آپ کا خطوں  
 ہے خطوں کس کو اس جگہ نہیں ہوتا لیکن ایک ایک لفظ سے خطوں دوسروں  
 پر اثر پذیر ہو پوچھ بات کیا ہے اس سے زیادہ کیا اب اپنی نمایاں کام  
 اقرار ہے جہاں قلب متحرک نہ ہوا اقرار کر لیا، ایسا عظیم احتساب ہے کہ  
 نفس دھوکا دے نہیں پاتا ہے الفاظ سیدھے سادے اور زبان؟  
 معلوم ہوتا ہے کہ وہیں جب آپ نے آب زمزم کے پینے کی کھولا تو  
 اسے اس میں غسل دے دیا تھا جو کوثر و تسلیم سے زیادہ شیریں و دلکش  
 ہو گئی ہے ایسی جزئیات کا بیان ہے کہ مسافر بندہ لے تو سامان اور قلعی سے  
 لے کر مکہ کی خریداری اور جہاز میں کہاں اور کس طرح جگہ حاصل کی جائے  
 سب پوری واقفیت ہو جائے۔"

ایسی فیاضانہ ذرا "پاکر اہلی شادمانی سے اور جن جن کو یہ تخریر و فرستہ میں  
 سنا ڈالی تھی ان کے خوش گو اور دماغ سے دل پوری طرح لطف اندوز بھی نہ ہو پایا  
 تھا کہ قاضی صاحب کا دوسرا گرامی نامہ "مورخہ ۲۱ اکتوبر ۱۳۳۷ء طار  
 " میں تعطیلات میں مکان چلا گیا تھا وہاں میں نے ایک اور خط آپ کے  
 نام دماغ کے اندر تھریریکی اور ابھی وہ کاغذ پر منتقل نہیں ہوا تھا کہ داسپی  
 پر آپ کا گرامی نامہ طاریہ پہنچے مگر اسی نامے کی ریب تھی، میرا لکھ کا ارادہ  
 یہ تھا کہ آپ وہاں کے تمدن و معاشرت پر بھی روشنی ڈالیں، لیکن ابھی تو  
 آپ شب میں کہ مصطفیٰ پہنچے تھے اور میری بیتابی عجلت کے باعث تھی

وایسی پر میں نے فوراً سینچر کا اخبار مانگا اور بلا کر سہ ماہی کے چوتھے پہلے  
 آپ کا سفر نامہ پڑھا اگرچہ بہت تھکا تھا اور طبیعت بھی خراب تھی،  
 الحمد للہ کہ آپ نے خود ادھر توجہ کی اور انشا اللہ مزید توجہ کریں گے۔  
 ”اپنے یہاں کے سفر حجاز لکھنے والوں کی کم بینی پر افسوس ہوا ایسا  
 معلوم ہوتا ہے کہ لوگ آنکھیں بند کر کے جاتے ہیں اور کوئی قوت شاہدہ  
 نہیں رکھتے۔۔۔ یہ صحیح ہے کہ شوق کی لہر لے کر وہ سا ڈال دیتا ہے،  
 مسافر حجاز اور دام سیر کرنے والے میں فرق ہے پھر بھی حساس انسان کے  
 مشاہدے پر چوٹ تو ٹھکتی رہتی ہے، بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے خود  
 ادھر توجہ دی ہے لیکن ابھی صرف ایک منہ نظر آیا ہے۔“

پھر ایک گرامی نامہ قاضی صاحب کا اور صادر ہوا جو کہ میرے سہ ماہی کا لکھا ہوا تھا۔

میرے ادیب عبدالحمید خاں صاحب کا بڑا احسان ہے کہ ان کی کتاب  
 ”تعبیر کی غلطی“ نے مجھے عبادت اور نماز کا مفہوم اور مقصد سمجھایا اور جہاں  
 تک خیالات کا تعلق ہے میری دنیا بدل گئی عمل کو مشکل منزل ہے! وہ سرا  
 احسان آپ کا ہوا اکل آپ کے سفر نامے کی قسط پڑھنے کے بعد میرے  
 دل میں حج کا شوق دوبارہ پیدا ہوا اب تک معاذ صرف ذہن و دماغ  
 تک تھا۔“

”میں آپ کے ساتھ ساتھ حج کا سفر کر رہا ہوں، میں دیکھ رہا ہوں  
 کہ کس طرح آپ کھنوسے رہا نہ ہوئے وہ بیکی پیچھے جہاز کو دیکھ رہا ہوں  
 کہ اس میں کہاں فرسٹ کلاس ہے اور کہاں ڈک ہے چٹانیاں کچھ ہیں

لوگ پیٹھ لیٹے پڑے جا رہے ہیں پھر جدہ اور جدہ سے مکہ معظمہ وہاں  
 عروہ پھر صبح کو بازار میں گشت کر رہا ہوں دوکانیں اور بازار کے مکانات  
 سینما فلم کی طرح میرے سامنے سے گزر رہے ہیں پھر سوٹر سے سنی میں خیمہ  
 زن ہوں دیکھ رہا ہوں کہ کس طرح انسانوں کا، جو زمین پر پڑا ہے،  
 خیمہ بھی گئے ہیں اور پہاڑ پر انسان چھوٹے چھوٹے دکھائی دے رہے  
 ہیں مسجد حنیف میں نماز پڑھی رہے کاتب نے "حنیف" لکھ دیا ہے وہاں  
 سے عرفات پہنچے مسجد نمرہ کا منظر دیکھا، اندر گھسنے کی گنجائش نہیں بلکہ مناظر  
 خطبہ نماز معمر کی خشوع و خضوع سے دعا پھر بعد مغرب دو انگلی مزدلفہ  
 میں قیام مغرب و عشا کی ایک ساتھ نماز پھر اول وقت روانہ ہو کر سنی  
 آیا ہوں عرفات کی بسیاں چار کی دعوت عام پانی کی خریداری سب کچھ  
 لگا ہوں کے سامنے ہے، سب کچھ نہیں رہا ہوں، آپ سفر نامہ نہیں  
 لکھ رہے ہیں سینما دکھا رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو جو اسے خیر دے سکے  
 جیسے کہتے تار یک دون ہیں آپ کا یہ سفر نامہ شمع جلاتے گا اور حسرت  
 ارمان پیدا کرے گا آپ کی یہ قسط جو بھی پڑھے گا اس کا دل ہلا دے گی پھر  
 کو گھٹا دے گی !

ایک اسی دن کے وقفے کے بعد ایک گرامی نامہ اور طرہ سورخہ ۹ نومبر ۱۹۶۷ء۔

”کل شام کو میسر مکان پر اتفاق سے ان چند لوگوں کا مجمع ہو گیا جو  
 آپ کے سفر نامے کو سبق کی طرح پڑھتے ہیں شخص اپنی بساط کے موافق اس کا  
 تذکرہ کر رہا تھا ایک صاحب تو ایسے ہیں جنہیں سوٹ بوٹ کے سوا انداز نہیں

بھی واسطہ نہیں ہے لیکن وہ حج کے مسائل میں عالم ہو چکے ہیں یہی جہان نمک  
 آپ کا سفر نامہ گیا ہے دیکھ گنگو رہی کہیں کہیں ہم لوگوں میں اختلاف  
 بھی ہوا تو سفر نامہ تلاش کر کے نکالا گیا اور بحث حوالے سے طے ہوئی.....  
 ایک اور صاحب نے کہا کہ ڈیو را اور چودھری عظیم الدین اشرف صاحب  
 کی ہا ہی کس درجہ مزید اور الفاظ میں کھن ہے اور ایک صاحب بوسے کہتا  
 حج کرنے کی ضرورت کیا ہے مولانا محمد رضا صاحب کا سفر نامہ پڑھئے غیہ  
 حج کرتے جانیے ہیں سے حج ہو جاتا ہے..!

ان اقتباسات کی یہ اہمیت بہر حال قابلِ توجہ ہے کہ اس میں پورا پورا  
 تجدد و عصمت ایک سفر نامے پر بلکہ حجاز کے تمام سفر ناموں پر اس صراحت کے  
 ساتھ کیا گیا ہے کہ کیا ہونا چاہیے کس انداز اور کس رخ سے ہونا چاہیے تھنی  
 صاحب نے اس سفر نامے کو سامنے رکھ کر متقدم دیکھتے ایسے بیان کر دیئے  
 ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر اس موضوع پر آئندہ کوئی بھی قلم اٹھانے والا کامیاب  
 کوشش کر سکتا ہے۔

ان خطوں سے اور بعض دوسرے خطوں سے بڑی شدت کے ساتھ یہ احساس ہوا  
 کہ یہ دوسروں کی ایک ضروری خدمت انجام پا رہی ہے جو انشا اللہ باعثِ اجر  
 قرار پائے گی۔

محمد شاہ معین الدین احمد صاحب ناظم دارالاحصافین و اعظم گڑھ کے  
 گرامی نامے نے سرسرا فرمایا ہے۔  
 آپ کے سفر نامے کا کچھ حصہ کبھی کبھی پڑھ لیتا ہوں مسلسل پڑھنے کا اتفاق



نہیں ہوا لیکن یہ اتفاق ہے کہ جو خبر اس سفر نامے کی جان اور بیت الغزل  
 تھا یعنی آستانہ نبوی کی حاضری اس کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھا اور  
 بڑھ کر دل بہت متاثر ہوا ایسا معلوم ہوا کہ اس سعادت میں میں بھی شریک  
 ہوں ایک تو ..... یہ قلم کی تاثیر سیٹھ مل کر کیفیت  
 پیدا کر دی ہے جزا کہ اللہ چشم باز کر دی "

حضرت سیکش اکبر آبادی نے سفر نامہ کو "سلجودہ کتابی صورت میں طبع کروانے  
 کا مشورہ دیتے ہوئے تحریر فرمایا "اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے  
 سفر حج و زیارت مدینہ طیبہ سے جو فیوض دیو کات آپ لائے تھے ہم کو بیکار  
 دور افتادہ کو بھی اس سے محروم نہ رکھا "

ان قدیم کرم فرماؤں کے گرامی ناموں کے علاوہ وہ خطوط جن کے کھنے  
 والوں سے کوئی شناسائی نہ تھی اس طرح کے کھے کو محسوس کرنا پڑا تھا کہ اگر  
 "حج کا سفر" نہ لکھا جاتا۔ یا کار خیر کے "اشتمار" کے شبہ میں بیچتے ختم کر دیا  
 جاتا۔ تو زیاتی ہو جاتی۔

مدیر قومی آوازا کے نام :-

"آپ کے مؤخر اخبار میں ہفتہ وار "حج کا سفر" قطعہ در چھپتا رہا ہے  
 جو کافی دلچسپ اور معلوماتی تھا نیز اس میں بہت سے مسائل کو بھی حل کیا  
 گیا ہے انداز بیان اس قدر برہنہ ہوتا تھا کہ میں سب سے پہلے اسی کو  
 پڑھتا تھا اختیارات میں ایسے سببوں بنا ذخیرے کا محفوظ رہنا ممکن نہیں  
 ہے کہ کیونکہ اختیارات تلف ہو جاتے ہیں اس لئے اگر قبلہ مولوی صاحب اس

کو کتابی صورت میں شائع کرادیں تو بہت اچھا ہو گا اور حج کے سفر پر جانے والوں کے لیے ایک شغل کا کام کرے گا۔ (اسی اے حق اللہ پور جھانسی)

۱۲) رضا انصاری صاحب کا مضمون "حج کا سفر" میں شروع سے عید ذوق و شوق سے پڑھ رہا ہوں اور اس سلسلے کے ہر مضمون کو پڑھ کر مجھے بے پایاں مسرت کا احساس ہوا ہے، اس موضوع پر اردو میں مختصر اور ضخیم کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں میری نظر سے بھی متعدد کتابیں گزری ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین نہ تو حالات و واقعات کے حوال و محرکات تک پہنچے نہ انہیں مناسب پیرایہ بیان ہاتھ آیا جس کا نتیجہ یہ ہو کہ یہ سفر نامے زیادہ تر بے جان رپوڑیں ہیں یا گلدستہ بڑے عقیدت، رضا صاحب نہ صرف یہ کہ حالات و واقعات کے بنیادی محرکات تک پہنچ جاتے ہیں بلکہ وہ افکار خیال کے سارے وسائل بھی بروئے کار لا سکتے ہیں ان کے مضامین میں ادب کی چاشنی بھی ہے اور خلوص و عقیدت کے نذرانے بھی، ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جزئیات پر کما حقہ نگاہ رکھتے ہیں اور اپنے محسوسات کو بے کم و کاست بیان کر سکتے ہیں پیرایہ زبان اتنا دل نشین کہ اکثر کچھ کمرور کر دینے کی طبیعت چاہے، دوسری بات یہ ہے کہ رضا صاحب کا زاد یہ نگاہ یونی کے توسط بلقے کے شرف کا زاد یہ نگاہ ہے جو کہ ہم جیسے اکثر لوگوں کے لیے جانی پہچانی چیز معلوم ہوتی ہے، مجھے اسید ہے کہ یہ مضامین کتابی صورت میں ضرور شائع کئے جائیں گے تاکہ گوشہ نشینان ہند

اور سازان حجاز و دوزں مستفید ہو سکیں، رضا صاحب کی خدمت میں میری جانب سے یہ تبریک پیش کر دیجئے" (نامی انصاری پر یہ کاپی (۳) سفر تاشق قوی آوا میں پڑھ رہا ہوں بہت مفید اور معلومات سے پر ہے خاص بات یہ ہے کہ عملی لٹریچر اور دیکھپ ہے اس کو کسائی شکل میں لایا جائے تاکہ آئندہ حاجیوں کو رہنما کا کام دے۔

(محمد حامد حنفی کے اسکوائر لکچر)

اور جب ۲۴ قسطوں پر "ج کاسفر" پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو ایک ایسا خط تاجن کے حرف حرف سے بے ساختگی، سادگی صاف گوئی اور مافی الضمیر کو کہ گزرنے کی بے تکلف کوشش بخوبی ظاہر ہوئی تھی۔

"کمرمی انصاری صاحب اسلام علیکم در حمتہ اللہ بہ کا یہ ج بیت اللہ کے متعلق ۲۴ قسطوں میں بہت معلومات جوئیں اور ہو جایا کرتی تھیں اور اس مرتبہ آخری قسط کا اعلان پڑھ کر صحت تکلیف اور دکھ ہو رہا ہے کیا آپ ایک اور دو ماہ مسلسل قائم نہیں رکھ سکتے ہیں؟ اب کل والا قوی واز کا ہے کو پڑھا جانے کا، کوئی توسیل انصاری صاحب نکالیے، اگر ممکن ہو تو پھر پہلی قسط سے شروع ہو جائیے، تو بڑی ہر بانی ہو گی کس کو دل بڑا ادا ہے گا، کیا عرض کر دوں بیان نہیں کر سکتا فقط والسلام

خیر اندیش :-

پوسٹ کارڈ کے ایک طرف خط لکھ کر اور بات ختم کر کے اس عیب پاک کو پھر پتھر کی نے ستا یا پوسٹ کارڈ کی دوسری طرف اس نے بار دوور حمایت دل کی بات کہہ ڈالی۔

”خدا کی قسم آپ نے یہ سلسلہ ختم کر کے بے حد کوفت میں ڈال دیا ہے اگر یہ ممکن نہیں تو اسی قسم کا کوئی اور ہی سلسلہ شروع کر دیجئے دینے پاک کی کوئی اور ہی خبریں اور حالات شروع کر دیجئے مہربانی ہوگی، جی چاہتا ہے کہ آپ پر ظالم ہونے کا فتویٰ کوئی صادر فرما دیسے مگر مشکل تو یہ ہے کہ حضور خود ہی دوسریوں پر فتادے صادر فرمایا کرتے ہیں میری کیا کسی کی کیا بساط ہے، اچھا صاحب آپ کی جیسی مہربانی کبھی تو آپ کو رحم آہی جائے گا امین“

(..... اے۔ بی نگر اناؤ)

اس قسم کے تخریری تقاضے انبساط خاطر کا باعث جس حد تک بن سکتے ہیں وہ ظاہر ہے لیکن کیا یہ بھی گنجائش چھوڑتے ہیں کہ ایسی فرمائشوں کو در خود استناد نہ سمجھا جائے بہلے اعتنائی نہیں، نگ وئی ہوتی کہ ”ماحضہ“ موجود ہو، صرف اسے مرجع کو کے پیش کرنے کا مرحلہ باقی ہو اس وقت ان مصارف کا مہذبہ دیکھا جائے جو اگرچہ اجتہاد میں ہوتے مگر بالآخر بار نہ ثابت ہوتے؛ سفر نامے کو کتابی شکل میں پیش کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد طباعت کے چھپنے کے سلسلے میں قومی آواز کے صدر کاتب سید مظفر حسین عرف ذوالو صاحب سے ایک دن راہ چلتے تھا کہ خیال ہو رہا تھا اس قدم کے فاصلے پر ایک رکشا اور دو صاحب قیصر اور پتکون میں اس کے پاس کھڑے نظر آئے قریب جانے پر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ”یہی ہیں۔“

”میں آپ سے ملنے آچکی یہاں آنا چاہتا تھا، ابھی مکشے سے گزرتے ہوئے انھوں نے اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اچانک کہ آپ یہ ہیں“ دوسرے صاحب نے کہا۔

فوراً ہی انھوں نے اپنا تعارف کرا دیا " میں ڈاکٹر بھاٹیا ہوں، بازار کھالہ میں میرا مطلب ہے "جج کا سفر" برابر پڑھ رہا ہوں، مجھے کی ان بی بی کے واقعہ سے جن کو انکے والد نے وطن سے نمیں درہم ایک حال کے اتھ بیچے تھے، دل پر بہت اثر ہوا "

ڈاکٹر بھاٹیا صاحب کی اس گفتگو نے طبیعت پر غیر معمولی اثر کیا، خدا کا فضل اور اسی کا شکر ہے کہ اس تحریر کو اس نے بلا تخصیص مذہب و ملت قبول خاطر عطا فرمایا۔ (۲۱)

محترم مولانا علی میاں صاحب نے فرمایا تھا "جب مکمل ہو جائے تو اسے کتابی صورت میں چھپو ایسے کاغذ اور دو میں مولانا عبد المجید صاحب دریا بادی کے سفر نامہ حجاز کے بعد غالباً یہ دوسرا سفر نامہ ثابت ہوگا، " اس شرط پر منظور ہے کہ آپ مقدمہ لکھنے کا وعدہ کریں۔

جب یہ بات چیت ہوئی اس وقت علی میاں آشوب شہیم کے شدید ترین کمرب میں مبتلا تھے پھر بھی انھوں نے اپنی فطری مردت کے تحت بشرط صحت وعدہ فرمایا تھا سفر نامے کی بد قسمتی کہ اب تک وہ شفا یاب نہ ہو پائے کہ معمول کے مطابق لکھتے پڑھنے کے شاغل جاری کر سکیں، اب سفر نامہ بغیر ان کے با کسی اور کے مقدمے کے مطبع کے سپرد کیا جا رہا ہے۔

(۲۲)

بالا قسط پچھنے کے دوران میں کچھ مشورے عاز میں جج کی سہولت کے سلسلے میں جج کمیشن اور مرکزی سرکار کو برسیل تذکرہ دیئے گئے تھے، ان میں سے بعض

بلکہ اکثر اس سال ضابطہ کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ ایک دفعہ کے مسترد عازمین حج کو دوسری دفعہ ترجیحی سلوک کا مستحق مان لیا گیا بلکہ اس سال ستر فیصدی ان ہی عازمین حج کو جگہ دی گئی ہے جنہوں نے سال گذشتہ دیہوتہ کے "مخدوم رہ جانے کی تحریری سندیں" پیش کر دیں۔ یہ بھی اب عمل درآمد کی حد تک قریب قریب طے سا ہو گیا ہے کہ ایک ریاست کے عازمین حج حتیٰ الامکان ایک ہی جہاز کے ذریعہ روانہ ہوں گے۔

اس شور سے کو بھی مان لیا گیا ہے کہ عازمین حج کے ویزا پاسپورٹ کے مراحل ایک ہی ساتھ بلکہ بیٹی پیچنے سے پہلے ہی ملے ہو جائیں کریں اب تک عازمین حج جہاز کی روانگی سے آٹھ آٹھ روز قبل بیٹی پیچ کر پاسپورٹ ویزا وغیرہ کے پیگردوں میں ہی پھنسے رہتے تھے۔

(۳)

"حج کا سفر" روئیداد سفر کے انداز میں لکھا گیا تھا اور جیسا کہ اوپر گزرا ایک سلسلے سے نہیں بلکہ وقفے وقفے سے اس کی قسطیں لکھی گئیں اسی لئے وہ چیز جسے اسلوب انداز اور رجحان کی یکسانی کہتے ہیں۔ جو تصنیف کی خصوصیت اور بصفت کی "مارت کا ثبوت ہوتی ہے۔ اگر ان صفحات میں نظر دے آئے تو ایسے ایسی خالی سمجھ کر گوارا کر لیا جانا چاہیے کہ نظر ثانی میں اس کو دور کرنا دوسرے قسم کی خامیوں کے پیدا ہو جانے کا خطرہ سول لیے بغیر ممکن نہ تھا۔

(۵)

حج کی دعاؤں کا اس سفر نامے میں ذکر نہیں ہے اول تو اس لیے کہ

ایسا بہت ہی نادر ہے کہ کوئی خاص دعا کسی خاص موقع کے لیے اس طرح ماثور ہو کہ بغیر اس کے پڑھے مناسک حج میں خامی رہ جائے تو اس کی تفصیلات میں جہانگیر ضروری نظر آیا۔ دوسرے یہ کہ وہ حاجی دعاؤں کی جیسی سائز کی بہت سی کتابیں ہمسافری ہندوستان اور حجاز میں مل جاتی ہیں۔

(۶۱)

کتاب کے صفحات کا مناسب عدد میں رہنا مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دیکھ کر غصہ کرنے کے توجہ دلانے کے بعد انتہائی عمدہ درسی معلوم ہوا۔ مولانا نے اپنے دیرینہ تجربے کی روشنی میں فرمایا کہ کتابی شکل میں لانے سے پہلے سفر طے کرنا اس پہلو سے نظر ثانی کرنی چاہئے کہ زیادہ ضخیم کتاب سے اکثر استفادہ کرنے والوں کی تعداد گنت کم رہ جاتی ہے۔

اس صلاح کے پیش نظر ”حج کا سفر“ حذف و ترمیم کے بعد — اسی ترمیم کے بغیر جو قبل مقصود ہو — کتاب کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہو۔ کتاب کی منزل تک سفر نامے کے پہنچنے میں بہت سے مراحل تھے اور ہر مرحلہ جدا جدا مشکل کشا کا محتاج۔ اسی فکر میں چھ سات چھینے گزر گئے بالآخر تقاضوں اور تعدادوں کے سہارے منزل کی سمت قدم بڑھا دیا۔

اب منزل پر پہنچتے وقت سب کا صمیم قلبی شکریہ ادا کرنا انسانی اور اخلاقی فریضہ ہے ان میں جناب حیات اللہ انصاری صاحب (مدیر قومی آواز) محترم جناب مقبول احمد صاحب لادھی اور — یہ عزیمت حافظ حفیظ نعمانی صاحب دہرندائے ملت، ہر فرست ہیں حافظہ صاحب نے پیچیدہ اہل

کی تمام تر ذمہ داری لے لی ان کی رفیقہ حیات اپنے خسر مولانا محمد منظور نعمانی کے ساتھ اسی سال حج کرنے گئی تھیں جس سال کی روئیداد سفر بالا قساط شروع ہوتی رہی تھی، اور جب یہ قسطیں چھپ رہی تھیں اس دوران میں خود حفیظ نعمانی صاحب ڈی آئی آر کے تحت لکھنؤ جیل میں غیر معینہ میعاد گزار رہے تھے اور حج کا سفر جیل میں پڑھ پڑھ کر نجی خطوں میں اپنی خصوصی دلچسپی کا پیغام بھی لکھوا دیا کرتے تھے۔

اس سرِ اِسلامت کے تذکرے کے ساتھ الحاج حافظ محمد افضل رزاقی سرفہرشی میاں (بڑا گاؤں ضلع بارہ بنگی، پرنس ڈاکٹر ملہ سٹنجسم الدین دیوبند) مولانا محمد میاں فاروقی (الآباد) اور الحاج فقیر محمد صاحب (لکھنؤ) کا عنونیت کے ساتھ ذکر بھی ضروری ہے ان حضرات کی خصوصی توجہ کے بغیر روانگی ہجرت کا آرام اور بیکر منظور کا قیام آسان نہ ہوتا۔

بعض ان رفقاء سفر کا تذکرہ بھی ایک خوش گوار فریضہ ہے جن کی رفقا اس مبارک سفر کی یاد کے ساتھ ہمیشہ یاد رہے گی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد میاں فاروقی (الآباد) مولانا محمد شاہ فاضل (الآباد) مولانا شاہ عبدالرحیم نقشبندی (بجے پور) مولانا محمد منظور نعمانی (لکھنؤ) مولانا محمد لوہیس ندوی (گرا می) لکھنؤ، مولانا سید محمد سعید مجتہد (لکھنؤ) مولانا حبیب الرحمن اعظم گڑھ حاجی فقیر محمد (لکھنؤ) چودھری عظیم الدین اشرف (پیارہ بارہ بنگی) برادر مرشد شیعہ نابہ حسین (لکھنؤ) سید اکرام الحق (لکھنؤ) جناب مناظر الحسن (مٹنہ) جناب اشتیاق حسین (کاپنور) جناب ایم۔ او۔ رحمان (سر اس)



مولانا معین الشریعہ وی دکنھو مولانا ابو الیث ندوی (دہلی، قادری محمد ثانی  
 دکنھو شیخ ہور الحسن دکنھو شیخ ذوالفقار احمد آباد، جناب فرحت علی  
 والد آباد حاجی نثار احمد عارف خیر آبادی معرفت نامیاں دکنھو مولانا مفتی  
 محمد عتیق فرنگی علی دکنھو اور برادر عزیز مولانا حافظ محمد جلال الدین عبد المتین  
 فرنگی علی سب حضرات وہ میں جو آتے جاتے جہاں پر یا مکرر معطر اور مدینہ منورہ  
 میں حق رفاقت ادا کرنے میں بڑے عالی ظرف ثابت ہوئے۔

جاتے آتے مہینے میں ایک ایک ہفتہ قیام کے دوران چھوٹوں کی طرح  
 خیال کر کے اسعد الدین صدیقی سنٹرل دیپوے ممبئی اور بحرِ روح سلطان پوری  
 نے اور بڑوں کی طرح شفقت کر کے مولانا زہد شوکت علی اور حافظ عابد شوکت  
 علی نے ممبئی کو باکل دکنھو بنا دیا تھا۔

ممبئی سے روانگی کے وقت ہمارا قافلہ پانچ افراد والدہ پھوپھو جان  
 (الہیہ مولانا قطب میاں صاحب مرحوم ایمائی) الہیہ خال محترم حافظ حکیم محمد احمد  
 علوی کا کوردی مرحوم امتین میاں اور راقم السطور بدشکل تھا۔

سفرِ حج کے مصداق کا ذکر ”حج کا سفر“ لکھنے کے دوران متفرق طور پر ہوا  
 ہے یہاں ”ایک نظر میں“ تعبیر و تفسیر کے مسافر کے تمام لازمی مصداق  
 کو دیکھ لیا جائے۔

ممبئی سے جدے تک جانے آنے کا بحری جہاز کا ٹکٹ۔ ۴۳ روپے  
 اس رقم میں پگرم سائٹیکٹ کی فیس جدہ میں مدینہ المکرمہ میں رہنے  
 کا کرایہ جدے میں جہاز سے سامان منتقل کرنے اور انھیں مدینہ المکرمہ

ہمک پہنچانے کی مزدوری اور جہاز پر کھانے پینے کے مصارف وغیرہ  
سب شامل ہیں۔

جدے سے آگے سارے مصارف ریال (معدی سے) میں ہوں گے  
جو حسب ذیل ہیں :-

معلم کی فیس جو جدے میں اس کے وکیل کی ادا کرنا ہوگی۔ ۷۲ ریال  
جدے سے مکہ معظمہ جانے اور آنے کا سرکاری بس کا کرایہ۔ ۲۳ ریال  
مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جانے اور آنے کا سرکاری بس کا کرایہ۔ ۱۱ ریال  
مکہ معظمہ میں دو مہینے قیام کے لئے مکان کا کرایہ کوئی مقرر نہیں ہے حسب  
حیثیت مکان کا کرایہ ادا کر کے کوئی بھی مکان لے سکتا ہے واسطائی کس  
.. ۱ ریال

منی اور عرقات میں ٹھہرے کا کرایہ۔ ۳۵ ریال

قربانی و ایک جانور کی۔ ۳۵ ریال

مدینہ شریف میں مہر در کی فیس۔ ۱۵ ریال

مدینہ شریف میں کرایہ مکان اور واسطی۔ ۲۰ ریال

کم و بیش دو مہینے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں کھانے پینے کے مصارف

اور واسطی۔ ۲۵۰ ریال

متفرقات۔ ۴۷ ریال

۷۰۰ ریال

ہندوستانی سکے زیادہ سے زیادہ ۷۵۰ روپے آپ کے لئے ہوں گے

جہاز پر بیٹھنے سے پہلے ہی صاحبِ صدف مسافر خانہ میں واقع ریڑ و بنک کی شاخ میں آپ داخل کر کے اس کے بدلے میں ۹۳۰ ریال کا ڈرافٹ لے لیں جسے بعد میں آپ سعودی بنک کی شاخ سے جو مدینہ البجاج میں ہے کھٹے کھٹے بھنایے گئے گا تو آپ کے ہاتھ میں ۹۳۰ ریال ہو گئے جن میں سے سات سو ریال آپ نے مذکورہ مصارف میں خرچ کئے آپ کے پاس دو سو تیس ریال بچے ہیں ان کو آپ وہاں اپنی مرضی سے خرچ کر سکتے ہیں، لیکن ہر حاجی کے پاس لازماً سات سو ریال ہونا چاہیئے ورنہ وہ مشکلات میں پڑ جائے گا اسی لئے حکومت ہند ایسے کسی ساز مہج کو اجازت سفر نہیں دیتی جو علاوہ جہاز کے ٹکٹ کے دام کے کم از کم سات سو ریال کا ڈرافٹ بنوانے کے لئے سمارٹس بارہ سو ہندستانی سکے نہ رکھتا ہو۔

اب ہندستانی سکے میں حساب لگائیے تو جہاز کے ٹکٹ کی خریداری کے لئے ۴۳ روپے اور جہاز کے مصارف کے لئے زیادہ سے زیادہ ۵۵ روپے یا کم سے کم ۱۲ روپے یعنی کل جمع چوبیس سو روپے یا کم از کم اکیس سو روپے کا خرچ ہے، اس خرچ میں اپنے وطن سے مہینے تک جانے آنے اور مہینے میں کھانے پینے کے مصارف بھی جو ڈلے جائیں تو کئی طرح ڈھائی ہزار یا دو ہزار دو سو ہندستانی روپوں سے کم کا خرچ — فی حاجی نہ آئے گا۔

(۷)

حج کا سفر دیکھنے میں طویل اور مشقت کا سفر ہے، بہت سے کمزور دل بھی سوچ سوچ کر ہمت ہار دیتے ہیں، اپنا حال بھی اس سے مختلف نہ تھا، روانگی

سے پہلے جب محترم مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی نے تحریر فرمایا تھا "مناطویل سفر واقعی ایک مجاہدہ ہے اور وہ بھی ضعیف العزائمائی سواروں کے ساتھ لیکن اول تو صعوبات سفر زیادہ تر خیالی ہی ہوتی ہیں پھر اس مبارک سفر کے متعلق میرا اور دوسروں کا تجربہ یہ ہے کہ پہلے تو ہر صورت ڈراؤنی نظر آتی ہے لیکن بین وقت پر وقت اپنی ہر شکل کو پانی کر دیتی ہے" تو اس کی حیثیت صرف ایک تسلی کی کچھلی تھی لیکن پورے سفر میں قدم قدم پر اس "بھڑبھڑ" کی صداقت کی گواہی دینا پڑی اور کم و بیش ہر ذوق سفر کو اسی تجربے کا قائل پایا۔ یہ تو نہیں کہ کوئی زحمت نمودار ہی نہیں ہوتی لیکن ہر وقت مددگار اور معاون ہر ایک کو مل جاتے ہیں چاہے کسی کا کوئی ایک بھی شناسا و ہاں نہ ہو۔ ہر مرحلے پر مولانا بعلیٰ صاحب صاحب کی یہ تسلی اور اسی کے ساتھ وہ بھی یاد آتے رہے۔

(۸)

کھنڈوں سے روانگی سے لے کر مدینہ منورہ سے رخصت ہونے تک کا ذکر اس سفر نامے میں ہے جسے داپسی بیٹی میں آمد اور وطن میں واپسی کا تذکرہ عمدہ انداز میں کیا گیا ہے کہ داستان کا اختتام "ذکر خیر" پر ہو وہاں سے داپسی کا ذکر بھی خوشی خوشی کیا جاسکتا ہے جہاں سے واپس نہ آنے والے ہی خوش قسمت کہلاتے ہیں ؟

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں  
خاک ایسی زندگی پر کہ پتھر نہیں ہوں میں  
خاندان فرنگی محل کے سودا اعلیٰ ملاحظہ الدین شہید سہالوی کے چھوٹے بیٹے

لہذا محمد رضاؑ را اتم السطور کے جہدِ اعلیٰ۔ علمائے فرنگی عمل میں پہلے تھے جو  
 حج و زیارت کو اس دلولے اور جذبے سے گئے تھے کہ اپنے پیر و مرشد ریل ریل  
 حضرت شاہ عہدِ اوراق بانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کشف سے اپنی مریدہ منورہ میں  
 طلبی کی خوشن خبری پا کر اہل و عیال کو اپنے سے بڑے بھائی استاذ الہند ملا  
 نظام الدینؒ باقی درہن نظامی کے سپرد کر کے بلا زاد و دراصل صرف ایک مرید کی  
 معیت میں پیادہ پا چل پڑے حج کے بعد مریدہ منورہ تک رسائی کی اطلاع مختلف  
 ذرائع سے ملتی رہی پھر استاذ الہند نے اپنے کشف سے اپنے چھٹے بھائی  
 لہذا محمد رضا کی وفات کی خبر دی، فرنگی عمل کے نامور عالم ادزنگہ کو نوے سالہ  
 دلی اللہ نے لکھا ہے کہ ”وفاتش ہم در اں فواج واقع شد ازیں بہت مضبوط  
 تاریخ وفات اتفاق یافتاد چہ دریافت نگشتہ کہ در کدام سن و کدام ماہ و کدام  
 روز ازیں عالم انتقال کرد مگر ایں قدر البتہ دریافت نمی گردد کہ شاید در  
 حیات برادر کلان خود حضرت مولانا قدس سرہ (استاذ الدین ملا نظام الدین)  
 وفات یافتہ“ ملا نظام الدینؒ کی وفات سال ۱۱۰۰ھ میں ہوئی

ملا حاجی محمد رضا کی دسویں پشت میں ان کے ایک پوتے کا نام مان ہی  
 کے نام پر رکھا گیا جو صرف نام ہی کا محمد رضا نکلا، نہ اس نے وہ قسمت پائی  
 جو اس کے جہدِ اعلیٰ کے نصیب میں آئی اور نہ وہ دلولہ و جذبہ پایا جس نے حق  
 شناس و حق آگاہ سرکار حضرت ہانہ سے ملا محمد رضا کو ”میت خدا“ کا لقب  
 دلایا۔ وہ کٹے جیب کی طن سر کے بل دیوارِ صفت گئے، یہ بھونک پھونک  
 کہ قدم رکھنا اپنی سلامتی کی خیر مناسبتا گیا۔ وہ گئے تو لوٹ کر نہ آئے یہ گیا

اور منہی خوشی گھراٹ آیا ہے  
 کیا منہی اپنی ہوتی دیوانگانِ عشق میں  
 ہم حقائق نے کے اپنے حبیبِ درامن کو گئے

۹۔ فرنگی محل لکھنؤ ۳۰  
 محمد رضا انصاری

۲۷ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ ۱۱ نومبر ۱۹۶۷ء

# حج کی قسمیں

حج فرض ہے ان لوگوں پر جو استطاعت رکھتے ہیں۔  
 عمرہ جسے چھوٹا حج بھی کہتے ہیں سنت مؤکدہ ہے۔  
 اگر کوئی شخص صرف حج کی نیت کر کے حج کو جائے تو وہ مفرد ہے اس  
 حج کو افراد کہتے ہیں۔

کوئی شخص میقات پر پہنچ کر حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے وہ  
 عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام نہیں اتارے گا بلکہ ایام حج میں جب حج کرے تب  
 احرام اتارے گا ایسے شخص کو التقرن کہیں گے اور حج اور عمرہ کا ملنا تقرن ہے۔  
 جو میقات پر عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کر کے احرام اتار دے پھر ایام  
 حج میں حج کی نیت سے احرام باندھے وہ متمتع کہلائے گا اور اس طرح حج کرنے  
 کو تمتع کہتے ہیں۔

عمرہ میں احرام باندھنا اور طواف عمرہ کرنا فرض صغیر وہ کے درمیان  
 سعی کرنا واجب اس کے بعد سر کے بال ترشوا نایا مستدانا واجب ہے۔  
 مفرد کے لئے احرام باندھنا و طواف عمرہ اور طواف زیارت فرض و طواف

مزدلفہ حلق یا تقصیر سعی، طواف وداع رمی حجرہ عقبہ اور رمی جمرات ثلاثہ واجب  
 طواف قدوم اور سعی میں آٹھویں شب گزرا نہ سنت اور قربانی کرنا مستحب ہے۔  
 میقربان کے لئے حج اور عمرہ کا احرام باندھنا، طواف عمرہ کرنا و قوت رکھ  
 اور طواف زیارت فرض ہے سبھی عمرہ سعی حج، 'دقوت مزدلفہ' رمی حجرہ عقبہ  
 رمی جمرات ثلاثہ قربانی حلق یا تقصیر اور طواف وداع واجب اور سعی میں آٹھویں  
 شب گزرا نہ سنت ہے۔

مستحب پہلے عمرہ کرتا ہے اور احرام اتار دیتا ہے پھر دوبارہ حج کا احرام  
 باندھتا ہے وہ پہلے عمرہ کے ارکان ادا کرے پھر ایام حج میں حج کے مناسک  
 ادا کرے جس طرح میقرو ادا کرتا ہے۔ اس پر وہی سب فرائض اور واجبات  
 ہیں البتہ تمتع کے لئے قربانی واجب ہے جب کہ مفرد کے لئے مستحب تھی۔  
 کوئی فرض رہ جائے تو اس کی قضا کرے اس سال نہ ہو سکے تو آئندہ  
 سال قضا کرے واجب ترک ہو جائے تو دم (قربانی) دے سنت اور استحباب مجدد  
 رہ جائیں تو کوئی تاوان نہیں ہے۔

حنفیوں کے نزدیک قرآن افضل ہے اس کے بعد تمتع اس کے بعد افراد  
 اگر کوئی شخص ایام حج سے کافی پہلے قرآن کا احرام باندھ کر گیا تو احرام کے تقاضو  
 کو برابر ادا کرنا ہو گا یہ سفر میں بہت مشکل ہوتا ہے اس لئے اپنی سکت کو دیکھ کر  
 قرآن کی نیت کرنا چاہیے، جہاں تک فریضہ حج کی ادائیگی کا سوال ہے وہ جس قسم  
 کلج کسے گا فرض سے سبکدوش ہو جائے گا۔

اب جس قدر کثرت عاذ میں حج کی ہونے لگی ہے اس کے دیکھے ہوئے



ضمنی باتوں میں اہتمام کرنا بسا اوقات فرائض اور واجبات میں خلل انداز ہو جاتا ہے اس لئے فرائض و واجبات میں اہتمام کرنا چاہیئے منوں اور مستحب امور میں اگر مشکل ہو رہی ہو تو اس کی وجہ سے فرض اور واجب کو متاثر نہ ہونے

دے۔

بچ بدل کر نے والے کو اسی قسم کے حج کا احرام باندھنا چاہیئے جس کا حکم اپنی طرف سے حج کرانے والے نے دیا ہے اگر کوئی خاص حکم نہیں دیا ہے تو فقہاء کہتے ہیں کہ اسے افراد کا احرام باندھنا چاہیئے مگر نفی بہ مسلک یہی ہے کہ آمر کا حکم صریح نہ ہو تو ماسور مختار ہے کہ جس قسم کے حج کا احرام باندھے اچھا یہ ہے کہ آمر خود ہی ماسور کو اختیار دے دے کہ ”جس قسم کا حج تیرا حاجی چاہے کر“ احرام باندھنے والے کو خوشبو یا تیل کا استعمال سلا ہو اگر پہنا بال مونڈنا ناخن کترنا، عورت کے ساتھ استراحت یا ہم کناری اور شکار کرنا خشکی کے جانور کا احرام ہے جن تک مارنا ممنوع ہے۔

## شرطِ اول قدم

وجودِ صدی ہجری کے ایک شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی (متوفی ۱۳۱۳ھ) کی مجلس سے متعلق ایک روایت جب کبھی حافظے میں تازہ ہو جاتی تو نفس کا سخت عیب کہ لازماً نظر آتا ہے روایت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ایک نوجوان جو تحصیل علم سے فارغ ہو چکا تھا وقت کے نقشبندی اذیتخانی شیخ مولانا شاہ فضل رحمنؒ کی خدمت میں گنج مراد آباد (ضلع ناٹ) حاضر ہوا اور ایک نووارد وغالب کی حیثیت سے شاہ صاحبؒ کی مجلس میں خاموشی سے بیٹھ گیا، بزرگانِ طریقت کے دستور کے مطابق شاہ صاحبؒ نے مضامین کی طرف حسبِ مراتب توجہ فرماتے ہوئے اس نووارد و نوجوان سے بھی تفسیر احوال فرمایا "یکوں آئے ہو اور کیا مقصد ہے؟"

نوجوان نے دست بستہ عرض کیا کہ تحصیلِ علم سے فراغت حاصل کر لی ہے اب حج کو جانا چاہتا ہوں۔ نوجوان کے اس جواب میں شاید خود نمائی کا شائبہ محسوس ہوا اور بزرگوں کی خدمت میں اس طرح جسارت کرنے پر کھتا دیریب مقصود ہو یا کوئی اذہمرا اس کے اندر نہما ہو جس کو حقیقت شناس ہی سمجھ پالیں گے، بہر حال شاہ صاحبؒ نے ذرا تیر لہجے میں نصیحت

فرمایا جانتا بھی ہے کہ سفر حج کی شرط کیا ہے؟

نوجوان نے دوبارہ جرات سے کام لیا اور حضرت کے تئیں دیکھ کر خاموش ہو جانے کے بجائے بول اٹھا۔

”جی ہاں“

شاہ صاحب نے پوچھا تب کیا شرط ہے؟

نوجوان نے بوجہ اور قدرے دلہانہ انداز میں جواب دیا: شرط اول قدم آنت کہ مجنوں باشی۔

حضرت شاہ فضل رحمن ”شادہاں“ سے ہو گئے اس کے بعد دیر تک اس نوجوان کی طرف گفت رہے اور جب نوجوان رخصت ہوا تو بنفس نفیس کچھ دور اس کی خاشیت فرمائی اور رخصت کرتے وقت اسے گاڑھے کا ایک تھان بھی عطا فرمایا۔

یہ نوجوان تھا کون؟ ہمارے زمانے کے اور ہم میں سے بہتوں کے دیکھے، ایک بزرگ مولانا محمد شفیع بجنوری جن کے وصال کو دس بارہ برس ہوئے ہیں جنہوں نے متعدد بار حج کیا، آخری حج میں عین ایام حج میں مکہ معظمہ میں انتقال کیا اور جنت المعلیٰ (مکہ معظمہ) میں مدفون ہوئے۔

حضرت شاہ صاحب نے گاڑھے کا تھان جو دیا تھا تو خدا ہی جانے یہ ایک سچے عازم حج کو یا آخر اس پاک سرزمین پر منہ لپیٹ کر حشر تک پڑھنے کی اشارتاً تلقین تھی یا مجنوں ہونے کی شرط پر عمل کے دعوے دار کو سچا مان کر اس کے جان سے گزر جانے کے وقت کے لئے پہلے ہی سامان کر دیا، آج کون ہے جو اس قطعیت کے ساتھ روشنی ڈالنے کی جسرات کر سکتا ہے!

مختم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے فرمایا کہ ان تک اس واقعہ کی روایت جزوی اختلاف سے پہنچی ہے۔ یہ اختلاف ضرور قابل ذکر ہے۔  
 ان کی اطلاع کے مطابق جب شاہ صاحبؒ نے مولانا محمد شفیع بجنوریؒ سے  
 بلوچھا کر جانتے بھی ہو کہ شرائط حج کیا ہیں، اور مولانا بجنوریؒ نے جواب میں حافظ  
 کا شعر پڑھا۔

دورہ منزل یلی کہ خطر ہا ست ہے

شرط اول قدم آنت کہ جنوں ہا شی

تو شاہ فضل رحمٰنؒ نے دور سے ایک چیخ ماری اور ایک کیفیت میں ڈوب گئے  
 جب حالت سکر سے حالت صحو میں آئے (باطنی کیفیت رفع ہوئی اور ظاہری  
 حالت عود کر آئی) تو مولانا شفیع بجنوریؒ سے جلدی جلدی فرمانے لگے۔

یہ سب فضول باتیں ہیں، بس شرائط حج وہی ہیں جو فقہائے کرام نے  
 اپنی کتابوں میں لکھے ہیں، یعنی استطاعت، امن، راہ، بلوغ، اسلام، حریت وغیرہ  
 مولانا شاہ فضل رحمٰنؒ ایک جلیل القدر عالم دین بھی تھے صاحب درس و  
 تدریس بھی اور اپنے وقت کے نقشبندی اور قادری شیخ طریقت بھی جن کا فیض تربیت  
 دور و دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کی محفل کا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی ان کے حلقہ  
 امدادت میں ایک سند کی حیثیت رکھتا تھا۔ شاہ صاحبؒ کو جس کیفیت کے تحت  
 مذکورہ شعر و حدیث ساطاری ہوا۔ اس کی تہ تک عام نگاہوں کا پہنچنا ہموار نہ تھا  
 جس کے نتیجے میں یا اشتباہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شریعت نے جو شرائط حج بتائے ہیں۔  
 ان کی اتنی وقت نہیں ہے جتنی اس شرط کی جس پر شاہ صاحبؒ نے اپنے حال

سے ہر توفیق ثبت فرمادی ہے۔ اس طرح شریعت کا پہلو دیکھنا نظر آنادیکھ کر شاہ صاحبؒ نے اس اشتباہ کو دفع کرنا اور شرعی احکام کو عام ذہنوں کے لئے مقدم اور اہم بتانا ضروری سمجھا اور اپنے حال کی توجید اپنے "قال" سے فرمادی۔

یہ نکتہ صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے سوانح کے مطالعہ کرنے والوں کے اگر پیش نظر رہے تو طریقت اور شریعت کے تصادم کی فرضی داستانیں خود بخود معدوم و منتفی ہو جائیں۔

۳۔ جس راہ کے دہرہ کے لئے قدم اٹھانے کی پہلی شرط یہ ہو کہ وہ تمام احتیاطوں اور انجام بندیوں سے فارغ ہو جائے اس راہ پر چلنے کا ارادہ اگر وہ کرے جو قدم قدم پر سہارے ڈھونڈنے کا عادی رہے لہجے کی ضرورتوں کے لئے گھنٹوں اور دنوں فکرمند اور منزل منزل کی آسائشوں کے لئے سارے وسائل صرف کر دینے پر تیار رہتا ہو تو سوائے اس کے اور کیا کہا جائے گا۔

ہر توالوس نے حسن بدستی شعار کی

اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

ماننے بغیر چارہ نہیں کہ یہ دو شیوہ اہل نظر کی ہے آبدی کا دور ہو اور

اس اعتراف و اقرار کے بغیر مگر نہیں کہ سفر حج کا قصد کرنے سے بہت پہلے

”بواہوسی“ کی کیفیات سے مجبور ہو کر بار بار اور لگاتار سوچنا پڑا کہ یہ دور دراز سفر

کن کن سہاروں کے ذریعہ آرام و اطمینان سے طے ہو سکتا ہے جو ہو آئے ہیں ان

سے گھنٹوں تبادلوں خیال اور جو خود سوخ رکھتے ہیں ان کے سامنے بار بار اپنی

پریشانیوں کا اظہار یہی وہ مشاغل تھے جو دور کے تمام نجی اور منہجی فراکشی پر

غالب سے ہو گئے تھے۔ جو پہلا قدم اٹھانے کی پہلی ہی شرط کے سرسرمنا فی تھے۔  
 سفر حج کے لئے شرع نے استطاعت کی شرط رکھی ہے۔ استطاعت میں مالی  
 استطاعت جسمانی، ذہنی استطاعت سب ہی کچھ شامل کیا جاتا ہے اپنے خیال میں  
 یہاں کسی قسم کی بھی استطاعت کا حقد زبانی جاتی تھی لیکن جب کسی "ہم سایہ" کی پانے  
 مردی سے مالی استطاعت نصیب ہو جائے تو بلاشبہ کفران نعمت ہو گا کہ دوسری  
 ان بے استطاعتیوں کو جو موبہوم ہونے کا پہلو بھی رکھتی ہیں قابل اعتنا سمجھا جائے۔  
 بالواسطہ مالی استطاعت نصیب ہوتے ہی ۱۹۶۲ء میں پہلی بار اپنی، اپنی اللہ  
 اور اپنی پھوپھو کی طرف سے جہازوں کی کینی منزل لائنز بمبئی کو درخواستیں بھیج دی  
 تھیں، اس وقت درخواستوں کی وصولی کی ترتیب کے حساب سے جہازوں پر چڑھیں  
 دی جاتی تھیں، ترتیب کا مطلب یہ کہ ایک ہی دن اگر دس ہزار درخواستیں پہنچیں  
 تو کینی کا عملہ جس ترتیب سے رجسٹریاں وصول کرے گا، اسی ترتیب سے رجسٹر میں  
 اندراج ہو گا۔ ہماری درخواستیں اس نمبر پر درج رجسٹر ہوئیں جو مقررہ نشستوں کے  
 بعد پڑتا تھا۔ اس طرح اس سال پھر ۱۹۶۲ء میں ہماری درخواستوں کا جواب انکار میں ملا،  
 ۱۹۶۳ء میں تیسری بار درخواستیں دیں ان کا بھی وہی حشر ہوا اگرچہ اس دفعہ  
 ترتیب کے بجائے قسمت کی کار فرمائی رائج ہو چکی تھی یعنی سب درخواستیں جو مقررہ  
 تاریخ تک کینی کو پہنچ گئیں، ایکجا کر کے مقررہ نشستوں کی تعداد کے مطابق  
 سرے کے اندیسہ نکال لی گئیں ہماری درخواستیں قرعے میں نہیں نکلیں  
 اور محمدی اور ناکامی پھر پڑا تھا آئی۔

اس دفعہ حج کمیٹی نے ایک گنجائش پیدا کر دی تھی وہ یہ کہ کچھ نشستیں محفوظ

کرتی تھیں (جن کی تعداد کے بارے میں افواہیں بہت سی سننے میں آئیں تھیں) سے معلوم ہوا کہ صرف دو سو تھیں) یہ ایسے درخواست دہندگان کے لئے محفوظ کی گئی تھیں جو سن رسیدہ ہیں اور پہلی بار عازم حج ہیں۔ ان نشستوں کو الٹ کرنے کا اختیار مرکزی حج کمیٹی کے صدر مفتی محمد عتیق الرحمن عثمانی (درکنگ صدر مرکزی جمعیت اہل علم) اور ممبران کمیٹی کو دیا گیا تھا۔

مفتی صاحب سے ذاتی نیاز مندی نے آمادہ کیا کہ والدہ اور پھوپھی کی سٹیڈنگ کی طرف ان کو توجہ دلائی جائے اور انھوں نے توجہ کر کے تین نشستیں ہم تینوں کے لئے الٹ کر دیں، آخری جہاز ۲۸ مارچ کو جانے والا تھا اور چھگیں لے کر خوشخبری شروع مارچ میں گویا تقریباً عالم یاس میں ملی۔

چھوٹا سا سفر بھی جس کے لئے باعث وحشت ہوتا ہوا اس کو اتنے بڑے سفر کے لئے اتنے مختصر وقت میں اور اتنی ذمہ داریوں کے پیش نظر تیار یاں کرنا کیسی کچھ پریشانی اور سر اسیکھی کا باعث بنا، جو کاکھاب اسے سوچنے کا بھی حوصلہ نہیں دے۔ خیر تیار یاں ہوئیں اور زور و شور کے ساتھ ہوئیں، کپڑے لے، اور ہٹنا پھونکا تو ہوتا ہی جتنے منہ اتنے مشورے — اور ظاہر ہے کہ سب فلفلہ مشورے — یہ بھی ساتھ ہونا چاہیے وہ بھی — پھر بڑی بوڑھیوں کی نصیحت نے دادا، پردادا کے وقت سے چلی آنے والی ضروریات سفر کی فراہمی بھی لازم کر دی، انکار کی گنجائش کہاں؟ لاکھ ابھیے مگر بزرگ کا کہنا نہ ماننے کا گناہ وہ بھی اس مبارک سفر کے موقع پر اپنے سر کیسے لے لیجے گا؟

عزیزوں اور دوستوں نے بہت سا زور دیا کہ بھیجا سب کا لاد کر لے جانا جس سے

باہر نظر آیا لیکن والدہ کے سامنے مصلحت یہ تھی کہ کھانے کا ایسا سامان جو بہت دنوں چل سکے اٹھا جائے کہ اگر خدا نخواستہ دو تین مہینے کے سفر میں کہیں ضرورت پڑ جائے تو زحمت نہ ہو، اور ان کی مصلحت تسلیم ہی کرنا پڑی۔

گرم تجربے نے یہ ثابت کر دیا کہ سوائے رذمرہ کی بہت ہی ضروری چیزوں کے اور سامان کا لا دکر لے جانا محض دبدبہ مرہ ہے۔ وہ زیادہ اور تھا جب حجاز میں کچھ نہیں ملتا تھا۔ اب کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو وہاں نہ ملتی ہو۔

عازم حج کو جس قدر روپیہ لے جانے کی اجازت ہے اس کی محدودیت کے دیکھتے بھڑوں کو یہ خیال بجاطور پر آتا ہے کہ اگر محدود رقم حجاز میں ضروریات کی فراہمی میں خرچ کی گئی تو حج کے ضروری اخراجات میں تنگی ہو جائے گی اسی لئے وہ ہر چیز وہاں سے لے جاسکتے ہیں لے جانا ضروری سمجھتے ہیں۔

ذاتی تجربہ اس کے برعکس ہوا۔ ریل اور جہاز پر اس کے بعد ہر منزل پر زیادہ سامان کی بار بردہ دی میں جتنا خرچ کرنا پڑا اس سے کم ہی میں وہ چیزیں وہاں خریدی جاسکتی تھیں جو یہاں سے لا دکر لے جانی گئی تھیں۔ مزید برآں لدے پھندے حاجی کو ہر مرحلے میں بکھرا دینا پڑتا ہے اور سامان کی حفاظت کا تو دیکسی دقت اسکا ساتھ نہیں چھوڑتا۔

جتنی رقم بحری جہاز سے جانے والے حاجی کو ملتی ہے اتنی ہی موالی جہاز سے جانے والے حاجی کو ملے ہوئی جہاز کا مسافر بہت محدود سامان لے جاسکتا ہے ایک پھونکا ایک بکس اور ایک آدھ نوکری اس میں اس کا وزن پورا ہو جاتا ہے۔ اتنے مختصر سامان سامان کے ساتھ اسی محدود رقم میں وہ حج کر لیتا ہے تو بحری جہاز کے مسافر بھی



سامان میں بڑی حد تک اختصار سے کام لے سکتے ہیں۔ مگر چون کہ بحری جہاز پانی کس سامان کے وزن کی کوئی قید نہیں ہے اس لئے جی بھر کے سامان لے جانے والے جاتے اور بے سبب پریشانی میں پڑ جاتے ہیں۔

ہوائی اور بحری سفر میں ایک فرق ضرور ہے۔ ہوائی جہاز کے حاجی کو کم بیش ایک مہینہ حجاز میں صرف کرنا ہوتا ہے جب کہ بحری جہاز کے حاجیوں کو تقریباً ڈھائی مہینے کا مغلطہ اور مدینہ منورہ میں گولنا ہوتے ہیں۔ اور کم بیش بیس دن آمد و رفت میں سمندر پر بسر کرنا ہوتے ہیں۔ تاہم سامان کے سلسلے میں یہ فرق کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے زیادہ دنوں ٹھہرنے والوں کو صرف زیادہ دنوں کھانے کے مصارف برواغت کرنے پڑتے ہیں۔ اور اس کا انتظام اس طرح ہے کہ بیٹنی میں گیموں، دال چاول اور شکر کے دام داخل کر دیجئے اور رید لے لیجئے۔ آپ کا پورا راشن آپ کو واپس دیئے بغیر کاغذ مضطرب ہو نچا دیا جاتا ہے۔ جہاں رید دکھا کر آپ اسے حاصل کر سکتے ہیں اس طرح اس میں وہ رقم خرچ کرنا نہیں پڑتی ہے جو ہر حاجی کو مصارف حج کے لئے ملتی ہے۔ ایسے حاجیوں کو دیکھ کر بڑا رشک ہوتا تھا جن کے پاس صرف ایک کھونا اور ایک بکس تھا، اگلے پگلے ہر فکر سے آزاد جہاز پہنچنے دن گزارے کھانا پینا جہاز سے ملتا رہا، ایک ٹوٹا، دو برتن، بیس یہ کل سامان ضروری ثابت ہوا۔

چلنے سے کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا ہے کہ سامان کی ڈھلائی کہاں کہاں اور کسی کیسی زیر باری کے ساتھ ہوتی ہے۔ گھر سے چلے ہوئے میں سامان کا حصول دیاقلی کی مزدوری دی، بیٹنی میں اتارے اسٹیشن پر پھر قیام گاہ پر مزدوری ادا کی۔ جہاز تک لے جانے کی مزدوری دی، جہاز پر لے جانے کی مزدوری کی کس آٹھ روپے مقرر ہے،

اگر مختصر سامان ہو کر خود اٹھالیں تو اس نیرباد کی نجات ہو جائے جدے میں ساحل سے اترنے پر، پھر جدے میں حجاج کی قیام گاہ مدینہ الحجاج میں اس کے بعد مدینہ الحجاج سے ردائگی کے وقت ٹیکسی یا بس پر لاوے میں پھر مکہ معظمہ میں سامان اتارنے اور قیام گاہ تک لے جانے میں، اسی طرح مدینہ شریف آنے جانے میں پھر اسی طرح واپس مکہ میں پھر جدے سے واپس ہوتے وقت جہاز یا ریل میں حساب کیا تو کم و بیش چار سو روپے صرف اپنے سامان کی مزدوری میں مجموعی طور پر خرچ ہوئے۔ پانچ مسافروں کے سامان پر۔

پرانے لکھنوی شاعر آفتاب الدولہ قلق کا ایک شعر پڑھا تھا اور خالی خالی غولی شکر  
سجھ کر گر گئے گئے تھے

کوئی آئین دقا اٹھ نہیں رہتا اس سے  
کون دلی کو ادب عشق سکھا دیتا ہے؟

اب۔ جو سفر حج میں ہوا تو یہ شعر اپنی پوری حیویت کے ساتھ ذہن میں جاگ اٹھا  
کوئی سفر بھی بغیر تیاریوں کے نہیں ہوتا تیاریوں کا مطلب بھی بہت صاف ہو  
لیکن عائد حج کی تیاریوں کا رخ خواہ مخواہ بد نظر آتا ہے جس میں ارادے کا اتنا  
داخل نہیں ہوتا جتنا تو فیق اور قسمت کہا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی فیضی تحریک حقیقی  
تیاریوں کی طرف توجہ مبذول کرانے پر تلی ہوئی ہے۔

سفر حج کی تیاریوں میں ایک یہ بھی ہے کہ مسافر اپنی گزشتہ لغزشوں اور غلطیوں  
کو یاد کر کے ان پر نادم ہو، توبہ کرے اور آئندہ حتی الوسع برائیوں سے بچنے کا عہد کرے،  
بظاہر ڈراما سان کام ہے اگر حال اپنے ہی تک محدود رہے اخلاص میں بیٹھ کر اپنی

کو تاہیوں اور معصیتوں پر نادم ہو لینا کس کو گراں گوارے گا، جب کہ اس کے معاوضے میں بے شمار نافع بھی ملنے والے ہوں، — لیکن بات اس قدر سہل نہیں — ان معاملات میں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، تخلیہ اور اندرون پردہ کی توجہ چاہئے گی کہ جن معاملات کا تعلق بندوں سے ہو ان میں بندوں کے سامنے عفو اور مدد گزر کے لئے ہاتھ پھیلائے بغیر معافی ملنے کا سوال کیسا! — ایسے اللہ والے اب کہاں کہ ان کے حقوق کے بارے میں کوئی لغزش کوئی زیادتی کوئی کوتاہی مہموی اور انہوں نے بغیر کچھ خالصاً وجہ اللہ دل سے معاف کر دیا ہے

شیندم کہ مردانِ راہِ خدا  
دل و دشمنان ہم نہ کردند تنگ  
تم کے میسر شود این مقام  
کہ یاد دستانِ خلافت و جنگ

یہاں تو ایک ایک سے کہا نامعاذ کرانا ہوگا۔ یہ جو رسمی طور پر کہہ ڈالتے ہیں ”بھئی! کہا نامعاذ کرنا“ اور معاف کرنے والے بھی ٹھٹھہ دیکھی انداز میں جواب دیتے ہیں ”آپ نے کیا ہی کیا ہے۔ خیر کہتے ہیں تو معاف کیا آپ بھی ہمارا کہا نامعاذ کیجئے گا“ اللہ اللہ خیر سلا! اس طرح رسمی اور سطحی معافی تکافی سے کام چلنے والا نہیں آدمی ایک معاشرے میں دن رات رہتا ہے کسی سے دوستی کسی سے نیاز مندی کسی سے فرمانبرداری کسی سے اشتراک کسی سے قول و قرار کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ کیا عملاً ممکن ہو کہ ان تمام تعلقات کو اسی طرح بنا دے جو ان کا حق ہے، کھٹ پٹ بھی ہوتی ہے، اختلاف بھی، مافافی بھی ہوتی ہے، پر ناالی بھی، بدخواہی بھی ہوتی ہے اور بدگمانی بھی

یہ ظرف کوئی کہاں سے لائے کہ ایک ایک بات کو یاد کرے اور ایک ایک فرد سے  
جن کا اس سے سابقہ رہا ہے ورنہ اہل نادانہ بد معاشیوں پر معافی مانگے، نفس کا  
دفا کر کیا کچھ مجروح ہوتا نظر آئے گا! تقویٰ اور بندہ داری کی دھوم دھام کی کیا  
کیا ہنسی اڑے گی!! اور شہرت ایمانداری کی کیا کچھ رسوائی ہوگی! لیکن سفر حج کے  
آداب و شرائط میں ہے کہ پہلے یہ سب کچھ گوارا کیا جائے تب آگے قدم اٹھایا جائے۔  
ایک قدم بر نفس خود نہ

ایک قدم در کوئے دوست  
پہلے ہی قدم سے اگر نفس کی سرکشی کو نہیں کھلا تو سمجھ لینا چاہیے کہ دوسرا قدم  
کوئے دوست کے بجائے کسی اور جاکوچ میں نظر آئے گا۔  
تو سم نہ رسی بہ کعبہ اسے عمر لانی  
کیں رہ کہ تو میری بہ ترکستان ست  
بات بالکل صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے سے تعلق پرورش رحمت اور مغفرت  
کا ہے، اس کے حقوق میں کرتا ہیوں کا اعمال نامہ عرق انفعال کے دو قطرہں سے  
دھل سکتا ہے۔

قطرہ زاب رحمت تو بس است  
شستن نامہ سیاہ ہمہ  
بندوں سے بندے کا معاملہ برابری کا ہے اور برابری ہی کی سطح پہلے ہو سکتا ہے  
جو حق تلفیاں ہوئی ہیں ان کی پوری تلافی کی جائے تلافی امکان سے باہر ہو تو  
معافی حاصل کر کے سبک دوشی حاصل کی جائے۔ — در نہ اس کے دربار میں جہاں

حقوق اللہ سے پہلے حقوق العباد پوچھے جاتے ہیں کوئی کس منہ سے جانے کی  
جرات کرے گا

کھد کس منہ سے جاؤ گے غالب  
خسر تم کو مگر نہیں آتی

جن بچاروں کا خلق کسی بیچ سے بیک لاف یا عام انسانوں سے رہا ہے  
ان کا معاملہ اور بھی سنگین ہے، کتنوں کی دل شکنی کی ہو گئی کتنوں پر چوٹیں کی ہو  
گی بکتنوں کی مذمت کی ہو گی بکتنوں کی بدگوئی اور بغیث کی ہو گی لانا کہ یہ سب کچھ  
پوری نیک نیتی سے کیا ہو گا لیکن نیت کا حال تو صرف نیت کرنے والا ہی جانے کا!!  
کسی کی نیک نیتی سے جس پر بیت گئی ہیں تو اسے بھی دیکھنا ہے۔ پھر عقل و فہم کے  
تفاوت کی بنیاد پر ایک کی خیر خواہی کو دوسرا اپنے حق میں بد خواہی سمجھ کر گیرنا  
اور کڑھنا بھی تو ہے ابے شک خیر خواہی کرنے والا بے قصور لیکن جس کا دل ٹوٹ  
گیا اس کی غلط فہمی رفع کرنا اور اس کی دجوئی کرنا بھی تو معاشرتی فریضہ اور  
دینی تقاضا ہونا چاہیے!

اخبار سے تعلق رکھنے کی بنا پر عوامی رابطہ کا دائرہ خاصا وسیع ہو جاتا ہے  
سیکڑوں سے براہ راست اور ہزاروں لاکھوں سے بالواسطہ ایک رابطہ قائم ہو جاتا  
ہے۔ اب سوچئے تو بنا ہونے کی ذمہ داریاں کتنی بڑھی چڑھی نظر آئیں گی اور ان  
ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں کتنی ادنیٰ بیخ ہوتی رہتی ہو گی!

امکان تھا کہ اخبار میں اعلان کر کے ہر ایک سے علانیہ معافی مانگ لی جائے  
اور حقوق العباد سے پوری طرح سیکہ دیش ہو کر آگے قدم بڑھایا جائے

لیکن یہ تجربہ مشکل ہو گیا کہ نفس کہیں ایک اور فریب میں تو مبتلا نہیں کر رہا ہے؟  
 واقعی یہ اعلان معذرت ہو گیا۔ دیندار سی کا ڈھنڈورا — ”حقیر پر تقصیر“  
 ”نامہ سیاہ“ اور گھوٹکا زدہ غیرہ کے الفاظ اپنے حق میں کہنے کا رواج بہت قدیم  
 سہی لیکن یہ فیصلہ کرنا آج بھی مشکل ہے کہ واقعی یہ انکار ہے یا بالواسطہ قلعی۔

غرض اسی کش کش کی حالت میں جن تک رسائی ہو سکی ان سے زبانی اور  
 جن کو خط لکھ سکے ان سے بذریعہ تحریر۔ رادائیںگی حقوق کے سلسلے میں اپنی کوتاہیوں کی  
 عذر خواہیاں کہیں محسوس ہوا کہ بزرگوں نے بڑی فراخ دلی سے چھوٹے کے قصور  
 کو، دوستوں نے دلسوزی سے دوست کی غیر ذمہ داریوں کو، اور خیرکام زندگی نے  
 پوری محبت کے ساتھ اپنے شریک کی کوتاہیوں کو معاف کیا، لیجئے! اپنے حساب  
 — اس طرح سفر حج کے آداب میں سے ایک بڑا ضروری ادب انجام پا گیا لیکن  
 ایک کھٹکا ہے کہ نگاہ اسے اخلا جانے اپنی جان چھڑانے کے ارے معاف کرنے  
 والے نے معافی سے دی ہے یا واقعی دل سے معاف کیا ہے — اور اسی کھٹکے  
 کے ساتھ آگے قدم بڑھانا پڑا۔

یہ کھٹکا بھی ایک فحش بن کر ساتھ رہے تو کیا کہنا! — خدا نکرہ کہیں غلط  
 فہمی پیدا ہو گئی کہ حقوق العباد سے پوری طرح سبکدوش ہو چکے تو ”نازِ تقویٰ“ کی  
 راہ سے راہزن نفس کو ماحفت و تاراجی کے کیسے کیسے مواقع مانہ نہ آجائیں گے۔ جو  
 بدگمان دین کا مشورہ قول ہے انکسار العاصیین احب الی اللہ من صلوٰۃ  
 المطیعین (طاعت گزار بندوں کی تکفیت سے کہیں زیادہ گنہگار بندوں کا  
 عجز و انکار اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے) تو وہ اسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے

بچانے کی ایک کوشش ہے مجذوب مرحوم نے اسی مفہوم کو پیش کیا ہے۔

نازِ تقویٰ سے پھرا چھا ہے نیازِ زندگی

جاوِ زہد سے پھرا بھی مری رسوائی ہے

اس راہ کی سب سے بسترِ سماع ہی ہے کہ ہر پہلو سے اپنی بے کمالی کے کمال کا اعتراف کرتا جلاجلے جیسے اندھا لکڑی کے سہارے قطعِ مسافت کرتا ہے تو ہر کھینے والا راہ گیر اس کی نامیائی پرترس کھا کر خطے کے مقام پر اس کا ماتمہ بکڑ کر مقامِ خطر سے اسے دور کر دیتا ہے۔

نہ تمت زوینا نہ زوین نصیبِ منظر

بغنون بے کمالی چہ قدر کمالِ داری

ڈھیر بھر سامان تو بندھا بندھایا رکھا ہی تھا اپنے حسابِ حقوقِ العباد کے بارے کسی حد تک سبکدوشی جو ہو گئی تو فی ہری سامان کا وزن جیسے کچھ کم محسوس ہونے لگا اور چل کھڑے ہونے میں ایک ترنگ اور امنگ کی کیفیت جلوہ فرما نظر آئی۔

ہنسی خوشی ماثور و عاکس پڑھتے پڑھاتے گھر سے باہر قدم رکھا سامان بھی باہر آیا اور خدا حافظ کہنے والے بھی اکٹھا ہو گئے لیکن ابھی ایک حقدار کے حق کی ادائیگی باقی تھی۔ وہ تھی محلے کی مسجد۔ یہ بھی آدابِ سفر حج میں ہے کہ گھر سے روانہ ہو کر سفر پر روانہ ہونے سے پہلے محلے کی مسجد میں جا کر دو رکعت نفل پڑھے۔

اور مسجد سے اسی طرح رخصت ہو جس طرح عزیزوں اور رشتہ داروں سے رخصت ہوا جاتا ہے اور مسجد سے ان کو تابیروں کی جو حق مسجد کے سطلے میں سرزد ہوتی رہی ہیں بالکل اسی طرح معافی مانگے جیسے دستِ احباب سے فروگردشتوں کی معافی چاہی

اتفاق سے گھر سے برآمد ہونے کا وقت عصر سے کچھ پہلے کا تھا۔ جس وقت نفل پڑھی جاسکتی ہے۔ مسجد جا کر دو رکعت نفل پڑھی اور خدا جانے کیوں مسجد سے رخصت ہوتے وقت آنکھیں انکسبار ہو گئیں۔ جب کہ قریب ترین عین نے سے رخصت ہوتے یا حقوق کی معافی چاہتے وقت بھی یہ کیفیت پیدا نہیں ہوئی تھی۔

اس بحث میں کیوں پڑ جائے کہ سفر پر روانگی کے لئے کون سا دن مبارک ہو تا ہے، صرف اتباع سنت اور اوشا و نبوت کے پہلو سے باریک الله فی السبب والخصمیس (سینچر اور جمعرات کے دنوں میں اللہ برکت عطا فرمائے) کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے ہمارے قافلے کی روانگی جمعہ کا دن گزار کر سینچر کی شام کو ہوئی (شرعی پہلو سے رات آنے والے دن کی مالیت ہو ا کرتی ہے)۔

اپنے محلے سے رخصت ہونے کے بعد پہرہ پہن کر ہوئے تھے اپنے بزرگوں کے مدفن، باغ ٹلانا (نور در کاب گنج) سے پیران سلاسل، بابا دادا (دوسا سا تہذہ کی قبور کی زیارت اور ایصال ثواب کے بعد قبل مغرب روانہ ہوئی۔ چار باغ ریلوے اسٹیشن پر مغرب کی نماز پڑھی جس کے چند لمحوں بعد بیہوشی اکسیرس سے ہارا کارواں روانہ ہو گیا۔ — ۱۹ مارچ ۱۹۶۵ء کو۔



## روانگی اور مبہمی میں

فائدہ جو چار افراد پر مشتمل تھا، انتم احکام کی والدہ، مولانا متین میاں  
فرنگی علی اور ان کی والدہ ۱۹ مارچ کو جھانسی ایئرپورس کے ذریعہ شام کے سو سات  
بجے کھنڈ کے چار باغ اسٹیشن سے روانہ ہوا۔

اسٹیشن پر نصرت کرنے والے اعزاء و احباب میں اپنے غور و سال بچے بھی تھے  
جن سے اتنی طویل جدائی کا احساس شاید عام حالات میں ہوا شمت سے باہر ہوتا  
یہ محض توفیق الہیہ تھی کہ سب سے چھوٹے پانچ سالہ بچے (فاتی میاں) کو چھپاتے  
وقت بھی بے قراری اور بے چینی کی کیفیت اپنے اندر پیدا نہیں ہوئی۔ وہ تو چھوٹا  
تھا اور اتنی لمبی غیر حاضری کا واضح تصور بھی اس کے مصمم ذہن میں نہ ہو گا۔ اس  
کے بڑے بھائی بہن جو نصرت ہوتے وقت زار و قطار رو رہے تھے ایک ایسے  
کو رو نہ پڑا مادہ نہ کر سکے جو اسی غیر معمولی بات پر پریشان ہونے کا عادی رہا ہو  
اب سوچنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ گاڑی چھوٹنے وقت دھڑکا دوسرا لگا ہوا  
تھا کہ دیکھا جا ہیے کہ وہاں کیا گزرتی ہے۔ شوقِ تہذیبی کا یہ شعر اسی دھڑکے

نیکے ساتھ ذہن میں گونج رہا تھا۔

اشد کرے آج نہ پٹائے اُسے یا اس

امید جسے جانب درے کے گئی ہے

اور جب یہ کیفیت حاوی ہو تو دوسری کیفیتیں خواہ مخواہ مغلوب ہو جائیں گی۔  
دو راتیں اور ایک دن کا سفر کر کے ۱۲ مارچ کی صبح کو حدود ممبئی میں پہاڑی  
ٹرین داخل ہوئی، پٹے پایا تھا کہ ممبئی پہنچ کر سیدھے صابو صدیق مسافر خانے جائیں  
گے اور وہیں قیام کریں گے۔ خدا رحمت نازل فرمائے صابو صدیق مرحوم پر جنہوں  
نے عازمین حج کے قیام کے لئے ایک عالی شان عمارت ممبئی میں اپنے ذاتی سرمائے  
سے کھڑی کر دی ہے۔ اوسطاً دو ہزار مسافر ایک وقت میں اس مسافر خانے میں  
آرام سے ٹھہر سکتے ہیں۔

جو ممبئی نہیں گیا ہے وہ (اندازہ کر ہی نہیں سکتا کہ اس مسافر خانے کی شکل  
میں عازمین حج کو کیا دولت ہاتھ آگئی ہے۔ بیچ مارکٹ میں مسافر خانہ ہے جہاں حج  
کو جانے والے کی تمام ضرورتیں آسانی پوری ہو جاتی ہیں۔ دوکانیں ہوئیں، پٹے خانے  
سواریاں، ڈاک گھر سب چیزیں اس سے متصل ہی ہیں۔ اگر یہ مسافر خانہ نہ ہوتا تو  
اس زمانے میں عازمین حج کی ممبئی کی مصیبتوں کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ممبئی کے بڑے اسٹیشن دکنر، ریسن، ممبئی سنٹرل اسٹیشن پر ٹرین کے آنے ہی حج کیسٹی  
کی پولیس کے جوان سامنے آتے ہیں اور عازمین حج کو ٹرین سے اتارنے، سامان  
کو منتقل کرانے اور مسافر خانے تک پہنچانے میں مدد دیتے ہیں۔

ممبئی ایسا بڑا شہر ہے جہاں نادائق ہی نہیں بڑے بڑے دائق کار بھی دھوکا

کھا جاتے ہیں اور چاروں طرف منڈلانے والے فریبیوں اور جیل سازوں کے  
 قریب میں آ جاتے ہیں۔ احتیاط کا شدید تقاضا ہے کہ کسی اجنبی سے جہتوں میں کوئی  
 متحرک نہ رکھا جائے خواہ وہ کتنا ہی خیر خواہ نظر آتا ہو ایسا ہوا ہے کہ پھر داد  
 ہی خواہ بن کر عازمین حج کو لوگوں نے لوٹ لیا ہے۔

ہم لوگ وکٹوریہ ٹرنس پائر کر مسافر خانے میں قیام کرنے والے تھے کہ اس سے  
 قبل ہی ہمارے ایک محترم اور پیر بھائی چودھری عظیم الدین اشرف تعلقہ دار پیر  
 ضلع باردہ بٹل، اپنے داماد اسعد الدین صدیقی سینئر راجہ اشپنر کے ساتھ بانی کلمہ  
 اسٹیشن پر نظر آئے۔ زمین رکھتے ہی انھوں نے حکم دیا کہ ہمیں اترو اور ہمارے ساتھ  
 قیام کرو۔

بانی کلمہ اسٹیشن بمبئی شہر کا ایک چھوٹا اسٹیشن ہے جہاں چند منٹ گاڑی رکتی ہو  
 ہم کو جو بے اشتیاقی پر اترنے کے خیال میں تھے جو دس پندرہ منٹ کے بعد آنے  
 والا تھا تعمیل حکم میں غدر ہوا کہ اتنے سامان کے ساتھ اتنے مختصر وقت میں کیسے  
 یہاں اتر پائیں گے اور اگر اترا بھی گئے تو مسافر خانے میں ٹھہرنے کا ارادہ کیسے علی  
 جامہ پن پائے گا۔ اور اس وقت یہ بڑی بے غیرتی کی بات نظر آ رہی تھی  
 کہ جہاں عام عازمین حج ٹھہرے ہوں وہاں نہ ٹھہر کر کسی مخصوص قیام گاہ میں  
 آرام سے وقت گزارا جائے۔

غدر کیا کہ ہم لوگ تو مسافر خانے میں ٹھہرنے کا ارادہ کر کے آئے ہیں عظیم  
 بھائی نے کہا آپ کو مسافر خانے کا اندازہ نہیں ہے، میں دیکھ آیا ہوں۔ جی  
 جاتا ہے تو آپ حقوق سے وہیں ٹھہریں میں آپ کی والدہ اور پھوپھو جان کے

تو وہاں ٹھہرنے نہیں دوں گا۔

جلدی جلدی بانی کلاہنشن پڑے اور عظیم بھائی کے داماد کے یہاں جو قریب ہی میں بانی کلاہنشن کے ایک بنگلے میں رہتے ہیں پہلے آئے مگر اپنی دانست میں کچھ اچھا نہیں کیا۔

جو دھری عظیم الدین اشرف بھی اپنی اہلہ کے ساتھ بذریعہ ہوائی جہاز عادم حج تھے وہ بمبئی پہلے ہی آگئے تھے اور مسافر خانے کئی بار جا چکے تھے۔

پہلی فرصت میں اپنی قیام گاہ سے انھیں کے ساتھ ہم اور تین میاں صاحب و صد مسافر خانے گئے اور مسافر خانے کا حال دیکھ کر ہکا بکا ہو گئے۔

اس وقت وہ ہزار کی گنجائش والے مسافر خانے میں کم و بیش پانچ ہزار مسافر مقیم تھے۔

ہم لوگ ۱۲ مارچ کو بمبئی پہنچے تھے۔ دوسرے دن پھر پانچویں دن پھر آٹھویں دن بحری جہاز روانہ ہونے والے تھے۔ تینوں جہازوں کے مسافر اس وقت مسافر خانے میں اکٹھا تھے۔ قتل و دھرنے کی جگہ کیا سانس لینا مشکل تھا۔ اللہ کے دو بندے جو ہر حال میں گن رہتے ہیں اس حال میں بھی گن نظر آ رہے تھے۔ دو جو شخص غائب و ہجاب کے عادی نہ تھے آرزو مند ضرور رہتے ہیں کہاں اس ماحول کی تاب لاسکتے تھے۔

تین منزلیہ مسافر خانہ نصف کے قریب توجہ کیٹی اور تعلقات حج کے دفتروں سے سمجھو تھا حج کیٹی کے صدر کا دفتر اس کے محلہ کا دفتر ٹیکہ اور انگلش لگانے کی مردانہ اور زنانہ و پنسریاں پاپیورٹ بنوانے کا دفتر و پیو جمع کرنا

بینک، ڈرافٹ حاصل کرنے کا دفتر، راشن کی دوکان، احرام کی دوکان جمعیتہ،  
 کا دفتر، خدام المبنی کا دفتر، مراد، ڈانڈا، اسپتال، یہ دفاتر تو یا درہ گئے — اور  
 کئی کرے بھی تعلقات حج کے تصرف میں تھے ہمدعا سا فرخانہ رہ گیا تھا جس میں  
 بھیڑ بکریوں کی طرح مازین حج بھرے ہوئے تھے۔ چار پنگ دولے کرے میں بس باز  
 حاجی زمین پر سامان رکھے اور اس سامان سے جو حدی قائم کئے مقیم تھے راستہ،  
 درآمدے، صحن حتی کہ پاخانے کے سامنے کی زمین تک پر اللہ والے دریاں اور چائیا  
 بکھا کر دن رات گزار رہے تھے اور اپنا حال یہ کہ

سودا! تمہارے عشق میں خسرو سے کو کہن  
 بازی اگر چلے نہ سکا سر تو کھوسکا  
 کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز  
 اور دسیا ہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

نکلے تھے منزل سیلی تک کی راہ طے کرنے جس کی پہلی شرط بھنوں ہونا لازمی  
 قرار دی گئی ہے اور ابھی پہلا قدم بھی نہیں اٹھا ہے اور بھکے چھوٹے جا رہے ہیں  
 ہے آرزو کا ابوسے پر خم کو دیکھئے  
 اس حوصلے کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

حوصلہ اتنا چھوٹا اور شوق اتنا اونچا! دونوں میں سمجھوتہ ہو تو کیسے؟ ڈھابے  
 بندھے تو کس بات سے؟ — اپنا لگ، اپنا وطن، ہزاروں جلتے والے اس  
 بیٹی میں مازین حج کے اس مجمع میں اپنی موجودگی سے سامان تسلی فراہم کر رہے  
 ہیں اور دل ہے کہ بیٹھا جا رہا ہے۔

سافر خانے کے اس ناقابل دید منظر کے درمیان کھڑے گھبراہٹ سے رہے تھے اور کبھی کبھی اپنے حال پر ہنسی بھی آجاتی تھی۔ آخر یہ اتنے اللہ کے بندے بھی تو اسی گرفت ہو سکتے اور اسی فطرت و جبلت پر تخلیق ہوئے ہیں۔ یہ کمپن نہیں گھبراتے ہنود اپنے ساتھی تین میاں ہیں، مانا کہ وہ نوجوان ہیں اور بدداشت زیادہ ہے مگر کمپن زیادہ آرام کی زندگی گزارنے کے عادی ہیں اچھا بوزھی ماں اور اڈھیر سے زیادہ عمر والی پھوپھو کیا یہ سب فولاد کے بنے ہیں کہ انھیں مصائب سفر سے کوئی وحشت نہیں ہو رہی ہے۔ آپ ہی اکیلے ہیں بڑے نازک مزاج، اکبر الہ آبادی کا شعر یاد آ گیا ہے

یاد رکھ منزل یوسف میں قدم اے سالک!

یاد رکھ شرط کہ داں گرگ نہ ہو چاہ نہ ہو

سافر خانے گئے تھے اپنے کاغذات کی تکمیل کرانے اس بمیٹر بھاڑ میں قحطاً میں کھڑے ہو گئے جب نمبر آتا تو پہلے صحت کا صداقت نامہ دیکھا، ایسی اس کا ثبوت کہ میں اترا می تو ارادہ کے تحت ملک سے باہر جانے سے پہلے چھپک کا ٹیکہ اور مہیضہ کا انجکشن لگا لیا ہے پیش کیا، تین میاں کے علاوہ ہم تینوں کا صداقت نامہ ضابطے کے فارم پر تھا اور ضابطے کے تحت اس کی خانہ پری ہوئی تھی اس لئے ہم جلدی چھوٹ گئے۔ تین میاں کا عزم حج عین وقت پر ہوا تھا۔ ان کے پاس ضابطے کا فارم مغل لائن نے بھیجا نہیں تھا، انھوں نے کھنڈ کارپوریشن سے جس فارم پر صداقت نامہ حاصل کیا معلوم ہوا کہ وہ منسوخ ہو چکا ہے اب نیا فارم چل رہا ہے، ہم چاروں نے ساتھ ہی کھنڈ کارپوریشن کے عہد صحت سے

ٹیکے اور انجکشن لگوائے تھے اور ایک ہی طرح سے لگوائے تھے لیکن فادم کے فرقے سے تین میاں کا صداقت نامہ (سارٹیفکیٹ) معتبر نہیں نکلا، اسی وقت مسافر خانے کی ڈپنسرری نے دوبارہ پیسے کا انجکشن دے کر صداقت نامہ پرہر قنیت ثبت کر دی۔

ہماری سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا کہ جب ایک ہی طرح سے سب کے ٹیکے اور انجکشن لگے تو فادم کے فرقے سے ایک معتبر دوسرا غیر معتبر کیوں ہوا یہ بھی سمجھ سے باہر تھا کہ جو فادم منسوخ ہو چکا ہے وہ لکھنؤ کارپوریشن نے استعمال کیوں کیا، یہی حال اضلاع سے آنے والے اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے محکمہ صحت کے صداقت نامے لانے والوں کا ہوا، دوبارہ انجکشن کی سوئی بھنکوا کر دن کو باضابطہ مسافر ہونے کی سند حاصل ہو سکی، کیا قواعد و ضوابط کی تبدیلی اس قدر خفیہ بات رہی ہے کہ دوسرے متعلق محکموں کو اس کی خبر نہ ہونے پائے یا تبدیلی اور ترمیم کی اطلاع سمجھو انا اس قدر دشوار ہوتا ہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلیٹیوں کو ابھی تک خبر نہ ہوئی کہ فادم بدل چکا ہے وہ پرانے فادم منسوخ کر دیں!

مسافر خانے کے محلہ صحت سے تھوڑی دیر تو دوسرا انجکشن لگوانے کی ضرورت پر حجت کی بالآخر سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

اب آئے پاسپورٹ کے لئے فیس جمع کرنے، یہاں بھی ایسی قطار میں کھڑے ہوئے اور دس روپے فی کس داخل کر کے رسید لے لی جب پاسپورٹ بن کر مل جائے گا تب آئے کی کارروائیاں بھی اسی طرقت قطاروں میں کھڑے ہو کر مکمل کی جائیں گی۔

شیخ ظہور احسن (ریٹائرڈ سکریٹری محکمہ مالی، یو پی) نے خیال ظاہر کیا کہ اگر انتظام میں اتنی تبدیلی کر دی جائے کہ آدمی ایک ہی دفعہ قطار میں کھڑے ہو کر اپنا نمبر آنے پر تمام اندراجات مکمل کر اسکے توہر دوسرے بہت حد تک کم ہو جائے وہیں صداقت نامہ کی جانچ ہو وہیں پاسپورٹ کی فیس جمع کر لی جائے یا پہلے پاسپورٹ کی فیس لے لی جائے اور جب پاسپورٹ بن جائے تو تمام اندراجات ایک ساتھ کر دیے جائیں۔

پہلے شیخ صاحب خود حج کیٹی کے ممبر تھے اب اس سے مستعفی ہو گئے ہیں ان کا یہ خیال بلاشبہ بہت صحیح ہے۔

اسی طرح اگر حج کیٹی سے متعلق تمام دفاتروں کے لئے کوئی علاحدہ عمارت قرب میں حاصل کر لی جائے تو آدھے کے قریب گھر ہو اس کا خرخانہ خالی ہو جائے اور واقف کے منشا کے عین مطابق عازمین حج ان کمروں میں ٹھہر سکیں سازش کو آرام بھی ملے اور چوری چکاری کا خطرہ بھی کم ہو جائے۔ اس وقت تو کوئی حفاظت نہیں ممکن ہے۔ سامان الگ چوری ہوتا ہے اور بھیڑ بھاڑ میں جہیں الگ کٹتی ہیں اس طرح بہتوں کی آرزو میں حسرت میں تبدیل ہو جایا کرتی ہیں۔ مسافر خانے میں جب اس قدر ازدحام ہوگا تو لازمی نتیجہ منسلک کا کثرت صفائی کا سارا انتظام درہم برہم ہو جائے، جس حال میں ہم نے مسافر خانے کو پایا وہ کسی بھی متمدن شہر کے لئے شرمناک تھا، اس کی کچھ ذمہ داری تو حج کمیٹی پر ہے جس نے کافی حصہ دیا رکھا ہے اور کچھ ذمہ داری خود عازمین حج کی ہو جو صحت و صفائی کا مطلق خیال نہیں کرتے، جہاں بیٹھے ہیں وہیں ساری ضروریات



بوری کر لینا چاہتے ہیں جس میں بچوں کو ہنگامتا نا بھی شامل ہے۔  
 یہ سب عازین حج ہیں اور ظاہر ہے کہ سب پابند صوم و صلوٰۃ بھی ہوں گے  
 لیکن جس طرح یہاں وہ رہ رہے ہیں، اس میں پاس سے گزرنے والوں کا ظاہر  
 رہ جانا مشکل ہے چہ جائیکہ یہ خود ظاہر اور پاک رہ پاتے ہوں۔

اس حقیقت پر کہاں تک آنسو بہائے گا کہ عازین حج کی بڑی تعداد حج  
 کے ابتدائیات ہی سے نا بلد ہوتی ہے۔ زیادہ صحیح لفظوں میں یوں کہنے کی جرأت  
 کی جاسکتی ہے کہ ضروریات دین ہی سے ناواقف اور نا بلد ہوتی ہے

کیا جانے کیا ہو گیا اور باب جنوں کو

جینے کی ادایا نہ مرنے کی ادایا

ہم لوگ صابو صدیق مسافر خانے کے اس حصے میں جو حج کیٹی کے قبضے  
 میں ہے کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے اچانک نظر پڑی کہ کئی ایک  
 بورے بنگالی کچھ کہہ رہے ہیں اور وہ رہے، سب ہی ادھر متوجہ ہو گئے  
 مگر مشکل یہ تھی کہ ان بنگالیوں کی بات جو بھر دیتی تھی کسی کی سمجھ میں  
 نہیں آرہی تھی، کیا چاہتے ہیں اور کس بات پر رہ رہے ہیں؟ کون پوچھے! حج  
 کیٹی کے پورے محلے میں ایک بھی بنگالی یا بنگلہ جاننے والا نظر نہیں آ رہا تھا،  
 ان پکاروں کے ہاتھوں میں کچھ کاغذ تھے جن کی طرف اشارہ کرتے اور دہکتے  
 تھے دیکھنے اور سننے والے لہجہ کہ آخر کیسے حق نعم گساری ادا کریں۔

حسن اتفاق کہ ہمارے رفیق اور عزیز متین میاں بنگلہ جاننے والے نکل گئے  
 انہوں نے دریافت کیا تو بتہ جلا کہ ان بنگالیوں کو محمدی حجاز میں جوہ و مراءج کو

روانہ ہونے والا تھا نشستیں ملی تھیں، نہ معلوم کن اسباب کے تحت جہاز میں کے پروگرام میں عین وقت پر تبدیلی کر دی گئی اور محمدی جہاز کی ۵۴ مارچ کے بجائے دو دن قبل ۳۲ مارچ کو روانگی طے کر دی گئی اور ۳۴ مارچ کو جو اسلامی جہاز جانے والا تھا اس کی روانگی ۲۵ مارچ کر دی گئی۔

مغل کمپنی کی طرف سے ایسے تنگ وقت میں پروگرام میں تبدیلی کی اطلاع ملازمن جج کو بھیجی گئی کہ دور دراز کے مہنے والے مسافروں کو وقت کے وقت خبر پہنچی۔ یہ بنگالی قافلہ کسی دیہات کا تھا، اور ۵۴ مارچ کے پروگرام کے حساب سے اپنے وطن سے روانہ ہونے والا تھا۔ یعنی گھر سے اس طرح چلتا کہ چار پانچ روز پہلے بمبئی پہنچ جاتا، اپنے حساب سے اس نے گھر سے مکملے کا پروگرام جس دن بنایا تھا اسی دن اس کو محمدی جہاز کے دور دراز قبل روانگی کے پروگرام کی خبر ملی بنگالی کے ایک دیہات سے بمبئی تک پہنچتے پہنچتے وہ وقت آ گیا کہ صرف دو دن محمدی جہاز کی روانگی کو رہ گئے تھے، ان بنگالیوں نے بمبئی پہنچتے ہی اپنے کافذات دکھائے تو انھیں سرسری جواب یہ ملا کہ آپ لوگ دیر میں آئے محمدی جہاز کی تمام نشستیں بھر چکی ہیں یعنی چار پانچ روز پہلے نہ پہنچنے کی وجہ سے امید وادوں کی فہرست کے اولین ان کا آپ کی جگہیں دیدی گئیں۔

اب یہ بنگالی اپنی کہہ رہے ہیں اور جج کیٹی ڈالے اپنی اڑا رہے ہیں نہ وہ ان کا سمجھتے ہیں نہ یہ ان کی، اس مصیبت میں بنگالیوں کو روانہ نہ آئے تو اور کیا ہو؟ ہم لوگوں کی بھی رگ حجت بھڑکی اور ان بنگالیوں کی بغیر کسی غلطی کے محرومی پر ہم میں سے بہتوں نے جج کیٹی ڈالوں کی بڑی لے دے کی، ہٹل

جب حج کیٹی والوں کو صحیح صورت حال کا علم ہوا تو ان ہنگالیوں کے لئے وہ گنجائش نکالنے پر مجبور ہو گئے۔

یہ واردات تو ہماری چشم دید تھی ایسے ہی نہ معلوم کتنے واقعے ہنگالیوں آسامیوں، سیوائیوں، مارواڑیوں اور پوربی یا پھاڑی اضلاع کے رہنے والے اتر پردیش کے باشندوں کو زبان اور لہجے کی ناواقفیت کی بنا پر پیش آچکے ہوں گے جن کا ہمیں علم تو نہیں ہوا مگر جن کا وقوع بڑی ہونا لادبی سا ہے۔  
ان واقعات کی روشنی میں محسوس ہوا کہ حج ایکٹ کی مرکزیت کو توڑنے بغیر عازین حج کے معائب کا علاج ممکن ہی نہیں ہے۔

حاجیوں کی سہولت کے لئے حکومت ہند نے ایک مرکزی قانون حج ایکٹ کے نام سے منظور کیا ہے جس کی دفعات کی رو سے ایک حج کیٹی "بیسٹی میں قائم ہے جسے پہلے پورٹ حج کیٹی کہتے تھے اب وہ صرف حج کیٹی کہلاتی ہے، یہی حج کیٹی حج اور مقامات مقدمہ کی زیارت کے لئے جانے والے مسافروں کے تمام انتظامات کرتی ہے۔

بیسٹی کی حج کیٹی پر مذمہ داروں کا جتنا بوجھ زمانہ حج میں پڑتا ہے وہ اس کی متحمل نہیں ہو پاتی اور ہندوستان بھر کے عازین حج کے مسائل سے نہٹنا کیٹی کے لئے جس قدر دشوار ہے اس سے زیادہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے عازین حج کے لئے زحمت طلب ہے صورت حال یہ ہے کہ تقریباً تمام بڑی بڑی ریاستوں میں ریاستی حج کمیٹیاں قائم ہیں، اس کے علاوہ ایک مرکزی حج کیٹی بھی دہلی میں جو ہے مرکزی حج کیٹی ملک کے مسلم ذیادہ سم ممبران پادری منٹ کی ایک تعداد پر مشتمل ہے

ریاستی کمیٹیاں بھی ریاستی قانون ساز مسلم ممبروں اور ذمہ دار باشندوں پر مشتمل ہیں لیکن ان میں سے کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ صرف مشورہ دینے والے ادارے ہیں۔ ساری طاقت جج ایکٹ کے تحت قائم جج کمیٹی بمبئی کے ماتحت میں ہے جس کے ارکان میں مرکزی حکومت کے نامزد دو ممبروں کو سمجھا کے اسپیکر اور راجہ سمجھا کے چیرمین کے نامزد کردہ دو ممبر ہمارا انٹر اسمبل کے اسپیکر کے نامزد دو ممبر ہمارا انٹر حکومت کی طرف سے بمبئی کا رپورٹیشن کے ممبروں کی سفارش پر نامزد تین ممبر اور عدسے کے اعتبار سے بمبئی ٹرانساکشن بمبئی چیرمین پورٹ ٹرسٹ مرکٹائل میرمن ڈپارٹمنٹ بمبئی کے پرنسپل انٹر بمبئی کٹسز بولیس بمبئی یونیورسٹی کٹسز اور بمبئی پورٹ، ہیلتھ انفراسٹرکچر اور دیگر تمام ارکان کمیٹی دو اور ممبروں کو توابہ (منتخب کرتے ہیں) جج کمیٹی کی موجودہ تشکیل میں (اور عموماً اسی طرح وہ تشکیل پاتی ہے) بمبئی کا عنصر ہے جو غالب ہے ۱۹ ممبروں میں ۱۴ ممبر خاص بمبئی کے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عازمین جج کے تمام قضا یا سرزمین بمبئی کے معزز ممبروں کے جنبش قلم ہی سے طے ہوتے ہیں حالانکہ جن کے تفسیر درپیش ہوتے ہیں وہ سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

جج کے معنی اگر صاحب حیثیت ہیں تو بذات خود اور اگر اتنی استطاعت نہیں رکھتے ہیں تو کئی کئی آدمی مل کر کسی ایک کو نمائندہ بنا کر معاملات کی جہان کے نو پہلے سے بمبئی بیج دیتے ہیں، پھر یہ پیر و کار اپنی ہنرمندیاں دکھا کر وہ نتیجہ حاصل کر سکتے ہیں جسے کوئی دوسرا سوچ بھی نہیں سکتا۔

آغا کار اس وقت سے ہوتا ہے جب جہاز راں کمپنی منل لائن جہازوں کی

روانگی کا پروگرام ختم کرتی ہے۔

اس سے قبل حکومت ہند فیصلہ کر چکی ہوتی ہے کہ اس سال کتنے حاجیوں کے سفر حج کا وہ انتظام کرے گی۔ مثلاً اس دفعہ سمندری جہازوں سے سو لاکھ ہزار اور ہوائی جہازوں سے ایک ہزار عازمین حج کو بھیجنے کا فیصلہ حکومت ہند نے کیا تھا، اس فیصلے کی روشنی میں مغل لائن نے اپنا پروگرام بنایا اور گیارہ سمندری جہازوں کی روانگی طے پائی ہر بحری جہاز میں تقریباً ڈیڑھ ہزار مسافروں کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ اور مغل لائن کا پروگرام شائع ہوا اور عازمین حج نے ملک بھر سے درخواستیں بھیجنا شروع کر دیں۔ پہلے یہ ہوا کرتا تھا کہ ایک مقررہ تاریخ تک درخواستیں جس ترتیب سے موصول ہوتیں اسی ترتیب سے عازمین حج کو نشستیں الاٹ کر دی جاتیں۔ اور مقررہ تاریخ بعد موری ہو جانے کے بعد موصول ہونے والی درخواستیں مسترد کر دی جاتیں۔

اس طریقہ کار میں گھپلے کی گنجائش بہت تھی اور اس کی شکایتیں بھی نہیں پھر سارا معاملہ پوسٹ آفس کے رجسٹرڈ دفتر پر ہوتا تھا کسی کی رجسٹرڈ درخواست اگرچہ بعد کی تاریخ میں روانہ ہوتی ہو مغل لائن کو پہلے وصول ہو گئی اور پہلے کی روانہ کی ہوتی درخواستیں بعد کو موصول ہو گئیں۔ ایسے متعدد واقعات سامنے آئے پھر مسافت کے قریب و بعد سے بھی درخواستوں کی وصولی پورا اثر پڑتا تھا مثلاً اگر نومبر کو پروگرام مشتمل ہوا، نامسک اور کلیان کے باشندوں نے جو بمبئی سے بہت قریب ہیں دوسرے دن درخواستیں رجسٹر کر دیں آسام اور بنگال کے عازمین حج نے بھی اسی دن رجسٹر کیا، وہ ان کیس مگر نامسک اور کلیان والوں کی رجسٹرڈ تاریخ سے

ہی دن اور ہر سال کی رجسٹریاں پانچویں چھٹے دن پہنچیں فرض کیجئے کہ  
مقررہ تعداد سولہ ہزار ہے اور ناسک، کلیان اور قربا و جوار کے اضلاع کی  
درخواستوں کی تعداد بھی سولہ ہزار ہے تو دو دن میں کام ختم ہو گیا اور باقی تہم ریاستیں  
سمجھ دیکھتی رہ گئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سے عازمین حج نے خود بسنی پہنچ کر  
اویس نمبروں میں اپنی درخواستوں کا اندراج کرا دیا بہر حال اس صورت حال پر  
اخباروں اور اداروں نے بڑا شور مچایا۔

بالآخر طریقہ کار میں کچھ رد و بدل کیا گیا، پہلی تبدیلی یہ کہ ریاستوں میں مسلمانوں  
کی آبادی کے تناسب ہر ریاست کا ایک کوٹہ مقرر کر دیا گیا۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ  
مقررہ تاریخ تک موصول ہونے والی درخواستیں ایک ساتھ موصول ہونے والی  
درخواستیں قرار دی گئیں۔

اس سال اگرچہ سولہ ہزار گھنٹیں تھیں لیکن درخواستیں بائیس ہزار کے  
قریب آئیں ہر ریاست کی درخواستوں کو درخواست کے نفاذ کے تحت ریاست کی  
صراحت کے ماضی ہو گیا ہے، الگ الگ کر کے اس کے کوٹے کی تعداد کے مطابق  
اتنی ہی درخواستوں کو قرعہ اندازی کے طور پر نکال لیا گیا باقی درخواستیں مسترد کر دی  
گئیں۔

یہ سب حج کمیٹی کی نگرانی میں ہوا اور شکایت ہوئی کہ قرعہ نکالنے کے وقت  
کسی غیر کو حق کی اخباری نمائندوں کو بھی داخلے کی اجازت نہیں دی گئی۔  
ظاہر بات ہے کہ اس اخفائے راز نے ہنگاموں اور شکایتوں کے دروازے  
اس طرح کھول دیے کہ کوئی تاویل اور تردید انھیں ہند نہیں کر پائی۔

عام طور پر کہا جانے لگا کہ نئے دے کے سارے کام ہوئے ہیں، اس لین دین کی جو شہرت ہوئی تو سینکڑوں ہزاروں لے لے کے لبئی پہنچ گئے کہ ہم بھی اسی طرح کام نکال لیں گے۔ شہرت اپنی جگہ سچ نہ سہی لیکن جب بات پھیل جائے تو کس کس کی زبان پر پڑتے پھریے گا؟

ایک طرف عازمین حج کا جھگڑا دوسری طرف ناکام عازمین حج کا، جھوم اور ان ناکام عازمین حج کے چہرہ کاروں کی ٹنگ دود، لبئی اور حج کمیٹی ابھی خاصی مندی بن جاتی ہے۔

انکر حج ایکٹ بنانے والے ذمہ دار ارکان زحمت کر کے ایک دفعہ اس موقع پر لبئی جا کر صورت حال کا مشاہدہ کریں تو انھیں معلوم ہو جائے کہ ”آسانوں“ کے نام پر کیا کیا دفتیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ حج کمیٹی کے ایاز داری سے کام کرنے والے ارکان کی بھی سٹی گرم ہو جاتی ہے۔ بے جا شکایتیں، بہتان طرادیاں اور کالی گفتاری سب کچھ انھیں بنا پڑتا ہے۔

ناکام عازمین حج تو رہے ایک طرف، جن کو جھگیں الاٹ ہو جاتی ہیں ان کا بھی ایک عمومی سوال باقی رہ جاتا ہے۔ ایک جہاز میں ایک کو جگہ ملی دوسرے جہاز میں اس کے کسی رشتہ دار کو یا اس کے گاؤں، قصبے یا شہر کے رہنے والوں کو جھگیں دی گئی ہیں، اب ایک ہم جہاز تبدیل کرانے کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہی ہم اس وقت سب کاموں پر عادی ہوتی ہے — حج کمیٹی اڈ مغل لائن والے اسی پھیر میں پڑے رہتے ہیں وہ وہ سفارشی وہ وہ دباؤ وہ وہ خوشامد ہوئی ہیں کہ بس دیکھتے رہ جائیے۔

ہی دن اور ہر سال کی رجسٹریاں پانچویں چھٹے دن پہنچیں فرض کیجئے کہ  
مقررہ تعداد سولہ ہزار ہے اور ناسک، کلیان اور قربا و جوار کے اضلاع کی  
درخواستوں کی تعداد بھی سولہ ہزار ہے تو دو دن میں کام ختم ہو گیا اور باقی تہم ریاستیں  
سمجھ دیکھتی رہ گئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سے عازمین حج نے خود بسنی پہنچ کر  
اویس نمبروں میں اپنی درخواستوں کا اندراج کرا دیا بہر حال اس صورت حال پر  
اخباروں اور اداروں نے بڑا شور مچایا۔

بالآخر طریقہ کار میں کچھ رد و بدل کیا گیا، پہلی تبدیلی یہ کہ ریاستوں میں مسلمانوں  
کی آبادی کے تناسب ہر ریاست کا ایک کوٹہ مقرر کر دیا گیا۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ  
مقررہ تاریخ تک موصول ہونے والی درخواستیں ایک ساتھ موصول ہونے والی  
درخواستیں قرار دی گئیں۔

اس سال اگرچہ سولہ ہزار گھنٹیں تھیں لیکن درخواستیں بائیس ہزار کے  
قریب آئیں ہر ریاست کی درخواستوں کو درخواست کے نفاذ کے تحت ریاست کی  
صراحت کے ماضی ہو گیا ہے، الگ الگ کر کے اس کے کوٹے کی تعداد کے مطابق  
اتنی ہی درخواستوں کو قرعہ اندازی کے طور پر نکال لیا گیا باقی درخواستیں مسترد کر دی  
گئیں۔

یہ سب حج کمیٹی کی نگرانی میں ہوا اور شکایت ہوئی کہ قرعہ نکالنے کے وقت  
کسی غیر کو حق کی اخباری نمائندوں کو بھی داخلے کی اجازت نہیں دی گئی۔  
ظاہر بات ہے کہ اس اخفائے راز نے ہنگاموں اور شکایتوں کے دروازے  
اس طرح کھول دیے کہ کوئی تاویل اور تردید انھیں ہند نہیں کر پائی۔



عام طور پر کہا جانے لگا کہ نئے دے کے سارے کام ہوئے ہیں، اس لین دین کی جو شہرت ہوئی تو سینکڑوں ہزاروں لے لے کے لبئی پہنچ گئے کہ ہم بھی اسی طرح کام نکال لیں گے۔ شہرت اپنی جگہ سچ نہ سہی لیکن جب بات پھیل جائے تو کس کس کی زبان پر پڑتے پھریے گا؟

ایک طرف عازمین حج کا جھگڑا دوسری طرف ناکام عازمین حج کا، جھوم اور ان ناکام عازمین حج کے چہرہ کاروں کی تگ و دو، لبئی اور حج کمیٹی ابھی خاصی مندی بن جاتی ہے۔

انکر حج ایکٹ بنانے والے ذمہ دار ارکان زحمت کر کے ایک دفعہ اس موقع پر لبئی جا کر صورت حال کا مشاہدہ کریں تو انھیں معلوم ہو جائے کہ ”آسانوں“ کے نام پر کیا کیا دفتیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ حج کمیٹی کے ایاز داری سے کام کرنے والے ارکان کی بھی سٹی گرم ہو جاتی ہے۔ بے جا شکایتیں، بہتان طرا دیاں، درد کالی گفتاری سب کچھ انھیں بنا پڑتا ہے۔

ناکام عازمین حج تو رہے ایک طرف، جن کو جگہیں الاٹ ہو جاتی ہیں ان کا بھی ایک عمومی سوال باقی رہ جاتا ہے۔ ایک جہاز میں ایک کو جگہ ملی دوسرے جہاز میں اس کے کسی رشتہ دار کو یا اس کے گاؤں، قصبے یا شہر کے رہنے والوں کو جگہیں دی گئی ہیں، اب ایک ہم جہاز تبدیل کرانے کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہی ہم اس وقت سب کاموں پر عادی ہوتی ہے — حج کمیٹی اڈ مغل لائن والے اسی پھیر میں پڑے رہتے ہیں وہ وہ سفارشی وہ وہ دباؤ وہ وہ خوشامد ہوئی ہیں کہ بس دیکھتے رہ جائیے۔

لطف کی بات یہ کہ حج کی کمیٹی یا مغل لائن کسی استدعا کو یک قلم نامنظور بھی نہیں کرتی۔ ایک ڈھارس اس وقت تک بندھی رہتی ہے جب تک آخری جہاز بھی ساحل سے نکل نہ اٹھائے۔

تیرے قریب غزوہ کے قربان جائیے  
دل ٹوٹتا نہیں ترے امیدوار کا

یہ ساری مصیبت محض اس وجہ سے ہے کہ ساری طاقت ایک مرکز پر مرکوز ہو گئی ہے اگر اس کو ڈی سنٹرلائز (لامرکزیت سے ہم کنار) کر دیا جائے — اور وہ حج ایجنٹ میں ترمیم کے بغیر ممکن نہیں — تو برسی راحت نصیب ہو۔ ریاستوں کا کوئی مقرر ہی کیا جا چکا ہے اور ریاستوں میں حج کمیٹیاں موجود ہی ہیں، اسی میں کیا حرج ہے کہ ریاستی حج کمیٹیوں کو مجاز کر دیا جائے کہ وہ اپنی ریاست کے عازمین حج کی درخواستیں وصول کر سکیں اور ان کی جگہ بھی ریاست ہی میں ہو۔ کرنسی (زر مبادلہ) کا مسئلہ بھی اپنی ہی ریاست میں طے ہو جائے۔ اور ایک ریاست کے بیشتر عازمین حج ایک متعین جہاز سے روانہ کر دیے جائیں۔

اس امر کے پیش نظر کہ ہر ریاستی حج کمیٹی اپنی طرف سے ایک حج ولیفیر (دیپک بھال افسر) بھی اب بھیجے گی ہے ایک ہی جہاز سے ایک ریاست کے عازمین حج کی روانگی ایک ولیفیر افسر کی نگرانی میں بہت زیادہ مفید ثابت ہوگی۔

ہوتا ہے کہ فعل لائن سے نشست محفوظ ہونے کی اطلاع آتی ہے انجینئر  
عازم حج اپنے شہر یا قصبے یا گاؤں میں انجینئر اور ٹیکہ گوتا ہے۔ سامان درست  
کرتا ہے، روپیہ بچا کرتا ہے اور جس جہاز پر اس کو جگہ ملی ہے اس کی روانگی  
سے چارچھ روز قبل بمبئی پہنچ جاتا ہے۔ ابھی اس کے پاس صرف ٹیکے انجینئر  
کا صداقت نامہ اور فعل لائن کا پروانہ ہے اور بس ہاں بمبئی پہنچ کر صابو صدفین  
مسافر خانے میں پڑھنے کا اجازت نامہ بھی !

بمبئی پہنچنے، بالکل اجنبی ہیں وہاں آپ اگر اردو یا انگریزی بول لیتے ہیں  
تو خیر اور اگر آسام، بنگال وغیرہ کے مضافات کے رہنے والے اور محض مقامی  
بولی بولنے والے ہیں تو آپ ایک ترجمان بھی ساتھ لائے ہیں یا نہیں؟ یہاں  
آپ کی بولی کوئی سمجھ نہیں پائے گا۔ اور یہاں سینکڑوں ضروری امور پر آپ کو  
بات چیت کرنا ہے۔ امور حج ہی سے متعلق بات چیت !

اس وقت دیفیر آفیسر کی ضرورت بہت پڑتی ہے لیکن دستور یہ بن گیا ہے کہ  
دیفیر آفیسر عموماً پہلے یا دوسرے جہاز سے حجاز روانہ کروایا جاتا ہے تاکہ وہاں  
اپنی ریاست کے حاجیوں کی ضروریات کا کفیل ہو اور وہاں تو ہمارا حاجی، زبان،  
آداب، مقام اور ضروریات کی فراہمی کے دستور وغیرہ سب سے ناواقف ہوتا  
ہے، پھر حاجیوں سے متعلق جو ضوابط سعودی حکومت کے عائد کئے ہوئے ہیں  
ان سے بھی وہاں ہی سابقہ پڑتا ہے وہاں واقعی ایک مددگار اور رہنما کی  
ضرورت شدید ہوتی ہے۔

بمبئی میں ہر ریاست کا عازم حج پہنچ گیا، مگر یہاں کے مراحل میں اسکا

کوئی پرسان حال نہیں، پاپورٹ بنوانا ہے۔ کرنسی جمع کرانا ہو اور بہت کچھ بیٹنی میں ضروری امداد ملے کرنا ہے۔

ہم لوگ کھڑے پاپورٹ بنوا رہے تھے۔ بڑا مجمع تھا ایک عورت کا پاپورٹ ایک کلرک بنا رہا تھا، کوئی عورت بغیر محرم کے سفر حج کر نہیں سکتی ہے اسے پاپورٹ بنواتے وقت بتانا ہوتا ہے کہ کون محرم اس کے ساتھ ہے۔ ایک بنگالی اور ایک یورپی عورت تھیں جس سے پاپورٹ کلرک ساتھ جانے والے مرد کا رشتہ بلوچہ رہا تھا، اپنی اپنی زبان میں وہ کچھ بتا رہی تھیں اور کلرک سمجھنے سے قاصر۔ بالآخر ساتھ والے مردوں سے اس نے پوچھا، بنگالی نے اپنی زبان میں جو کہا وہ کچھ ماں کے لفظ سے ملتا جلتا تھا۔ حالانکہ مرد سن رسیدہ تھا اور بنگالی عورت نوجوان۔ ماں کا رشتہ ہو نہیں سکتا تھا۔ اب تفتیش شروع ہوئی بڑی دیر کے بعد یہ حقیقت کسی طرح منکشف ہوئی کہ ساتھ جانے والی نوجوان عورت اس کی بہو ہوئی ہے۔ خدا جانے بہو کے لئے بنگلہ میں جو لفظ ہے وہ ہماری سماعت میں آتا کیسے معلوم ہوا۔

اب سوچئے کہ ایک پاپورٹ بنانے میں اتنی دیر اگر لگے گی تو چار روز کے اندر چار ہزار حاجت مند حج کے پاپورٹ کیسے بن جائیں گے؟ اس میں کیا قیامت ہوگی کہ تمام ضروری مراحل ریاست ہی میں حج کیسیوں کی نگرانی میں طے ہو جائیں صرف دیرالینارہ جائے۔ سودی حکومت کے سفارت خانے کی طرف سے ملازمین حج کو دیزا دیئے کا ایک ضمنی دفتر بیٹنی میں

قائم ہے تمام مراحل ریاست میں طے کر کے عازمین حج بمبئی جائیں اور دینا حاصل کریں اور دینہ ادھو جائیں ساز خانے کی اہم پیل بھی ختم ہو۔ حج کیٹیگی کا دوسرا بھی دودھ ہوا اور عازمین حج کی بمبئی کے ایسے یا جو بھی شہر میں حیرانی اور سرگردانی میں بھی تخفیف ہو جائے ایک جہاز میں ایک ہی ریاست کے عازمین حج کی روانگی کی صلاح پیش کرنا ایک تجربے کی بنیاد پر ضروری معلوم ہوا۔ سمندری جہاز کے ساز و ساز کو کھانا جہاز ہی کی طرف سے ملتا ہے جس کے دام ٹکٹ کے ساتھ وصول کر لیے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے ایسے بڑے ملک میں کھانے کا ذوق ہر ہر خطے کا الگ ہو، کہیں چاول دان، کہیں دعویٰ سالن کہیں کوئی کچڑی اصل کھانا ہو، باقی چیزیں پیٹ بھراؤ ہیں، پھر کسی علاقے میں کھانا اور حج بہت چلتا ہے کہیں سینچا پھیکا کھانا پسند کیا جاتا ہو، اب اگر ایک جہاز پر کئی ریاستوں کے عازمین حج ہوں جیسا کہ ہوتے ہیں تو سب کے مذاق کا کھانا دینا جہاز و افراد کی قدرت سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور ہر ایک اپنے مذاق سے مختلف کھانا پا کر بڑی بے اطمینانی ظاہر کرتا ہو ایک دو وقت کی بات ہو تو سہی جائے آٹھ دس دن لگتا تو ایسا کھانا کھانا جو پسند نہ ہو بہت مشکل ہے، تمام حاجی شاکر رہتے ہیں اور جہاز والے عاجز اور پشیمان۔

دو دنوں وقت کھانا تقسیم ہونے سے پہلے جہاز کا کپتان، جہاز کا ڈاکٹر اور میلر کچا کھانا چھینے یا دھجی خانے جاتے ہیں جب وہ اطمینان ظاہر کر دیتے ہیں تب کھانا تقسیم ہونا شروع ہوتا ہے کسی کو شکایت ہوتی ہے کہ مریض بہت ہے۔ کوئی کہتا ہے بالکل پھیکا ہو یہ اختلاف رائے اختلاف مذاق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ معمولی اختلاف مذاق تو ہر دو آدمیوں میں ہو گا لیکن ریاستی سپانے پر ذالہ اور پسند کا جو اختلاف ہو اسے آخر کس طرح حل کیا جائے؟

## کچھ کمیٹی کے طریقہ کار کے بارے میں

وہ بیچارہ جو سفر حج کی اجازت حج کمیٹی یا منسل لائن سے حاصل کرنے کے سلسلے میں ایک بار نہیں لگتا رکنی بارنا کام رہا ہو اگر وہ بے چین اور متباب ہو کر یہ فریاد کرتا نظر آئے۔

دل کے ٹکڑے، میں اہل بیچ لئے پھرتا ہوں  
کچھ علاج اس کا بھی لئے شیشہ گراں! ہو کہ سین  
اور اس کا یہ دل روزِ نالہ، اراکین حج کمیٹی کے ایوانوں یا منسل لائن کے مالی نشان  
آہستی دفتر کے دیواروں سے ٹکر لئے تو شاید برامانے کی بات نہ ہو گی۔ نہ حج کمیٹی اور  
کے لئے منسل لائن کے ذمہ داروں کے لئے اور نہ ان خود مختاروں کے لئے جو حج کمیٹی  
کی تشکیل کے ذمہ دار ہیں۔

موازنہ کام رہنے والے عازم حج کی اس فریاد و فغاں اور اس قلبی کیفیت کی طرف  
رہنا یا محض قیاس یا صرف شاہد سے نہیں بلکہ ذاتی تجربے کی روشنی میں اشارہ  
کیا گیا ہے۔

آج جرج کا سفر قلم بند کر رہا ہوں وہ سفر سعادت کے ثمرات سے خداداد محنت سے قبل لگاتار چار سال تک اسی کیفیت میں لاچار رہی اور بے بسی کے ساتھ مبتلا رہ چکا ہے تھوڑی دیر کے لئے اس سلسلے میں آپ جیسی کہہ لینے کی اسے اجازت دیدیجئے فر دے ۱۹۹۱ء میں سفر جرج کے مصارف کا انتظام ایک ندیہ سے ہوا جس کا انکشاف ایک عہد اذقار کے تحت کیا نہیں جاسکتا، انتظام ایسے دلت ہوا جب جرج کی بنگ کی آخری تاریخ گزر چکی تھی، اب درخواست پھینکا ہے سودھا احمد خوست بھیجنے کی راہ میں ایک فرض بھی حائل نظر آ رہا تھا، یہ فرض خالص شرعی اور دینی تھا یعنی اپنی والدہ سے اجازت حاصل کرنا جرج فرض تک کے لئے ضروری ہو چہ جائیکہ جرج نفل۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی خوش نصیب کو حج کی استطاعت حاصل ہو چکی ہے اور شرائط حج پوری طرح پائے جاتے ہیں تو اس پر حج فرض ہو گیا لیکن اسے اپنے والدین سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے، اب اگر والدین اجازت نہیں دیتے تو دیکھنا ہر گاہ کہ ان کا اجازت نہ دنیا کیا محض محبت کی وجہ سے ہے کہ اتنے بے عرصے کے لئے وہ اولاد سے جدا رہنے پر تیار نہیں یا اس وجہ سے ہے کہ وہ انہی ضعیفی یا عاجز ہونے کی وجہ سے اولاد کی ہر دقت موجودگی کے محتاج ہیں، غربت یا حاجت مندی کی رکاوٹ تو الی بندوبست کر دینے سے دور ہو سکتی ہے لیکن کبر سن اور ضعیفی کی وجہ سے جو احتیاج والدین کو اولاد کی ہوتی ہے اس کا نفع کرنا اگرچہ دوسروں کو امور خدمت کر کے ایک حد تک ممکن ہے لیکن کما حقہ ممکن نہیں ہے۔

علماء کی رائے میں ایسی صورت میں جب والدین یا دونوں میں کوئی ایک ظلم

والدہ اولاد کی خدمت کی محتاج ہوں تو اولاد کو اگرچہ اس پر حج فرض ہو چکا ہو۔  
بلا اجازت والدین حج کے لئے جانا جائز نہیں ہے۔

یہ تو حج فرض کی بات تھری اب اگر کسی پر سرے سے حج فرض ہی نہیں ہے  
اس سے حج کا موقع مل گیا ہے تو اس کا یہ حج نفل حج ہو گا۔ نفل حج حج فرض سے  
درجے میں بہت کم ہے۔

ہمارے محترم حکیم مولانا شاہ عثمان الیقین سجادہ نشین خانقاہ کرسی افاضل  
فرنگی محل نے اس سلسلے میں اپنا ایک واقعہ سنایا جو یہاں نقل کرونا مناسب معلوم ہوتا ہے  
۱۹۲۲ء میں دہلی میں ان کے خاندان کے ایک مخلص اور متحمل مرید نے جو  
اپنے متعلقین کے ساتھ حج کو جا رہے تھے پیش کش کی کہ ان کے پیروار سے بھی اگر  
ساتھ چلیں تو مزید باعث سعادت ہو گا، اس زمانے میں دہلی میں ان کی والدہ علیل  
تھیں اور کھنڈ میں اطباء نے جھوٹے ڈول کے ذریعہ علاج تھیں اس لئے پیش کش نے انہیں  
بے چین کر دیا اور جانے کے لئے ایک گونہ وہ تیار ہو گئے لیکن عالم دین ہونے کی  
جسیت سے مسئلے کا شرعی پہلو ان کے پیش نظر تھا اور وہ آخری فیصلہ نہیں کر پا رہے  
تھے۔ قیام کھنڈ کے زمانے میں حضرت مولانا امین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں  
وہ حاضر ہوا کرتے تھے۔ مولانا مرحوم ہی سے انہوں نے اس مسئلے کی بابت استفسار کیا  
والدہ کی طالت امرہ کی پیش کش اور سفر حج کے لئے اپنی بے چینی سب کچھ عرض کر دیا  
مولانا امین القضاۃ نے جواب میں فرمایا: مولوی صاحب! مولوی صاحب!

نفل کو فرض پر مقدم کر رہے ہیں؟

گویا۔۔۔ اس وقت والدہ کی طالت میں قیام دہلی کو تا فرض اور حج جس کی



استطاعت باوجود خود ارہادی ہے نقل ہے۔

یہ محسوس فرماتے ہوئے کہ جواب نے دائیں میاں کو اور بے چین کر دیا ہو مولا  
میں القضاہ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: بروی صاحب انگہرانے کی بات نہیں  
انشا اللہ آپ حج کو جائیں گے اللہ تعالیٰ انتظام کرے گا۔

یہی فرض اور نفل کی بحث اپنی راہ میں بھی کھڑی نظر آئی۔ یہاں بھی ایک سر  
نفل حج کا معاملہ تھا جو بغیر والدہ کی اجازت کے جاؤ ہی نہیں پھر نفل حج میں یہ  
دیکھنے کا بھی موقع نہیں کہ والدین اجازت نہ دیں دے رہے ہیں تو کیوں؟  
ان کی محبت، احتیاج ضرورت اور خدمت کی حاجت وغیرہ پر نظر ڈالنے کا موقع  
شرعیہ نے صرف حج فرض کے سلسلے میں دیا ہے۔

ہماری والدہ، اپنی اور ہماری تمام بے سرسامانیوں کے باوجود حج کرنے کی  
بے حد تمہنی، ان کے جانے کی صورت ہی محرم کی حیثیت سے پیشا ساتھ ہو۔

ان کی خدمت میں اجازت کے لئے عرض معروض کی تو صاف جواب ملا کہ  
جب تک ہماری انتظام نہ ہو جائے تم کیسے جاؤ گے؟

ان کا یہ جواب بے عدول لیکن معلوم ہوا تھا۔ صاف لفظوں میں یہ ہے کہ بہت  
کھلا تھا۔ مناسب الفاظ، مگر نامناسب لہجے میں عرض کیا: اس کا مطلب یہی ہوا کہ  
ہم بھی نہ جائیں، کسی ایک شخص پر یہ بار کون ڈال سکتا ہے کہ ہمارے اور ہماری ہی  
دونوں کے لئے انتظام کر دیجئے؟

بات، رفت گزشت جو کئی کچھ دنوں کے بعد خاتباہاری افسرگی کو دیکھ کر اسی نے  
اجازت دیدی والدہ ہم نے بھی بخیالی لاؤ کر مگر حاصل کرنے کی تہ پیریں سوچنا شروع کر دیں

تاریخ تو گزری چکی تھی براہ راست درخواست پہنچنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا تھا اس زمانے میں ریاستی حج کمیٹی کے صدر مرحوم سید صدیق حسن صاحب دہلی سی ایس، تھے جن کا وہ روز ہر قسم کے حاجت مند کے لئے ہمد و ثمت کھلا رہتا تھا۔ اجنبی بریگانے تک بغیر کسی وسیلے اور سفارش کے ان کی حاجت دوائی کی ہمہ گیر خصلت محمودہ سے بے تکلف مستفید ہونے دہتے تھے، یہاں تو شناسائی اور تعلقات کا ایک حق بھی تھا ان ہی کے دروازہ پر دستک دی۔

یہ جانتے تھے کہ وقت گزر چکا ہو گئی انش باکل نہ ہوگی۔ لیکن یہ بھی جانتے تھے کہ صدیق حسن صاحب کے یہاں دوسروں کے کام آنے کے سلسلے میں کسی مانع یا رکاوٹ کا کبھی خیال نہیں کیا جاتا ہے، ان کے پاس پہنچ گئے۔

کسی طرح نہیں سمجھتا وہ عالم جب ضرورت لے کر جانے والا تو موانع اور عقبات پر نظر کرتے ہوئے ضرورت کہتے ہوئے چلے گئے لیکن صدیق حسن صاحب کا سا ہڈا اور غلغلہ کسی بات کی پرواز کرتے ہوئے مشکل کشائی کے لئے تیار نظر آئے۔

مرحوم نے کہا: بھئی دیر تو بہت ہو گئی خیر میں ابھی گول انداز کو خط لکھتا ہوں۔

گول انداز صاحب اس وقت پورٹ حج کمیٹی کے چیرمین تھے جن صاحب کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو نکسا جواب دے دیتا: جناب! آخری تاریخ گزرے تین ہفتے ہو چکے جہاں دل کی دعا لگی بھی شروع ہو گئی۔ حج میں بھی اب صرف ڈیڑھ مہینہ رہ گیا آج آپ درخواست دینا چاہتے ہیں، کیسے ہو گا۔ آپ کا کام؟

مگر مرحوم صاحب نے اسی وقت ہمارے سامنے (۳۱ مارچ ۱۹۷۱ء) کو انیشو گراف کو بلا کر خط لکھ کر دیا کہ ہم دوسری ادھر ادھر کی باتیں کر کے داپس چلے آئے،

ایک ہفتے کے بعد جناب گول انداز صاحب کا ۲۲ مارچ کو لکھا ہوا خط آیا کہ  
 "سید صدیق حسن آئی سی ایس ایڈمنسٹریٹو ممبر، نوڈ ڈ آف ریونیو پولیسی کی خواہش پر  
 آپ کو جواز پیشست محفوظ کرانے کا ایک فارم بھیجا جا رہا ہے اور مشورہ دیا جاتا  
 ہے کہ آپ جلد از جلد جواز کے رجسٹر اڈل کے منتظر امیدواروں میں اپنا نام درج کرائیں  
 فوراً فارم بھر کر ادھر جب ہدایت دے دیں گے آپ کو پوسٹل آرڈر ملے گا کہ درخواست  
 بھیج دی اور جن صاحب سے جا کر شکوہ کیا کہ آپ کی سفارش سے گول انداز صاحب  
 نے میں بھی شاید آئی سی ایس ایس سمجھ لیا اور درست کلاس میں نام اندراج کرانے کا مشورہ  
 مرحمت فرما دیا۔"

خدا رحمت نازل فرمائے جو دم حسن صاحب کی تربت پر اس شکوے پر ہفتے منیانے  
 کے بعد انھوں نے تسلی دی کہ پہلے جگہ ملی جائے وہ پھر عین وقت پر فرسٹ اور تھرڈ کا  
 قصہ بھی ملے ہو جائے گا۔

فرسٹ اور تھرڈ کا قصہ ملے کرانے کی ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ ۲۲ مارچ کو لکھا  
 ہوا پورٹ جج کیٹی کا لے لے وظیفہ دار کے دستخط سے خط ملا کہ اگر دانش ہے کہ ہمال کسی  
 بھی جاز میں جگہ ملنے کی امید بہت کم ہے لہذا آپ کا پوسٹل آرڈر آپ کو دیسی کیا جاتا  
 ہے درخواست دیکھ لی ہے اگر کوئی جگہ ہوگی تو فوراً آپ کو مطلع کیا جائے گا۔  
 چلئے قصہ ہی پاک ہو گیا۔ اگرچہ پوسٹل آرڈر ابھی تک دیا نہیں کیا جا رہا ہے  
 اور واپس جو نہیں پایا ہے۔

اس کے بعد ستمبر ۱۹۷۱ کے جج کے لئے وقت مقررہ ہو رہی تھی اور پھر پوسٹل  
 درخواستیں روانہ کر دی گئیں۔ اس زمانے میں جس ترتیب سے درخواستیں داخل کرائیں گے وہ

ہوتی تھیں اسی ترتیب سے جہازوں پر جگہیں الٹا دی جاتی تھیں ہماری قیادت کے وقت مقررہ کے اندر جہازوں کی جگہیں پر موجود جانے کے بعد ہماری دفتروں میں نزل لائن کو ہم دست نویس پر تقسیم نہ کریں تو ادا کیا کریں کہ اسی لکھنؤ سے دفتر معلومات حج سے ہماری دفتروں

کی رجسٹری ۳۲ نومبر ۱۹۶۱ء کو لکھی اور مغل لائن کو یکم دسمبر کو موصول ہوئی اور اسی دفتر معلومات حج سے کچھ درخواستوں کی ایک رجسٹری ۲۶ نومبر کو بھیجی گئی ۵۰۵ ہر نومبر کو مغل لائن کے رجسٹریس اور حج ہو جاتی ہو! یہ ہماری دوسری ادراہی اور بیہوشیوں کی پہلی ناکامی تھی، پھر مغل لائن کے حج کے لئے مقررہ وقت پر درخواستیں دی گئیں معلوم ہوا منتظر امیدواروں کی فہرست تک ہماری قسمت نے صائی حاصل کر لی ہے گویا ہم اتنا سوچے

کے جائز حق ملا ہو گئے کہ ہم بھی اس سال حج کو جاسکتے ہیں

دل میں آ جائے ہے مہنتی ہے جو فرصت غش سے

اور پھر کون سے نالے کو رسا کھتے ہیں؟

امیدواروں کی فہرست میں اندراج کی خوش بختی پر ہماری مسرت چشمِ نعلین میں ختم ہو گئی جب معلومات حج کے دفتر نے ہمیں پوری مسرت کے ساتھ اطلاع دی کہ آپ کی مہنتیں نشتیں مل گئی ہیں۔ براہِ کرم تین دن کے اندر آپ یہی پوری جائیں۔

یا اللہ! حج کے اتنے لمبے سفر کے لئے کیا تین دن کے اندر نہ صرف یہ کہ قیادیاں کی سہولتیں ہیں بلکہ یہی پہنچ کر اپنے کو حاضر بھی دکھایا جاسکتا ہے! انجکشن ٹیکے۔ ریل کا ریزرویشن کپڑے لتوں کی ہمتی، ہاتھ سب تین چار دن میں کیسے ممکن ہے۔ مانا کہ انجکشن ٹیکے میں

جھانسا پٹی چلائی کرتی ہے۔ یہ بھی سہی کہ ریل میں دے دلا کہ ریزرویشن بھی ہر جگہ ملے گا جیسا کہ عام دستور میں چلا ہے۔ کپڑے۔ لیتے بھی سمٹ کر بکس میں بھر لے یہ امر احباب

ہیں ان سے خلا تصور معائنہ کرانے کے لئے وقت کہاں سے پائیں گے۔ اپنا نایہ نہال  
 افسانہ کا گھر کا کوری میں ہے آخر وہاں سے رخصت ہونے اور نایہ نہالی ہرگزوں  
 سے ملنے کی کوئی سبیل بھی تو ہونا چاہیے۔ پھر کچھ محترم خاوند سے قرب و جوار میں  
 ہیں جہاں دور انگلی سے پہلے حاضر ہی دنیا خانہ ان فرنگی محل کا ڈھائی سو سالہ قدیم  
 دستور ہے۔ تین چار دن میں یہ سب ہو بھی گیا۔ تو بسنی پہنچنے میں بھی تو وقت گئے گا۔  
 اذکے بسنی پہنچ سکتے تو پہنچ جاتے۔ اور کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی، کیا  
 کیفیت اس خط لکھنے کے بعد اپنی ہوئی بیان سے باہر ہے۔ سب کچھ ہو گیا اور کچھ نہیں  
 ہو پا رہا ہے۔ اس سفر سے پہلے یہ عالم جب کبھی یاد آجاتا تھا تو روتے روتے دلتی نہیں  
 آتی تھی۔ بہر حال اپنی قیمتی پرصبر کر کے بیٹھ رہے اور ملے کر لیا کہ ہم کم ہمت لوگ  
 ایسے بارگ سفر کے اہل ہی نہیں ہیں۔

کر لیا نرندہ ہو کر، بند خود باب قفس!!

ساٹنے تھا آسٹیاں، پر دہ کی طاقت نہ تھی

ظاہر ہے کہ جب جہازوں کی تعداد متعین اور جہازوں پر جگہیں محدود ہیں تو  
 مقررہ تعداد سے زیادہ درخواستوں کا نامعلوم ہونا بھی ناگزیر ہے۔ ناکام حاذقین حج  
 کے سلسلے میں اب تک جو کچھ کھا گیا اس کا علاج کیسی یا منسل لائن کے ذمہ داروں کی  
 نیت پر مشتمل کرنا نہیں۔

سوال صرف اس طریقہ کار کا ہے جس کے نتیجے میں اس کی کوئی ضمانت نہیں کی  
 جاسکتی کہ ایک عازم حج سو سال لگا تا رہے درخواست دینے کے بعد بھی صحیح طریقہ کار  
 کے ذریعہ منتخب ہو جائے گا۔

عرفی اگر بگر یہ میسر شدے وہاں

صد سال می توں بہ تمنا گریستن

اگرچہ سو سال کی عمر ابھی سائیں دانوں کی کوشش سے انسان کی طبعی

عمر تو انہیں پائی ہے۔ ان لیجئے کہ آئندہ چل کر یہ عمر طبعی بر جائے تب بھی موجودہ  
بے رنج طریقہ کار کے تحت اس کی ضمانت یقین کی جاسکتی کہ نام نکل ہی آئے گا۔

اپنی ناکائیوں کے سلسلے میں جو اتنی تفصیل پیش کرتے چلے جا رہے ہیں تو اس کا  
نشا ہی ہے کہ حالیہ مین حج کی درخواستوں کے ساتھ لٹری کے گزشتہ آدھ سال کے رجحانہ سکوا  
تو نہ ہونا چاہیئے۔

ہم اپنی تیسری ناکامی کے بعد آئندہ سال کے پروگرام سے اس لگا کر بیٹھ گئے  
ادھر مثل لائن نے پروگرام شائع کیا ادھر ہم نے درخواستیں رد اذ کرنے میں جا بگدتی  
دکھائی۔

اس وقت ہماری تین درخواستوں میں ایک درخواست کا اور اضافہ ہوا یہ ہمارے  
دوست عشرت علی صدیقی صاحب کی خوش دامن صاحبہ کی درخواست تھی وہ اپنے  
حسن ظن سے ہمارے ہی ساتھ حج کو جانا پسند کر رہی تھیں۔

ابھی درخواستوں کے بارے میں کوئی جواب نہیں ملا تھا کہ عشرت علی صاحبہ کی  
خوش دامن صاحبہ نے فون پر ہم سے جواب کے لئے تعافضے ٹھہرا کر دیئے۔

ہم نے اطمینان دلانے کے لئے کہہ دیا اگر اس سال اجازت نہ بھی ملے تو ایشیا  
آئندہ سال چلیں گے اطمینان رکھیے کہ بغیر آپ کو بچے ہم حج کرنے نہیں جائیں گے۔

انھوں نے اسی کے ساتھ جواب دیا ہمایا تمہاری عمر ایشیا ایشیا ہے کہ ابھی

بہت دنوں حج کا انتظار کر سکتے ہو، میں بوڑھی میری زندگی کا کیا اعتبار اچھے سال تک کہاں صبر کر سکتی ہوں۔

اور اسی بے صبری میں انھوں نے اپنے دوسرے دادا طاہر علی صاحب کے ساتھ جوہرائی جہاز سے حج کو جہا ہے تھے دوسری درخواست بھیج دی ان کی خوش قسمتی سے جوہرائی جہاز میں انھیں جگہ مل گئی اور وہ جوہرائی جہاز کے ذریعہ جلد سے پہنچ گئیں جلد سے کہ معطلہ گئیں اور عمر کے طوائف پورا کرنے خاندان کے مد پر بیٹھ گئیں اور اسی لئے ان کا انتقال ہو گیا۔ کہ معطلہ کے شہر کہ قبرستان جنت النبی میں تدفین ہوئی — کیسی سچی غنائی ان کی اور کس شان سے پروردگار نے اس کو پورا کر دیا — گویا وہ دیکھ رہی تھیں کہ اگر اس سال حاضری نصیب نہ ہوئی تو پھر توتہ ماتم نہ آئے گا تو جیسا ہی انھوں نے ہم سے کہا تھا اور اسی کی روشنی میں انھوں نے بحری جہاز کا امدادہ ترک کر کے جوہرائی جہاز میں جگہ مانگی تھی، سچ ہے یہ یاد اب تیز گام نے منزل کو جالیا ہم جو ناز و جبر جس کا وہاں رہے

ہماری درخواستوں کا، جو اس وقت قرعہ اندازی کے ذریعہ منظور کی جانے والی تھیں پھر وہی حشر ہوا اور جواب آگیا کہ جگہیں پُر ہو چکی ہیں اس وقت منظور امیڈاؤٹ میں بھی ہا مانام نہ آ پایا یہ

وہ دایوس تمنا کیوں نہ سوئے؟ سماں دیکھے  
کہ جو منزل بمنزل اپنی محنت مانگیں دیکھے  
اللہ بخشنے زائر حرم حمید صدیقی کو، وہ خود حج اور زیارت رضہ انور کے لہ

جس قدر بے چین، ہتھ کھٹے اسی پینے سے وہ دوسروں کی بے چینی کو بھی ناپتے تھے۔ بار بار گانا کامیوں پر ہماری بے چینی دیکھ کر تازہ لعل میں دھنوں نے ایک شعر کہہ کر کہ

کچھ اس لئے رکھتے ہیں وہ عسودم کرم اور

ہو جائے دل اپنا بھی شائستہ غم اور

کسی حد تک ہماری دل جی کا سامان کر دیا۔ یہاں تک ہوا کہ ۱۹۶۵ء کے حج کے لئے منسل لائسنس کا پروگرام شروع ہو گیا۔ اب کی کچھ اقدار خافوں کے ساتھ ہلکی جبری بھروسہ خواتین نے کر گئی اس دفعہ بھی خرچہ اندازی پر فیصلے کا انحصار تھا، سو وہی فیصلہ ہوا جس کے ہم عادی ہو چکے تھے۔

سال پہ سال دی جانے والی درخواست بھی نئی درخواست سمجھی جاتی ہو اور اس سے وہی سلوک کیا جاتا ہے جو پہلی بار درخواست دینے والے کی درخواست کے ساتھ کیا جاتا ہے اور کبھی یہ اطمینان نہیں ہو سکتا کہ اس سال نہیں تو آئندہ سال یا اس کے بعد ہیں حج کا موقع ضرور مل جائے گا۔

ہمارے دوست ڈاکٹر ایم ایم ایس مدعو جو پارلیمنٹ کے ممبر ہیں اور اس حیثیت سے ہمارے طف نامے اور امراض سے محفوظ ہونے کے صداقت نامے تصدیق کرتے رہے ہیں، کئی بار ہماری ماکامی کا حال معلوم کر کے کہنے لگے "آ خر حج کیسی یہ کیوں نہیں کرتی کہ اس سال جن کو جگہ نہیں دے سکی ہے ان کو آئندہ سال جگہ دینے میں ترجیح دے یعنی پرانی درخواستوں کا فیصلہ الگ کرے اور نئی درخواستوں کا الگ نامے جتنی صاحب اور نوزدوں ہے اس میں شبہ نہیں لیکن ہم عسودم کرم پر چھلانے



ہوئے تھے ان کو طعنہ دیا کہ نرم سے کہ رہے ہو پارہی منٹ میں یا وزارت خارجہ کے نامہ داروں کو یہی مشورہ کیوں نہیں دیتے ؟

باخوبہ یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعہ ناکام ہا زین حج کی تشفی اور تسلی ہو سکتی ہے اگر اس جائز اور مناسب طریقے کو داند رکھا گیا تو جس طرح بہت سے لوگ غیر صحیح صلف نامے داخل کر کے مستحقان سے پہلے حج کو جانے کی بیل پیدا کر لیتے ہیں اسی طرح جگہیں حاصل کر لینے کے بھی نامادب طریقے لوگ نکال لیں گے اور بلاوجہ ایک مبادک اور مقدس مقصد کے لئے نامناسب اور ناجائز حرکتیں کرنے کے مرتکب ہوں گے۔

اس میں کیا تباہی ہے کہ اس سال جن کو جگہیں نہیں دی جا سکی ہیں ان کو نامنظوری کی اطلاع دینے ہوئے یہ بھی اطلاع دے دی جائے کہ اگر مادہ ہو تو آپ کا روپیہ آئندہ سال کے لئے جمع کر لیا جائے ورنہ واپس کر دیا جائے۔

کچھ لوگ غرور ایسے ہوں گے جو آئندہ سال حج کو جانے کے لئے حالات مادی کا نہ پائیں گے وہ روپیہ واپس منگالیں گے جو لوگ نکھیں کہ ہیں آئندہ سال کے لئے امیدوار رکھا جائے ان کے ساتھ آئندہ سال جگہ دینے میں ترجیحی سلوک کرنا چاہیے۔

ابھی یہ سرسری تجویز ہے اگر اس کو خیر قبولیت حاصل ہو جائے تو اس کی تفصیلاً پر بھی غور کیا جاسکتا ہے اور ایسے نمایاں بنائے جاسکتے ہیں کہ حج کی کمی یا فضل لاٹن بہ مزید بار ڈالے بغیر دل شکستہ اور ہا زین حج کی کمی یا فضل لاٹن کا سامنا فرما کر ہوگا۔

بہر حال ہماری اس دفعہ ناکامی کا عمر دلا ہونے نہیں پائی۔ ہوا یہ کہ مرکز ہی حج کی کمی کے صدر مفتی قیس الرحمن صاحب عثمانی نے ان چند نشستوں میں سے جو خاص حالات

میں گھر سے ہوئے حجاز میں حج کو لاٹ کرنے کے لئے انھیں یہی لگتی تھیں۔ یہیں تین نشستیں عین وقت پر دے دیں۔

درخواست دینے والے بحیثیت درخواست دہندہ تو مادی ہوتے ہیں لیکن دوسرے حالات کے تحت ان میں ہاجم بڑا تفاوت ہوتا ہے مثلاً ایک مذہب دہندہ ہے جس نے اب تک حج نہیں کیا ہے وہ پہلی ذمہ فریضہ حج ادا کرنے جا رہا ہو اس کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس بوڑھے درخواست دینے والے کا معاملہ اس درخواست دہندہ سے مختلف ہے جو مثلاً پانچ سال پہلے فریضہ حج ادا کر چکا ہے یا مثلاً تیس چالیس سال کا ہے آخذاً ذکر کے لئے بظاہر حالات مختلف ہو سکتے ہیں جب کہ اہل الذکر اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

اب اگر ایسی کوئی سبیل نہیں نکالی جاتی کہ مخصوص حالات میں کسی کا حق مرجع ہو سکے تو ناکامی کا صدمہ عظیم صدمہ بن جائے گا۔

مرکزی حج کمیٹی نے اس طرف کچھ دھیان دیا اور کچھ نشستیں بحری جہازوں کی مخصوص حالات میں گھر سے ہوئے حجاز میں حج کے لئے مخصوص کرائیں ان مخصوص نشستوں کا لاٹ منٹ قرعہ اندازی سے نہیں ہوتا بلکہ مرکزی حج کمیٹی کی صوابدید اور اطمینان پر ہوتا ہے مرکزی حج کمیٹی کے صدر مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی سے جب اس سلسلے میں مرجع کیا گیا اور ان کو والدہ کی کبر سن کے علاوہ چار سال کی مسلسل ناکامیوں کا حال بھی بتایا یہ بھی مخصوص حالات کے زمرے میں ہونا چاہیے تو انھوں نے اپنی پویشانی سے لگیں انداز میں ظاہر کیا مولانا اہم لوگ تو ایک مصیبت غلطی میں مبتلا ہو گئے ہیں اس شہرت پر کہ کچھ نشستیں مرکزی حج کمیٹی کے اختیار میں بھی ہیں سارے ہندوستان سے

دھڑا دھڑا جسٹریاں پہنچ رہی ہیں اور بڑی بڑی سفارخوں کے ساتھ پہنچ رہی ہیں، میں تو عاجز ہو گیا ہوں۔“

ہادیہ چھ درخواستوں میں سے مفتی صاحب مرثیہ کے لئے صاف گنجائش نکال سکے۔ والدہ کے لئے کبر سنی کی بنیاد پر اور ہمارے لئے ان کے ساتھ جانے والے عمر کی بنیاد پر بیوی بچہ کا معاملہ مشکوک رہا۔ گنجائش ہونے پر جگہ دینے کا مدعو مفتی صاحب نے کیا اور خدا کا شکر کہ ان کے لئے بھی گنجائش پیدا ہو گئی۔

قرین قیاس ہے کہ اگر نامعلوم درجہ دستوں کو آئندہ سال کے لئے ترجیحی طور کا حقدار مان لیا جائے تو درخواستوں کی یہ ریل پیل بھی ذفہ ذفہ ختم ہو جائے گی یہ ڈھارس بہت بڑی ڈھارس ہو گئی کہ اس سال تمت میں نہیں تھا آئندہ سال اللہ چاہے گا تو ضرور جائیں گے۔ اس طرح ہر درخواست دہندہ کو دوسرے برس سال تک حاضری کی قطعی امید بندھ جائے گی۔ یہ جو اب ہوتا ہے کہ پانچ پانچ چھ چھ سال پہلے، محض اس اندیشے کے کہ میں وقت پرنا کا میا نہ ہو، قسمت آزمائی شروع ہو جاتی ہے کہ رزم اس کا سد باب کسی حد تک ضرور ہو جائے گا۔

ایک حاجی صاحب نے یہ بھی رائے ظاہر کی کہ پانچ سال کی قید لازماً دی جائے ان کا کتنا تھا کہ جو لوگ پانچ سال کے اندر جانے پرتل جاتے ہیں وہ کوئی نہ کوئی سبیل نکال ہی لیتے ہیں پادہ طاعت سے غلط نام داخل کرنے کا ازکاب کر کے ہی کہیں نہ ہو کیا یہ جائے کہ پہلی دفعہ جانے والے حاجیوں کی درخواستوں کا حساب الگ رکھا جائے اور دوبارہ سہ بارہ چلنے والوں کا حساب الگ، مثلاً سہ ہزار چھ سو میں سے دس ہزار ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دی جائیں جو پہلی بار جا رہے ہیں اور ان پہلی بار جانے والوں کی تمام درخواستوں کو یکجا کر کے

قرعہ اندازی کی جائے۔ باقی چھ ہزار چھپس کر جانے والوں کو قرعہ اندازی کے ذریعہ الاٹ کی جائیں۔

یہ تجویز اس پہلو سے ضرور قابل غور ہے کہ اس غلط بندی کا اس طرح امداد ممکن ہے جو میعاد کے اندر جانے پر آمادہ لوگ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کیا یہ مستحسن بات نہ ہوگی کہ کسی فعل کو جرم قرار دینے کے بجائے وہ ماحول پیدا کر دیا جائے کہ اس فعل کے صدور کا امکان ہی نہ رہے؟

پانچ سالہ آپ بیتی "سننے کی معذرت پیش کرتے ہوئے ایک بار پھر ناکام عازمین حج کے تعلق و اضطراب کی طرف حج کمیٹی کو متوجہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، مجھ بوں کے سامنے سے وہ منظر کسی طرح ہٹنے کا نام نہیں لیتا جو صابر صدیق سا درخانے میں ناکام عازمین حج کا دیکھا تھا، شوق بے اختیار میں گود کے بچوں تک کو لے کر درخواست دہندگان بمبئی پہنچ گئے تھے حالانکہ حج کمیٹی بالا اعلان سخت تاکید کر چکی تھی کہ جب تک جگہ کی منظوری کی اطلاع نہ پہنچ جائے کوئی درخواست ہندو بمبئی کا رخ نہ کرے۔

ان بچاؤں کا حال ایسا اتر تھا کہ سننے میں آنے لگا کہ مرکزی حکومت کے ذمہ دار وزیر اعظم، وزیر خارجہ اور مرکزی حج کمیٹی کے چیرمین کو بمبئی کے بعض خداؤں سے بندہ نے تار و دھون کے ذریعہ ان کی کس پرسی کی طرف توجہ دلائی اندیشہ بھی سننے میں آیا کہ حکومت کا کوئی ذمہ دار بہت جلد بمبئی پہنچنے والا۔

ہمارے راہ میں اب کوئی رکاوٹ نہیں تھی، ہم لوگ وقت سے بمبئی پہنچ گئے تھے اور تمام ضروری تقاضوں کی تکمیل کرا چکے تھے۔ ایک دشواری بہر حال

تھی جس سے پٹننے کی تیاری گھڑی سے کر کے چلے تھے، یعنی ہمارے ساتھی تین میاں کو مین وٹس پر جگہ ملی تھی اور دوسرے جہاز پر ملی تھی۔

ہم تین مسافر اسلامی جہاز سے جانے والے تھے جو ہزار حج کو مدعا ہو رہا تھا مین میاں اور ہماری ایک مانی کو جو اورنگ آباد سے بمبئی آکر مسافر خانے میں ٹھہری تھیں مظفری جہاز پر جگہ ملی تھی جو ہزار حج کو جانے والا تھا۔

کچھ نہ بنتی تو تقسیم ہو کر ہمارا قافلہ روانہ ہوتا ہم مجبوراً تیار تھے لیکن کچھ دیر کرنا لازم نظر آیا حسن اتفاق سے مولانا محمد میاں فاروقی الہ آبادی (فاضل مرگئی محل) مرکزی حج کمیٹی کے ممبر بمبئی میں مل گئے وہ ہمارے بمبئی پہنچنے سے پہلے بذریعہ ہوائی جہاز حج کو جانے والے تھے۔ ان کا پرگرام ہمیں معلوم تھا بمبئی میں ان کو کچھ کرنا پڑا ایمان ہوا، معلوم ہوا کہ ان کا پرگرام بدل گیا ہے وہ ٹھہرے بھی تھے حج کمیٹی کے چیرمین جناب مصطفیٰ رفیقہ کے یہاں اپنی انجمن بے تکلف ان کے سامنے پیش کر دینے میں تامل اس لئے نہیں ہوا کہ تین سو برس سے ہمارے گھرانے کا تعلق نیاز مندیان کے خاندان سے ہے۔ علامہ فرنگی محل کے مورث اعلیٰ لاطیب الدین شہید ہمالیہ سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت قاضی گھانسی اللہ آبادی کے مرید اور خلیفہ تھے مولانا محمد میاں اللہ آبادی اسی سلسلے کے مخدوم تھے جس میں ان دو باطنیوں ان کے جد امجد مولانا شاہ محمد حسین اللہ آبادی کے مولانا عبدالحی فرنگی محل سے تلمذ اور خود محمد میاں کے مدرسہ نظامیہ فرنگی محل میں تعلیم سے مزید استحکام پیدا ہو گیا۔

بہر حال مولانا محمد میاں نے محل لائسنس کے ذمہ داروں سے بات چیت کر کے پورے قافلے کے لیے مظفری جہاز میں جگہیں محفوظ کرادیں۔ بعد کو اندازہ ہوا کہ

اس سفر کے سلسلے میں جو بہت سے کرم بے شان و گمان ہوئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہم اسلامی جہاز سے مظفری جہاز میں منتقل کرائے گئے بظاہر دود کے لیے اسلامی میں گنجائش نکالنا تین کے لئے مظفری میں جگہ پیدا کرنے کے مقابلے میں آسان تھا اور ہم زیادہ سے زیادہ دسی کی توقع کر رہے تھے۔

اسلامی جہاز کو بہت خستہ حال جہاز سمجھا جاتا ہے اس کی رفتار بھی سست ہے اور سہولتیں بھی کم ہیں، ہوا بھی کچھ دیریا ہی، ۵۲ رات کو اسلامی جہاز نے بمبئی کے ساحل سے لشکر اٹھایا اور مظفری جہاز نے ۸ رات کو لیکن جبے پہنچنے میں صرف چند گھنٹوں کا فرق دونوں جہازوں میں ہوا اسلامی ۴ رات پہل کی شام کو اور مظفری ۵ رات پہل کی صبح کو جدہ پہنچا۔

## جہانگیر کی روانگی

پورے ایک ہفتے بمبئی میں قیام کا موقع مل گیا، ۲۱ مارچ کی صبح کو پہنچے تھے اور پروگرام کے مطابق ۲۵ مارچ کو ساحل بمبئی سے ہمارے جہے میں بڑنے والا جہاز لشکر اٹھانے والا تھا۔ اسی حساب سے بمبئی میں ان ضروریات کی تکمیل کی جو حج کے سلسلے میں بمبئی ہی میں پوری ہونا کرتی ہیں۔ احرام کی خریداری، ڈونگے بالٹی کی فراہمی چکر متلی کی روک تھام والی دواؤں اور دواؤں قیام حجاز کے لیے راشن — پھر جہانگیر کی تبدیلی کی وجہ سے ہماری روانگی ۲۸ مارچ تک متوجہ ہو گئی۔ راشن کے علاوہ باقی اور چیزیں گھر سے بھی ساتھ لی جاسکتی تھیں لیکن پہلے پہل جو حج کو جہاز پر لے جانے کے لیے بمبئی ہی میں دوسرے حاجیوں کے اہتمام دیکھ کر اس سفر کی ضروریات کا صحیح اندازہ ہو پاتا ہے شگایہ صلاح ملی کہ برہمنی چل پاتا تو خرید لیا جائے، جہاز پر چڑھے کا جوتا برباد ہو جاتا ہے۔ احرام کے سلسلے میں واقعہ دیکھنے نے نصیحت کی کہ ایک تہ بند اور ایک ہڑاٹا تولیہ دھار کر لے لے، لےنا چاہیے حجاز میں جو موسم ہو گا اس میں ہڑاٹا تولیہ ہر طرح مفید ہوتا ہے۔ دن میں گرمی کے وقت

موٹا تولیہ ریڑھ کی ہڈی کے اس حصے کو جو گردن سے متصل ہے تہا زت سے بچاتا ہے۔ اور رات کو اگر ٹھنڈک ہو گئی تو یہی موٹا تولیہ ہلکی لذائی کا بھی کام دیتا ہے۔ حجاز کی تیز دھوپ گردن سے متصل ریڑھ کی ہڈی کو سب سے زیادہ تہا زت کرتی ہے اگر اس کی حفاظت سے غفلت کی گئی تو بیمار ہوئے بغیر کوئی رہ نہیں سکتا، احرام کی حالت میں مرد سر کو ڈھک نہیں سکے کہ کوئی موٹا کپڑا سر پر ڈال کر بالائی حصہ جسم کو گرمی سے بچا سکے، سر ڈھکا اور شرعی جوبانہ دینا پڑا، چلبے سوتے میں بے اختیار ہی میں کیوں نہ غلطی ہو جائے۔

موٹا تولیہ اگر احرام میں شامل ہو تو موسم کے اثرات سے ابھی خاصی حفاظت ہو سکتی ہے، حاجیوں کی ضرورت پر مرنے تو لیے لمبے بڑے، لمبی میں کھلے باندار میں اور صابو و صابون مسافر خانے کی حاجیوں کے لئے مخصوص دوکانوں میں بھی باسانی مل جاتے ہیں

ایک انتظام اندہ ہیں کرنا تھا وہ تھا مکہ معظمہ میں قیام کا معاملہ جو ایک سخت مرحلہ ہے اور آئندہ اور بھی سخت ہو جانے والا ہے۔ اس سلسلے میں بدھہ فرقے کے مشہور ہنرمندوں نے ڈاکٹر علاطاہر سیف الدین کے سچلے صاحبزادے ڈاکٹر بروس یوسف نجم الدین سے جن سے ذاتی مراسم بھی ہیں اور خاندانی بھی، رجوع کیا، بدھہ فرقے کے لئے مکہ معظمہ مدینہ منورہ منیٰ اور دوسرے مقدس مقامات میں بڑی آدم دہ عمارتیں موجود ہیں جن میں خصوصی تعلقات والے غیر بدھہ بھی منویٰ کی اجازت سے ٹھہر سکتے ہیں، مکہ معظمہ میں ہیں اپنے ٹھہرنے کے لئے ڈاکٹر یوسف نجم الدین سے عبادت نامہ لینا تھا، پہلے ہی ان کو خبر کر دی تھی۔



بہی میں جب ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ بوہرہ رباط مکہ معظمہ کے لئے محرم کے پہنے سے حج سے تقریباً گیارہ پہنے پہلے ہی سے اجازت نامے جاری ہونا شروع ہو جاتے ہیں میں وقت پر جگہ مشکل ہی نکل پاتی ہے بہر حال نجم الدین صاحب نے ہمارے قافلے کے لئے بوہرہ رباط میں پورا ایک کمرہ مخصوص کر دینے کی ہدایت منتظرین رباط کو تحریر کر کے ہمارے سپرد کر دی یہ تو مکہ معظمہ پہنچ کر اندازہ ہو گا کہ یہ کمرہ کیسی نعمت ثابت ہوا اور کیوں پہلا جگہ نہیں مل پاتی ہے۔

یہ دیکھنا صاحب سے بھی ملے انہوں نے رخصت کرتے ہوئے ہم لوگوں کو جملہ احرام دیا یہ چھائین تھی اس لئے تہ بند کے استعمال میں آئی۔

تیسرے درجے والوں کے لئے بتایا گیا کہ چائیاں بھی ضروری ہیں اور دراصل کے مسافروں کے لئے بھی کسی حد تک ایہ بھی بلیٹی میں ملتی ہیں اور اچھی ملتی ہیں۔

ضروریات کی فراہمی کے بعد ہمارے پاس اچھا خاصا وقت گھوٹنے پھرنے ملنے کا تھا، سواری کی آسانی، بھی میسر تھی، قدیم در دست اور ساتھی مخرج سلطان پوری کی گاڑی ہمارے اختیار میں تھی، مگر سفر کی پریشانی یہ چھائیں گھوٹتی تھی، بحری جہاز کا سفر پھر تیسرے درجے کے ٹکٹ پھر آرام طلبی کی عادت، یہ ایسے تضاد جمع ہو گئے تھے جو پریشان کئے بہتے تھے۔ ذوق و شوق کا یہ سفر اور پریشانی کا یہ عالم!

مولانا شوکت علی مرحوم خادم کعبہ کے بڑے صاحبزادے زادہ شوکت علی صاحب کے پاس "خلافت ہاؤس" میں بیٹھے گفتگوں ہو چکا کرتے تھے کہ ظالم و محنت سے بچنے کی کیا صورت ہو گی ظالم تکلیف سے کس طرح بچا جاسکتا ہے۔ وہ دوبار حج کر چکے تھے

اور جب بات کرنے پر آئیں تو ایورسٹ کی چوٹی پر چڑھنے میں بھی کوئی دشواری نہ بتائیں گے۔ انھوں نے بھی تیسرے درجے میں جہاز کا سفر کیا تھا وہ سب رعایتیں جو حاجیوں کے جہازوں میں رداد رکھی جاتی ہیں انہیں بتادیں۔

تمہیر میں تو بہتوں نے بتائیں، مسوئیتیں بھی بیشتر میسر آئیں لیکن جس سفر کے لئے نکلے تھے اس کی ذمہ داریوں سے کسی نے بھی موثریاء نہ کیا۔ ایک شعر تھا جو کچھ خبردار کر رہا تھا ہے

قائم قدم بنھال کے رکھ کوئے عشق میں

یہ راہ بے طرح ہے مری جان ادا کھنا

اور ہم نے اپنے حساب بنھال بنھال کے قدم اٹھائے اور سوئے ساحل روانہ ہوئے اعلان ہوا تھا کہ مظفری جہاز ۲۸ مارچ کو انجے دن میں بمبئی ساحل سے روانہ ہوگا اور مسافروں کو، بجے صبح کسٹم ہاؤس میں پہنچ جانا چاہیے۔ زائد بھائی نے کہا بھی کہ آپ لوگ اس گیارہ بجے گھر سے جائیے گا۔ جہاز ایک بجے سے پہلے روانہ نہیں ہوگا۔ کسٹم کا ہوا، میں نہ بجے صبح ہی کسٹم ہاؤس لے پہنچا۔

جن لوگوں نے پاکستان کا سفر کیا ہے وہ کسٹم کی مصیبت کا بخوبی احساس رکھتے ہوں گے، خصوصاً تیسرے درجے کے مسافر کا کسٹم تو ایک عذاب ہوتا ہے۔ بار بار سامان کھلو کر ایک ایک چیز نکال کر سرحد کے دونوں طرف دیکھی جاتی ہے ہم سامان سے لے پھندے تھے ہی ہو چاکر سب کا کھولنا دکھانا پھر باندھنا بڑا وقت لگے گا۔ اول وقت ہی پہنچ جاؤ۔

پہنچے، پہلے پاسپورٹ اور صداقت نامہ صحت کی جانچ ہوئی پھر کسٹم ہاؤس میں

داخل ہوئے۔ کچھ ناٹا سا نظر آیا۔ قلی نے ایک افسر کے سامنے میز پر ایک ایک کر کے سامان رکھنا شروع کیا کسٹم آفیسر نظر اٹھا کر ایک دفعہ ہماری صورت دیکھتا تھا اور ایک سامان پر اجازت کا نشان لگا دیتا، بجس بستر ٹوکریاں، ناٹائیں سب اسی طرح صورت دیکھ دیکھ کر پاس کر دیئے گئے۔ شاید دس منٹ لگے ہوں گے کہ سارا سامان جہاز کی طرف روانہ ہونے لگا اور ہم اچنبھے کے ساتھ کھڑے دیکھتے رہے۔ کوئی شناسائی نہ کوئی سفارش، یہ کسٹم آفیسر اتنا مہربان کیوں ہو گیا، کیا تمام کسٹم افسران مردم شناس ہوتے ہیں کہ بوجھ، بوجھ کر تلاشی لیتے ہیں، یا حاجیوں کے ساتھ کسٹم میں رعایت ملحوظ ہی رکھی جاتی ہے۔ یہی سوچتے ہوئے ہم نے بھی جہاز کی طرف قدم بڑھائے۔ پھانک سے نکلی کر گودی کی طرف جا رہے تھے کہ ایک ایک ڈبہ ہر ایک کو گھٹ پر دیا جا رہا تھا، یہ دو پہر کے کھانے کا (بیچ کا) ڈبہ تھا، یعنی جہاز کی روانگی دو پہر کو ہوگی۔ روانگی کے بعد ہی جہاز کا باورچی خانہ کھلے گا۔ بلا یا گیا تھا صبح بیچے تو دو پہر کے کھانے کا کیا ہوگا، اس کے لئے بیچ کا ڈبہ دیا گیا جس میں دو دو کباب اور پوری نار وٹیاں تھیں۔ پیٹ بھر کھانے کے بعد۔

یہ منی کمپنی کی طرف سے مہنگام تھا اس کے ساتھ ایک جیبی سائز کی کتاب بھی دی گئی، یہ حج کی دعاؤں کی کتاب تھی جو انجن خدام اپنی کی طرف سے تقسیم کی جا رہی تھی لیجئے جہاز پر سوار ہو گئے تھے۔ درجے کے مسافروں کے لئے ایک راستہ اوّل درجے کے مسافروں کے لئے دوسرا راستہ جہاز پر جانے کا تھا۔ حج پولیس اور انجن خدام اپنی کے رضا کار اس سلسلے میں رہبری کر رہے تھے۔

تشریتیں کسٹم کے ساتھ متعین ہو چکی تھیں۔ قلی نے ہمارا سامان انھیں

نشستوں پر پہنچا دیا، ابھی بہت ہی کم سا فرہائے تھے۔

جہاز کا بالائی حصہ تو کیتان اور جہاز کے دوسرے بڑے افسروں کے کمروں پر منتقل ہو چکا تھا جہاں کوئی مسافر نہیں جاتا۔ دوسری منزل کپن کلاس کے مسافروں کی تھی۔ دونوں طرف غالباً دو درجن کپن تھے جن کے سامنے وسیع برآمدے اور طعن ایک پسلیک دوم جس میں اعلا درجے کے صوفے اور کرسیاں تھیں اور بڑا سائین بورے ہال میں بچھا ہوا تھا، ایک بڑا سا پیانو بھی کونے میں رکھا ہوا تھا جو حایوں کے احترام میں غلاف کے اندر دیا گیا تھا۔

جہاز کی تیسری منزل درجہ اول کے مسافروں کے لئے تھی۔ یہاں بھی دونوں طرف برآمدے تھے اور اسی منزل پر درجہ اول کے کمروں کے ایک طرف چھت تھی اس چھت کے نیچے جہاز کے درجن دوم کے ملازمین کے کپن تھے اور تیسرے درجہ کے مسافروں کے لئے غسل خانے پاخانے، کینٹن، ڈینسری وغیرہ اور اس کے نیچے تیسرے درجے کے مسافروں کے تہہ بہ تہہ لمبے لمبے ہال تھے جن میں لوہے کی سیٹیں لگائی گئی تھیں۔ ایک بڑے ہال سے نیچے اتر کر دوسرے اور پھر تیسرے ہال میں جانا پڑا تھا تیسرے درجے کے وہ مسافر بڑی زحمت میں تھے جنہیں سب سے نچلے ہال میں جگہیں ملی تھیں۔ انہیں رفع ضروریات کے لئے تین درجے اور چڑھ کر آنا پڑا تھا خوش قسمتی سے ہماری نشستیں اوپر والے ہال میں تھیں اور صرف ایک درجہ اتر کر کے ہم غسل خانے اور پانی لانے تک پہنچ سکتے تھے۔

دیکھا کہ چٹائیاں لئے لوگ اپنی اپنی نشستوں سے کھل چھت پر جا رہے ہیں ہمارے چٹائیاں بھی کھلی چھت پر بچھ گئیں۔ لیکن دوپہر ہو چکی تھی۔ دھوپ کی نیزی میں کھلی

چھت پر کیسے رہا جاسکے گا۔ پھر ابھی مایہ کا ہینہ ہے۔ رات بھی کھلی چھت پر بسر کرنا ناممکن ہے۔ مگر یہ دستور سلسلہ ہے کہ کھلی چھت پر جس کی چٹائی بگڑ گئی پھر وہ جگہ اسی کی ہو جاتی ہے کوئی مسافر اس پر قبضہ نہیں کرتا۔ اس خیال سے چٹائیوں کے قیدیے جگہ پر قبضہ کر لیا کہ اگر نشستوں پر تکلیف ہوئی تو چٹائیوں پر آجائیں گے۔ دیکھتے دیکھتے ساری کھلی چھت اور درجہ اول کے برآمدے چٹائیوں سے گھر گئے۔

جہاز ساحل پر کھڑا تھا اس لئے اگر می بھی ہو رہی تھی بیشتر افراد تہ خانوں کی نشستیں چھوڑ کر کھلی چھت پر ہی گھوم پھر رہے تھے۔

ہم نے اپنے ہال کی نشستوں کا جائزہ لیا جن میں کم دیش سو مسافر ہوں گے تو صرف ایک شنا رسورٹ مولانا عبد الحفیظ علیادی (مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء کی نظر پڑی) نیچے کے تہ خانوں میں واقع کار صورتیں تلاش کرنے کے بجائے جہاز کی بالائی نشستوں کے درمیان اس جستجو کو ہم نے کچھ زیادہ موزوں سمجھا۔

ایک جہاز چھوٹے والا تھا ایک بچ گیا ابھی کچھ آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس کے بالکل کسٹم بادوس کے دروازے سے کل نکل کر جہاز کی طرف مافوق کی آمد جاری تھی۔

جو سوار ہو چکے تھے ان کو ظاہر ہے کہ جہاز کے چھوٹنے میں زیادہ دلچسپی تھی۔ مگر می الگ ہو رہی تھی ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ آخر کب چلے گا جہاز؟ یہ دیر کیوں ہو رہی ہے؟ خاتم کو روانہ ہونا تھا تو صبح سے کیوں بلا کر یہاں باندھ دیا؟

ایک باخبر نے خبر دی کہ کچھ امیدوار عازمین حج ہیں جن کے لئے اس جہاز پر جگہ کاٹنے کی تدبیریں ہو رہی ہیں۔ اس لئے تاخیر ہو رہی ہے۔

پھر نظر آیا کہ کئی سیر جاہلوں کی ایک تعداد کسم پادوس سے پھوٹ کر تیزی

کے ساتھ جہاز کی طرف آرہی تھی سو سو اسوہوں گئے جو باؤس ہو چکے تھے اب جہاز کی  
کے بعد کھراٹا نصیب ہوئی تو انہیں خود نصیب نہیں آ رہا تھا ایسے دھڑے چلے آ رہے  
تھے جیسے جہاز ان کے لئے رکا ہی نہیں ہے۔

ہم اپنی نشستوں پر سامان کی ترتیب میں گئے تھے کہ پتہ چلا نائب وزیر فارجہ شری  
دیش سنگھ جہاز پر جا جوں کو نصبت کرنے اور ان کا احوال دیکھنے آئے ہیں نائب وزیر فارجہ  
سے ہمارے بارے میں ہمارے اڈیٹر حیات اللہ انصاری صاحب خط و کتابت کر چکے  
تھے جب حج کیٹی کے ایک ممبر مولانا حامد الانصاری غازی نے ہمارا تعارف ان سے کرایا تو  
ہم نے یاد دلایا کہ حیات اللہ انصاری صاحب نے ہمدانی دہلوی میں ترجیع کے سلسلے میں آپ کو  
کھا تھا۔

انہوں نے کہا: میں نے اپنے سفارت خانے کو کھ دیا ہے آپ وہاں مل لیجئے گا۔  
دفعہ دخل مقدمہ کرتے ہوئے ہم نے کہا: میں اخبار نویس کی حیثیت سے نہیں جا رہا ہوں اپنی  
والدہ کو لے کر حج کرنے جا رہا ہوں۔

شری دیش سنگھ نے ہرجتہ کہا: بہت اچھا ہے۔ یہی حج تو اصلی ہے۔  
ان کے اس جواب سے جی بہت خوش ہوا، اور پھر جب یہ معلوم ہوا کہ دیش سنگھ  
صاحب دلی سے محض اس لئے آج یہاں آئے ہیں کہ جو عازمین حج رہ گئے ہیں ان کے  
لئے کسی طرح گنجائش نکالی جائے تو ان کی قدمہ اور بڑھ گئی۔

بلاشبہ انہوں نے بڑا کام کیا۔ جتنے نامراد عازمین حج پڑے انہیں اپنی قسمت کو رو  
رہے تھے ان سب کے لئے انہوں نے ہمدے گزر کر انتظام کیا، ہمارے جہاز پر کئی سو بیرو  
کو جگہ دلائی، کپتان نے گنجائش سے زیادہ رتنے ہی حاجی لئے، جتنی فاضل لائفٹ میکٹ

اجان بچانے والی بیٹیاں، اس کے پاس تھیں، پھر بھی ایک پچیس امیڈا باقی بچے،  
 ذمیش سنگھ صاحب نے ان شوق بے حد کے گناہ گاموں کے لئے بھی انتظام  
 کیا وہ اس طرح کہ اگر وہ ہوائی جہاز کا ایک طرف کا کرایہ ادا کرنے پر تیار ہوں تو ایک  
 مخصوص بونگ اتیر رفتار ہوائی جہاز کا انتظام کر دیا جائے اور ہر سے بونگ  
 سے جائیں وہ ایسی بحسری جہازوں سے ہو اور ہوائی جہاز کا کرایہ ایسی  
 ہو کر ادا کریں۔

تقریباً رب ہی تیار ہو گئے اور بونگ کے ذریعہ تین چار گھنٹے کے اندر وہ بمبئی سے  
 جدے ہوئے گئے جب کہ حج ہوئی سر دس سے جانے والوں کو اس سال جدے ہوئے  
 میں اس وقت تک گئے۔

نائب وزیر خارجہ کے ساتھ مرکزی حج کمیٹی کے سکریٹری اور وفات خارجہ کے  
 ڈپٹی سکریٹری مسٹر ذراشت علی تندوئی بھی دلی سے بمبئی آئے تھے اور جہاز پر بھی انھیں  
 کے ساتھ آئے۔

جون کو نائب وزیر خارجہ کے کہنے سے جہاز پر جگہ ملی تھی اب ان کی آمد شروع ہوئی  
 اس طرح کوئی چار بج گئے۔

علوم ہو کہ مولانا سید محمد شاہد فاخری ایم ایل سی (یو پی) ممبر حج کمیٹی ہمارے  
 جہاز کے امیر الحج بنائے گئے ہیں اور آپ کیسے نمبر ایک ان کو ملا ہے۔ اپنے دو خانے سے  
 ان کی تلاش میں گئے تو وہ کئی دقت کا رہی ہے۔ جن میں شیخ ظہور الحسن دہلوی  
 سکریٹری محکمہ مال یو پی، لکھنؤ کے کارپورٹر حاجی غلام حسین کے بٹے بھائی حاجی غلام  
 اشرف، پھر اپنے درجے والوں میں عارف خیر آبادی عربی تاشیاں، لکھنؤ آبادی محمد باقی

دکھو، محمد اصغر علی انصاری (دکنی) حاجی اشتیاق حسین کا پوتا وغیرہ حاجیوں کے جہاز کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ اگر گنجائش سے زیادہ مسافر سوار ہوں تو ممنوع جگہوں پر بھی انہیں پڑھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ ادویوں بھی حاجیوں کے جہاز پر بے ضابطگی کو عموماً نظر انداز کیا جاتا ہے۔

دیکھتے دیکھتے درجہ اول کے سامنے دالے برآمدے تیسرے درجے کے مسافروں کی چٹائیوں سے بھر گئے۔ والدہ، بھو بھو جان (ادمانی کے لئے زمانہ ہسپتال کے سامنے دالے برآمدے میں چٹائیاں بچھا دیں) ادھم نے اپنا بچھونا امیر راج کے کیمین کے سامنے دالے برآمدے میں جو نسبتاً خالی تھا، بچھا لیا اگر کیمین کلاس کے مسافر معترض نہ ہوں تو ان کے برآمدے میں جہاں ہوا خوری کے لئے کرسیاں پڑی ہوتی ہیں دو ایک مسافر بستر جا سکتے ہیں۔ شاہد میاں کے معترض ہونے کا سوال ہی کیا تھا جس قدم خوش تھے ان کی معیت پر اس سے زیادہ وہ اپنی خوشی ظاہر کر رہے تھے۔ وہ بھی پہلی ہی بار حج کو جا رہے تھے۔ اس پہلو سے ہم دونوں ایک ہی کشتی کے مسافر تھے، اسی قطار میں حاجی غلام اشرف کے دو کیمین تھے اور ایک کیمین میں مسٹر مناظر الحسن ڈیڑھ ٹنلی بوسٹر بن دپٹہ، اپنی والدہ کے ہمراہ تھے ان سے بھی تعارف میں دیر نہیں لگی، اس طرح اس قطار کا پورا برآمدہ جاتنے والوں ہی کا تھا۔ ہمارے بستر لگانے پر کسی کو شکایت نہیں ہوئی، پورا سفر وہیں رہ کر گئے کیا سب سے بڑی سہولت باتھ روم کی باتھ ہو گئی، ہر کیمین سے ایک باتھ روم بھی وابستہ ہوتا ہے کیمین والا اپنا ہونو پھر کیا رحمت ہو سکتی ہے۔

۵ بجے سہ پہر کو جہاز نے ننگرا ٹھکانا دیکھتے دیکھتے بمبئی ریم سے دور ہو گیا اور ایم



مغرب کے وقت بیچ سمندر میں تھے جہاں سے بمبئی کی صرف دو فٹنیاں نظر پڑتی تھیں  
تھوڑی دیر بعد وہ بھی ادھملا ہو گئیں۔

اب صبح معنی میں وطن سے دہر ہو چکے تھے۔ اور دادی غربت میں چل رہے تھے  
کسی شاعر نے کہا تھا کہ

ہم نے جب دادی غربت میں قدم رکھا تھا  
دور تک یاد وطن آئی تھی سمجھنے کو

ہم نے نیچے مرو کر دیکھا تو کوئی سمجھانے بوجھانے والا دور نزدیک کہیں نظر نہیں  
آیا۔ شاید دادی غربت میں یاد وطن سمجھانے آتی ہو سمندر میں اس کی ضرورت سمجھتی ہو  
اصل یہ ہے کہ خالق اوطان اور مالک بحر دو کئے گھر کی طرف جانے دے اگر  
اپنے اپنے گھر زندگی کی یاد سے چٹے رہے تو پھر مالک کا حق کیا ادا کیا انھوں نے؟  
جہاز کو چلے بمشکل آدھ گھنٹہ ہوا ہو گا کہ مسافروں کو دوران سر محسوس ہونے  
لگا۔ تجربہ کاروں کی ہدایت کے مطابق بیشتر مسافر اپنے اپنے بچوں پر دان ہو گئے  
کچھ تو لینتے ہی سو گئے اور کچھ دوران سر کے آگے دالی منزل منلی کا انتظار کرتے رہے۔  
اگر یہ کیجئے تو منلی نہیں ہو گی؟ وہ دکھا لیجئے تو تے نہیں ہو گی؟ ہر ایک اپنا تجربہ  
بلا معاوضہ پیش کر رہا تھا۔ مگر تجربے سے ہر تجربہ محدود نظر آیا، ایک کے لئے جو کامیاب  
تجربہ تھا دوسرے کے لئے وہ بالکل ناقص ثابت ہوا، سچ یہ ہے کہ کوئی عالم گیر تجربہ  
اس سلسلے میں اب تک سامنے نہیں آیا۔

۹۵ فی صدی حاجی دوران سر میں مبتلا نظر آئے ان میں ہمارے امیر لکھ بھی  
تھے اور ۲۰، ۲۵ فی صدی منلی بھی کر رہے تھے۔ چاروں طرف یہ عالم دیکھ کر محسوس ہونے

لگا کہ ہمارا سر بھی جکڑا رہا ہے لیکن یہ صرف دوا بہہ تھا ان پانچ فیصدی مسافروں میں ایک ہم بھی تھے کہ سوائے وہم کے ہمارے اوپر سمندری بیماری کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ مین میاں، امی، پھوپھو جان سب اس بیماری سے پریشان ساتھ کی دوائیں اور پھر ڈاکٹر کی دی ہوئی دوائیں استعمال کر رہی تھیں، اچھیوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ یہ اس کی دوا کی متلی تے ہم سے دیکھی نہیں جاتی اس لئے بیماروں کی دوسرے ہم بھی قاصر تھے اس طرح ہم بھی باوجود بچے خامے ہونے کے بستروں پر دراز پڑے رہے۔ پہلی رات گذر کر صبح آئی تو اکثروں کی طبیعتیں بحال تھیں۔ یعنی دواؤں میں ترقی ہو چکا تھا۔ لیکن جن کو متلی شروع ہو چکی تھی وہ دوا ایک دن اس میں مبتلا رہے۔

میں میاں سے جب صبح چائے کے لئے پوچھا تو انھوں نے اطلاع دی کہ روزہ سے ہیں۔ یہ کیا کیا جناب! دورانِ سر اور متلی کا علاج ایک ہی بنا یا جاتا ہے کہ معدہ خالی نہ ہو پزیرے روزہ رکھ کر بیماری کو خود دعوت دی ہے۔ خدا جانے نذر کا روزہ تھا یا نفل کا ہر حال انھوں نے توڑا نہیں اور شوقِ عبادت میں بد احتیاطی کا نتیجہ دن بھر انھوں نے بھگتا، روزہ کھول کر جب پیٹ میں کچھ پھر نچا تب ان کی طبیعت چاق ہوئی۔

## جہاز کا نظم کار

ظاہر ہے کہ حج کا معاملہ مسلمانوں کا خالص مذہبی اور عقائدی معاملہ ہے جس سے دوسرے مذہب والوں کو کوئی دل چسپی نہ ہونا چاہیے، بہت دل چسپی ہوئی بھی تو بے تعلقی کی دل چسپی کی حد سے آگے اس کے جانے کا بظاہر کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے؛ لیکن سفر حج کے تجربے نے یاد دہرایا کہ اندازہ کرنے میں ہم غلطی کر رہے ہیں۔

دیش سنگھ صاحب نائب وزیر خارجہ نے جو اصل حج کی وجہ و فضاہت کی اسے محض بے تعلقی کی دل چسپی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا یا انھوں نے ناکام عازمین حج کے لئے سفر حج کے انتظام میں جو سرگرمی دکھائی اسے صرف دکھاوا، کہہ کر نظر انداز کر دینا آسان نہ ہو گا۔

محسوس کرنا پڑتا ہے کہ مذہبی دل چسپی رکھنے والے خواہ کسی مذہب کے بھی ملنے والے ہوں ان کے دلوں کے اندر مذہبی مراحم کا احترام بہر حال ہوتا رہے۔ دوسری بات یہ کہ بہت سے دوسرے باب اس احترام کے اظہار کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جائیں اور جہاں یہ باب سد راہ نہیں بنتے وہاں بے اختیار ایسے امر و سرزد ہو جاتے ہیں جو دوسرے مذہب کے احترام

کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

ہم لوگ کھٹو میں جب چمچک اور میٹھے کے سادہ ٹنگٹ لینے کا بوریشن کے محکمہ حفظان صحت میں حاضر ہوئے تو سرکاری دفتر کے منتقل تجربوں کے برعکس چند منٹ میں تمام مراحل انجام پا گئے۔ یہی نہیں ہوا بلکہ علی کے جس جس آدمی کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ حج کو جا رہے ہیں اس نے نہ صرف یہ کہ ایک طرح کی خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی دکھائی جو دُعا فری کریوں پر بیٹھے ہوئے انسانوں کی عادت کے سرسرخلاف تھی بلکہ وہ ہندو کو کون نے ہم سے التجا بھی کی کہ وہاں دعاؤں میں ہیں نہ بھولیے گا۔ یہ دونوں نوجوان ہمارے کبھی کے تناسل تھے۔ پہلی دفعہ سے سادہ ٹنگٹ پر دستخط کرانے گئے تو بغیر سابقہ تعارف کے انھوں نے محض نماز میں حج کے لحاظ سے باوجود جگہ کی تنگی کے کرسیاں منگا کر ہمارے بیٹھانے کی نکل کی۔

ہمارے ہیئت سے غیر مسلم احباب ہیں ان کے لئے اپنے ایک دوست کو جو لمبے سفر پر جا رہا ہے الوداع کہنا اور ذمہ لیاؤں میں پیش کرنا رسا اور اخلاقی ضروری تھا اور اس فرض کو انھوں نے انجام بھی دیا لیکن ایک ساتھی مسلمان کنی پر تشدد سکینہ (جیف ریورڈز، نوجوان) نے رخصت کرتے ہوئے ایک فراموش بھی کی۔

دیکھیے اگر کعبہ کا پانی اور مدینہ کی مٹی نہ لائے تو اچھا نہ ہوگا۔

بے تکلفی سے پوچھا: مندوباران کی غرضیت سے تمہیں ان چیزوں کی کیا حاجت پیش آگئی؟

مندوبے جواب دیا: "جناب! اس سے آپ کو کیا بحث میں کچھ کروں گا؟"

پہلی حاجت کے لئے ریل پر سوار ہوئے بمسافر درجہ ٹوٹا ڈوڈا "ہمارے حصے میں

ایا تھا جس میں بچاس ساٹھ سے زیادہ نشین تھیں ان پر بہت سے غیر مسلم مافرتے چار باغ ایٹشن پر ہفت کرنے والوں سے انھیں ہمارے سفر کی نوعیت کا اندازہ ہوا پھر ہم نے دیکھا کہ سفر کی ساری خود غرضیاں ہمارے سلسلے میں ان سے چھت ہو چکی تھیں راتے بھر اس طرح وہ پیش آتے رہے جیسے ہم ان کے مہمان بن کر جا رہے ہیں، ”ڈونا رڈا لے دوسرے کپار ٹنٹ میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی جسے تارسی میں ریل سے جدا کر دیا گیا۔ اس کپار ٹنٹ کے مافرت تقسیم ہو کر ہمارے دسجے میں بھی آئے جبکہ کی تنگی ہوئی لیکن بتنگی ہمارے لئے نہیں تھی۔ جس کو یہ معلوم رہا کہ یہ حج کو جا رہے ہیں وہ ہمیں زحمت دینے سے احتیاط کرتا۔

ریلوے کا ایک نوجوان غیر مسلم ملازم بھی جو دوسرے پر جا رہا تھا خراب کپار ٹنٹ سے ہمارے درجے میں آیا، اور کسی طرح ہماری سیٹ پر بیٹھنے پر تیار نہ ہوا کہ آپ لوگوں کو زحمت ہوگی کافی اصرار کے بعد بیٹھا تو اس نے بتایا کہ وہ فوج میں تھا اس نے سمندری سفر بہت کیا اور سمندری بیماری (سی سکس) سے کیا کیا تکلیف ہوتی ہے؟ اس نے مشورہ دیا کہ سمندری نمک اور اٹلی کی گولیاں اگر کھائی جائیں تو سمندری بیماری سے بالکل نجات رہتی ہے۔

اس نے مشورہ بھی دیا اور بتایا بھی کہ بمبئی میں ساحل کے آس پاس پان سکرٹ کی فلاں فلاں دوکانوں پر اٹلی اور سمندری نمک کی بنی ہوئی گولیاں مل جاتی ہیں۔

بمبئی میں بعض خریداریوں کے موقع پر اندازہ ہوا کہ غیر مسلم دوکانداروں کا بھی وہ رویہ جو عام خریداروں کے ساتھ رہتا ہے حاجیوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔

بہٹی میں کسم آفیسر کا جو رویہ حاجیوں کے ساتھ رہا وہ ذکر ہو چکا ہے۔  
یہ تمام رویے اس عام رویے سے بالکل مختلف تھے جو عام طور پر ہمارے  
تجربے میں آتے رہتے ہیں۔

نداریل کے کسی تیسرے درجے میں گھس کر دیکھئے کیا سلوک بیٹھے ہوئے  
مسافر فردار و مسافر کے ساتھ کرتے ہیں؟ یہ سب صرف حج کے احترام کے پیش نظر  
اگر نہیں ہوا تو پھر کس وجہ سے ہوا؟

جس قدر خوشی حاجیوں کے ساتھ اس عام اخلاق و احترام کو دیکھ کر ہوتی  
اسی قدر رنج یہ سوچ کر ہونے لگا کہ آخر عام زندگی میں ہمارا عام رویہ یہ کیوں  
نہیں ہو سکتا اور ایک ہی آدمی میں عام زندگی میں یہ بے مروتی اور خاص موقع پر  
یہ مروت کہاں سے آجاتی ہے؟

کبھی تمکین صولت آفریں کیوں؟  
کبھی الطاف جبرأت آزا کیا؟

بات یہی ہے کہ حصول اقتدار کی سیاست اور حکمت عملی کی گرم بازاری نے  
انسانیت کے تمام جوہروں پر ایسا دبسنو روہ ڈال رکھا ہے کہ آدمی کی اصلی شکل  
پہچاننا مشکل ہو گیا ہے، اتم بالائے اتم یہ کہ مذاہب جو خیر خواہی غم گساری ہمدردی  
اور رواداری کے پیغام برین کر دنیا میں آئے تھے، اب بدخواہی بے مروتی اور گدائی  
کے نقیب بن کر ابھر رہے ہیں۔ یہ سب ہوس اقتدار کی کرشمہ سازی ہے۔ جہاں  
اس سے ہٹ کر کوئی معاملہ ہو وہاں دیکھنے میں آتا ہے کہ ان اپنی ان ہی خوبیوں  
کے ساتھ جلوہ گر ہے جو اس کی خلقت میں اول سے ودیعت کر دی گئی ہیں۔ اذن

تمام نظروں کا ماننے والا ہے جو معاشرے کی راحت اور آسائش کے سلسلے میں  
تجربے نے ضروری سمجھی ہیں وہ غیر سیاسی زندگی میں اس مشہور نظریے پر پوری  
طرح عامل رہتا ہے۔

آسائش و دلچسپی تفسیر میں دوحرف ست  
باد و ستاں تملط باد شمنان مدارا

یہ امکانات اس جج کے سفر میں پوری توت کے ساتھ ہوا اور اگر برا زمانے  
تو یہ کہنے کی جرات کی جائے کہ ان لوگوں سے جو جج کے مسئلے میں ہم عقیدہ ہیں  
اور جن سے عازمین جج کو زیادہ سے زیادہ توقعات بجا طور پر ہو سکتی تھیں ہیں  
اکثر خلاف توقع باتیں دیکھنے میں آئیں اور جو ہم عقیدہ نہیں تھے انھوں نے  
قدم قدم پر خوش عقیدگی کا ثبوت پیش کیا۔

دیکھ مسجد میں شکست رشتہ تسبیح شیخ  
تہلکہ میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

خبریات یہاں تک پہنچی تھی کہ ہم لوگوں کو مظفری جہاز پر دوسرا دن ہوا  
طبیعتیں جو سمندری سفر کے آغاز میں بے چین ہو گئی تھیں۔ مدت کے آرام  
کے بعد مائل بہ سکون تھیں۔

اب آٹھ دن جہاز پر گزارنا ہیں۔ نہ کیس آتا نہ کیس جانا اور تقریباً دو ہزار  
کے آبادی کی چل چل کے درمیان بسر کرتا ہے یہاں کوئی گوشہ تنہائی نہیں  
جہاں الگ تھلگ بیٹھ رہنا ممکن ہو اور نہ اس اہم اجتماعی رضیہ دینی و فطرتی  
کے بے موقع استعمال سے بے سود بنانا ہی مناسب ہے۔

خلوت نشینی فرد کی اصلاح کے لئے کتنی ہی مفید اور کتنی ضروری کیوں نہ ہو لیکن معاشرے کا تقاضا قدم قدم پر بل بیٹھنے کی دعوت دیتا ہے معاشرے ہی کا نہیں مذہب کا بھی تقاضا یہی ہے۔

ہم نے پڑھا ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ نماز اصلاح نفس کا ایک اہم ذریعہ ہے ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر (نماز بے ہودگیوں اور غلط باتوں کا سد باب کرتی ہے)

اور یہ بھی تجربہ بتاتا ہے کہ جنسی صحیح نماز تنہائی میں ادا ہو سکتی ہے صحیح میں نہیں ہوتی لیکن یہ کیا بات ہے کہ جماعت اور صحیح کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم اس قدر اصرار کے ساتھ دیا جا رہا ہے؟ اس لئے کہ صحیح نماز میں جو فائدہ ہو وہ صرف ایک کو پہنچتا ہے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں پورے معاشرے کے لئے فائدے مضمر ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم اپنی دینی پستی کی وجہ سے ان اجتماعی فائدوں کو حاصل کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔

حج باجماعت نماز سے کہیں بڑا اجتماعی فریضہ ہے۔ اس فرض کو ادا کرنے والا ہی اگر اجتماع سے گریزاں ہونے لگے تو پھر تو اللہ ہی انک ہے:

خلوت نشینی کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن حج کے عازم کے لئے خلق سے گریزاں رہنے کی نفی صلیت تسلیم کرنے سے ہیں انکار ہے۔

عشق و مزدوری عشرت کہ خسرو؟ کیا خوب!

ہم کو تسلیم نہ کو نامی سر ہاں نہیں!

جہاز پر دو ہی ہزار انسانوں سے سابقہ ہے آگے مین حج کے دنوں میں



تولا کھوں کی ریل ہیں ہوگی، دھکم پیل ہوگی، ارکان جج کی ادا نیگی میں ساقبت ہوگی، تھوڑی سی خود غرضی بھی کارفرما نظر آئے گی، پھوٹا بڑے کو، غریب امیر کو، شاگرد استاد کو پیچھے کر دینے کے جذبے میں مست و سرشار ملے گا۔ لے مافیت کو شہ بندہ خدا! کیا شاہوں کی طرح یا چوروں کی طرح چھپ کر بیٹھ رہنے سے تیرا جج ادا ہو جائے گا؟ عجیب ہی دنیا بھر سے آئے ہوؤں کے درمیان رہنے ان کو دیکھ کر اپنے کو سنوارنے، انہیں سمجھ کر اپنے کو سبق دینے کے لئے نہ کہ چوروں کی طرح چھپے چھپے پھرنے کے لئے نہ

وہ زندہ ہم میں کہیں روشناس خلق اسے خضر!

نہ تم کہ چور بنے عمر جا وداں کے لئے

جہاز پر امیر کج حاجیوں اور جہاز کے کپتان کے درمیان ایک وسیلہ اور رشتے کا کام دیتا ہے حاجیوں کی ذمیتیں شکایتیں اور ضرورتیں امیر کج تک آتی ہیں وہ انہیں جہاز کے کپتان تک پہنچاتا ہے۔ کپتان کو اگر حاجیوں کی بے ضابطگیوں سے کوئی شکایت ہوتی ہے تو باوجود اس کے کہ وہ جہاز کا مطلق العنان حکمران ہوتا ہے امیر کج کو توجہ دلاتا ہے۔

ایک امیر کج تقریباً دو ہزار حاجیوں کے سارے معاملوں سے آگاہ کیے ہو اس کے لئے ایک باقاعدہ نظام بنا دیا گیا ہے۔ امیر اپنے نائب مقرر کرتا ہے تعداد کا فیصلہ امیر پر ہے۔ عموماً جہاز کے ہر درجے کے ہر حصے سے ایک آدمی نائب کی حیثیت سے چن لیا جاتا ہے کم و بیش ۱۴-۱۵ نائب ہو جاتے ہیں جو اپنے اپنے علاقوں کی ضرورتوں سے آگاہ رہتے ہیں اور روزانہ اپنے دن

سے ایک بجے دن تک جب امیر کج اپنے آفس میں بیٹھا ہے تو ان کے سامنے معاملات پیش کر دیتے ہیں۔

ہمارے امیر کج مولانا سید شاہد فاخری (ایم ایل سی) ممبر کج کیٹی ہوئے گئے تھے امیر لیکن اس پورے سفر میں ان پر بجائے لیڈری کے "قلندری" ہی سوار ہی۔ جنہوں نے ان کو لیڈری کرتے اور آستینیں اور مو پچیس چڑھائے دھواں دھار تقریریں کرتے دکھائے وہ ان کو جہاز پر دیکھ کر صورت سے پہچان لیں تو پہچان لیں ان شاہد فاخری کو پہچان نہیں سکے جن سے ملنے کے وہ ڈی رہے ہیں۔

انہوں نے کسی عدد اپنے نائب مقرر کر لئے بلکہ ایک نوجوان نائب یعنی مسٹر عبدالستار زری والا (ممبر کج کیٹی) کو اپنے سارے اختیارات بھی سونپ دیئے کپتان کے ساتھ روزانہ پورے جہاز کا دورہ کرنے اور کپتان لاؤڈ اسپیکر کے ساتھ روزانہ کھانا پچکنے کا ذمہ داریاں بھی مسٹر زری والا نیا بت میں انجام دیتے تھے پانچوں وقت باجماعت نماز کا انتظام بھی جہاز کی کسی کھلی جگہ پر کیا جاتا ہے اگر نہ کیا گیا تو امیر کج کپتان سے تقاضا کر کے یہ بندوبست کرتا ہے۔ جماعت کے لئے امام اور اذان کے لئے مؤذن کا بندوبست بھی امیر کج کرتا ہے زری والا اگر کج سے پہلے بھی داڑھی رکھے ہوتے تو شاید مولانا شاہد فاخری انہی کو امت بھی تفویض کر دیتے مگر لاچار تھے خود ہی یہ منصب ہنہان پڑا پھر بھی کبھی کبھی دو مڑں کو نماز پڑھانے پر مجبور کر دیتے تھے۔ مؤذن بھی ایک خوش الحان نوجوان مل گیا کھٹوں میں مولوی کج کے رہنے والے حاجی عبدحکیم جو شاید کلکتے میں تجارت کرتے ہیں۔

ایسی کوئی جگہ جہاں میں نہیں تھی جہاں تمام حاجی ایک ساتھ نماز پڑھ سکیں۔  
 لا محالہ دو جماعتیں باضابطہ ہوتی تھیں ہو سکتا ہے کہ اور بھی جماعتیں ہوتی ہوں۔  
 ایک کی امامت اکثر و بیشتر امیر الحج مولانا فاخری کرتے تھے یہ جماعت کین کلاسوں  
 کے برآمدے میں ہوتی تھی، دوسری جماعت درجہ اول کے کلاسوں میں ہوتی تھی  
 جس کی امامت قادی محمد ثابق و مدرس مدرسہ زرقانیہ کرتے تھے۔ تیسری جماعت کین  
 کلاسوں کے پبلک روم میں بوہرہ فرقہ کی ہوتی تھی۔ بوہرہ فرقے کے بیشتر حاجی  
 کین کلاس یا درجہ اول میں تھے۔ کچھ تیسرے درجہ میں ہوں گے۔ ان میں نوجوان  
 کافی تھے اور عورتیں بھی سب جماعت سے نمازیں پڑھتے تھے۔

ہماری دو جماعتوں سے یہ ہوا کہ اگر کسی کو نماز ایک جماعت میں نہ ملتی تو دوسری  
 جماعت میں شرکت کا اسے موقع مل جاتا تھا۔ جاتے وقت یہ اندازہ ہوا کہ سب  
 ہی ایک خیال میں متفرق ہیں اور دینی امور میں غیر معمولی انہماک ہے۔ بڑی  
 بڑی جماعتیں ہوتی تھیں، دواہی ہی اس خوشگوار منظر کے دیکھنے کے لئے  
 آنکھیں ترسا کرتی تھیں۔

تقریروں کا بھی انتظام تھا عموماً عصر مغرب کے بعد میان کوئی نہ کوئی تقریر کرنا  
 تھا، زیادہ تر مسائل حج کا بیان ہوتا۔ ان لوگوں کے لئے جو پہلی دفعہ حج کو  
 جا رہے تھے آسان نہ تھا کہ وہ پورے عبور کے ساتھ مسائل حج بیان کر سکیں۔  
 اس سلسلے میں ہمیں اپنے عربی اور استاد الحاج مفتی محمد عبدالقادر رحمہ اللہ  
 ذرنگی محل اخص طور پر یاد آئے۔ جب ان سے شرح و قایہ کی کتاب درج پڑھتے  
 تھے تو کئی بار انہوں نے فرمایا تھا کہ مسائل حج کا پوری طرح سمجھنا اور نصیحتیں

یاد رکھنا مشکل ہے ایک بار حج کر لینے کے بعد ہی کتاب الحج پوری طرح سمجھ میں آ پائے گی۔

ہمارا مقصد کچھ دنوں سے ملے سائل سے ہے ان میں حج کے مسائل کے بارے میں بھی استفادات آتے ہیں مگر وہ عموماً حج بدل یا عورتوں کے شرائط حج سے متعلق ہوتے ہیں۔ ارکان کے حج کے بارے میں یہاں کسی کو پوچھنے کی ضرورت بہت کم پڑتی ہے اس لئے ان مسائل پر بار بار نظر پڑنے کا موقع بہت کم ملتا ہے۔ یہی تجربہ شاید دوسرے فتویٰ دینے والے علماء و علما کا بھی ہو گا۔

حج کا فلسفہ، سفر کے آداب، اور خشوع و خضوع کی اہمیت پر آپ جتنی بھی تقریر کرنا چاہیں کر سکتے ہیں مگر مسائل حج پر کچھ کتنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں کم از کم اپنے بس سے تو باہر تھا اس لئے ہمارے تقریر کا شوق کبھی نہیں چرایا ہمیں کیا کسی کو نہیں چرایا۔ عافیت اسی میں نظر آئی کہ حج سے متعلق کون کون کتاب کوئی صاحب سنا دیا کریں۔

ماہنامہ البلاغ کے ایڈیٹر مولوی محمد الدین منیری (دہلی) بھی اس جہاز پر تھے جن سے بالکل اچانک جہاز پر تعارف ہوا۔ ایک تعداد فی خط جو ہمارے دوست حکیم عبدالقوی دہلوی نے ان کے نام بمبئی میں کام کرنے کے لئے دیا تھا وہ تعداد کے بعد ان کو جہاز پر روانے کیا۔ منیری صاحب ہی ایک ایک کو تقریر کے لئے اکسایا کرتے تھے جب ان کو یہ سوجنا ہ یا کہ کسی کتاب سے مسائل حج سنا دیا جابا کریں تو وہ ہی بچارے یہ خدمت روزانہ انجام دیتے رہے۔

ہمارے ساتھی حسین میاں نائب امیر الحج تھے ان کا خاص کام جہاز کے

مریضوں کو ڈاکٹر کے پاس پہنچانا یا اسپتال میں داخل کرنا تھا۔ آخر وہ دوا خانے میں ڈاکٹر فریدی کے دوا خانے میں (جہاں تو کام کرتے ہیں) سیکڑوں بندائیں خود ان کو معلوم تھیں ابتدائی طبی امداد وہ خود ہی پہنچا دیتے تھے۔ لیکن جب وہ کسی مریض کے داخلے کی ضرورت محسوس کرتے تو وہ واقعی داخلہ کے لائق ہی قرار پاتا تھا۔

اسی جہاز پر چارے نہیال اور متین میان کی سسرالی کاکوری کے ایک سن۔ سیدہ بزرگ عظیم شکور بیگ صاحب بھی اپنی اہلیہ اور بھائی کے ساتھ تھے۔ غالباً وہ بیمار ہی سوار ہوئے تھے متین میاں نے ان کو دیکھ کر ان کی مرضی کے خلاف اسپتال میں داخل کر دیا۔ ڈاکٹر دعا کرتا تھا کہ غصوت سے جدے میں ترجاہیں اور وہ جدے میں خیریت سے اترے اور وہیں اسپتال میں دوسرے دن انتقال کر گئے۔

ہمارے جہاز کے دو تمام سافرو پہلی دفعہ حج دنیا دہ کو جا رہے ہیں۔ اور انھیں کی تعداد غالب ہے۔ — سچج معنوں میں ہم درجہ کے درمیان دو نئے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک انجانی منزل کی طرف قدم بڑھتے جا رہے تھے لیکن پہنچنے کا انجام دھندلکے میں لپٹا محسوس ہو رہا تھا۔ یہ نہیں کہ منزل مقصود پر کیسے پہنچیں گے بلکہ یہ کہ منزل پر پہنچ کر کیا بیٹے گی؟ عدالت کے کمرے میں مدعی یا مدعا علیہ کے داخلے کا تصور کیجئے کہ دونوں نبوت و صفائی کے تمام امکانات حاکم عدالت کے سامنے پیش کر چکنے کے بعد بھی دھڑکنے والے ساتھ ہی وہاں حاضر ہوتے ہیں خدا جانے فیصلہ کیا ہو یا لا؟

ایسی عدالت میں حاضری کا تصور کیا کچھ ہوگا جہاں سوگند اور گواہ کی بھی کوئی حاجت نہیں ہوتی۔

شاید ہی کوئی ایک تنفس جہاز پر دیا ہو جسے اپنی پاک دامن اور مصیبت کا یقین تو رہا ایک طرف گمان غالب ہی ہو! ایسے اللہ کے بندے مزد ہوں گے جن کی نثریں اور غلطیاں گناہوں میں پنہاں ذائقہ کے شوق کا نتیجہ بن گئی، وہ پھر سنے چھوٹے گے لیکن وہ جن کی مصیبتیں سرکشی اور استکبار کی مردوں منت رہ چکی ہیں وہ برے مجرم ہوئے نا؟

مشہور مابہد وزاہد حضرت سفیان بن عیینہ نے جو تبع تابعین میں درجہ اول کے صوفی مزاج عالم تھے (متوفی ۲۰۵ھ) فرمایا تھا۔

من کان مصیبتہ فی الشہوتہ فارجلہ التوبۃ فاذا  
كانت مصیبتہ فی کبر فاحش علی صاحبہ اللعنتہ

(جو گناہ کار خواہش نفس کے تحت مبتلا ہے مصیبت ہو اس کی منفرت کی امید رکھنا چاہیے۔ لیکن اگر کسی نے سرکشی کے جذبے سے گناہ کیا ہے تو اس کے حق میں تو طعنیت ہی کا اندیشہ رکھنا ہوگا)

ماحول کے جہاز پر اگر کوئی ایسا مسافر بھی ہے جس نے مرتد اور دائیہ کے شوق بے اعتیاد سے نہیں بلکہ انکار اور استکبار کے جذبے سے انکار کی نافرمانیاں کی ہیں اس کی دھڑکن کا کوئی دوسرا کیسے انداز کر سکتا ہے؟

ادب اگر وہ انقیاد اور رطاعت کا اظہار اپنے عمل سے کر رہا ہے تو اس کی ضمانت کیا کر یہ واقعی ندامت اور انفعالی ہے یا ناہاتمی اور بے جاہلی کا مظاہرہ؟

عام دیکھتے والے چاہے اس ضمانت کی ضرورت محسوس نہ کریں مگر خود وہ جس کا معاملہ ہے اپنے نفس کی بادیق ترین بیاریوں سے بھی ناواقف نہیں ہوتا چاہے ان کی بھیج تشخیص نہ کر سکے، یہ تو حاذق و مدہامہر معالج ہی بتا سکے گا کہ بیاریاں لا علاج ہیں یا قابلِ مداوا۔

یاد آئے کہ ایک بغدادی درویش نے ایک ہندی حاجی سے آج سے پورے دو سو برس پہلے بڑی تسلی بخش بات کہی تھی۔

مولانا حاجی رفیع الدین قادری مراد آبادی <sup>۱۲۸۰ھ</sup> میں حج کر گئے تھے انھوں نے ایک سفر نامہ بھی فارسی میں لکھا تھا جسے ہندوستان کا سب سے پہلا سفر نامہ حجاز کہاجاتاہے۔ ان کا بیان ہے۔

”مطاف میں (خانہ کعبہ کے سامنے) ایک درویش علی نام جو بیٹھا دکھ رہے والے ہیں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، مرد صالح اور عالم ہیں۔ بعد مکالمہ و حصول عادت میں نے ان سے کہا کہ تم مرد صالح ہو میرے لئے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میری مغفرت کرے اور میرا یہ سفر قبول فرمائے انھوں نے کہا، کیا تم اس شخص کو جس سے راضی نہیں ہو اپنے گھر آنے دیتے ہو؟

میں نے کہا، نہیں، انھوں نے کہا، بس اس طرح اللہ تعالیٰ انھیں لوگوں کو اپنے گھر بلا لے جن سے راضی ہوتا ہے اور بیگانوں کو اپنے گھر میں داخل ہونے نہیں دیتا انھوں نے مزید کہا، حق تعالیٰ اپنے علم قدیم کی روش سے ہمارے ایک ایک عیب کو جانتا ہے اور تم جانتے ہو کہ جب کوئی شخص کسی غلام کو اس کے کسی عیب پر مطلع ہو کر خریدتا ہے تو پھر اس عیب کی وجہ سے اس غلام پر عتاب نہیں کرتا ہم بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم

سے امیدوار ہیں کہ ہمارے ان بیسوں کو جن سے وہ ہمارے پیدا ہونے سے پہلے سے واقف ہے پوشیدہ رکھے گا اور ان کی بنا پر ہم سے مواخذہ نہ کرے گا۔

یہ تو نہیں کہ اس دل جمعی کے بعد پورا اطمینان ہو گیا ہو کھٹک رہ رہ کر ہونے لگتی تھی پھر بھی جہاں کا بڑا وقت سکون اور اطمینان ہی میں گزارا اور ایک دن جہاز پر گزرا دینے کے بعد سبھی طبیعتیں معتدل ہو چکی تھیں اور باہم مل بیٹھنے کے مواقع ہاتھ آئے گئے تھے اتفاق سے کون پور کے بھی کئی حضرات آس پاس ہی پاس مل گئے مثلاً اختیاتی حسین

صاحب، محمد شریف صاحب، قدیر الدین صاحب، رشید احمد صاحب وغیرہ۔ یہ سب حضرات تفریباً یکجا تھے اور اختیاتی صاحب نچوانی چائے خوب بناتے تھے۔ انھیں کے درجہ اول میں چائے نوشوں کی اکثریت ٹھک رہی تھی۔ اور باتیں یہی ہو کر تھیں بار بار مولانا رفیع الدین مراد آبادی سے بغدادی درویش کی کہی ہوئی بات یاد آتی اور اپنی طرح کے ساتھیوں کو یاد دلانا پڑتی تھی۔

اس دفعہ پہلی بار حاجیوں کو ایک نئی صورت حالی سے محض تا واقعیت کی بنا پر دوچار ہونا پڑا، ہوتا یہ تھا کہ عازمین حج کو بدلتی ہوئی حالت میں ایک ہزار روپے لے جانے کی اجازت تھی ان کے حج ٹوٹ دینے جاتے تھے یہ حج ٹوٹ جہاز پر بھی کام آتے تھے اور حجاز میں بھی، اس سانپہ صورت بدل گئی۔ اب ایک ہزار کے حج ٹوٹ دینے کے بجائے حجازی سکڑ دیاں کا ایک ڈرافٹ دیا گیا بیشتر حاجیوں نے پورے ایک ایک ہزار کی رقم کا ڈرافٹ بنوا لیا۔ وہ جہاز پر سوار ہوئے تو خالی ہاتھ تھے۔ اس لئے کہ بعد رقم لے جانے کی اجازت نہیں، اس نئی صورت حال کا علم ہمیں پہلی ہی میں ہو گیا پہلے ہی سے ہم ارادہ رکھتے تھے کہ اگر جہاز پر قیسرے درجے



کا کھانا پسند نہ ہوا تو درجہ اول کا کھانا مزید دام دے کر منگا لیں گے۔ مگر جب حبیب میں دام ہی نہ ہوں گے تو کیا کریں گے۔ اس سلسلے میں تھوڑی بہت جانچ پڑتال کے بعد تہہ چل گیا کہ اگر کوئی چاہے تو چالیس روپے حج ٹوٹ کی شکل میں جہاز کے خرچے کے لئے انھیں ایک ہزار روپے میں سے الگ کر لے اور باقی کا ڈرافٹ بنوائے ہم نے ایسا ہی کیا۔ فی کس دس دس روپے کے چار حج ٹوٹ لے لیے باقی نو سو ساٹھ روپے فی کس کے آٹھ سو نوے ریال کا ڈرافٹ بنوایا۔

ہمارے بہت سے ہم سفروں سے اس سلسلے میں چوک ہو گئی وہ اس مغالطے میں رہے کہ ایک ہزار روپیہ پورا ڈرافٹ بنوانے کے لئے دے کر وہ مزید چالیس روپے جہاز کے خرچ کے لئے ساتھ رکھ سکتے ہیں اور انھوں نے ہندوستان کے ٹوٹ اس حساب سے رکھ بھی لئے کہ کم میں حاجیوں سے زیادہ پوچھ گچھ جو نہیں ہوئی تو کسی کو اپنی غلطی کا احساس بھی نہیں ہوا۔

جہاز پر سگریٹ، چائے، پان اور کوئلہ ڈرنک وغیرہ کے لئے جب ان میں سے بعض نے ہمدانی روپیہ پیش کیا تو وہ غیر رائج سکہ قرار پایا۔ ہتوں کو جو چکرا رہے تھے میں مبتلا ہو کر لینڈ وغیرہ خریدنا چاہتے تھے۔ چکر پڑ چکے تھے۔

آٹھ دن کا جہاز کا سفر مفلسی میں کیسے بسر ہو گا، خیر بیاں کھانے پینے میں اگر کوئی ضبط و صبر سے کام لے تو حبیب سے کچھ دینے کا سوال نہیں پیدا ہو گا لیکن جدے میں آجریں گے کہ کم میں رکیں گے۔ نہ معلوم کتنا دقت گئے گا۔ وہاں کہاں سے خرید کر کھائیں گے۔ ڈرافٹ تو حجاج منزل میں پہنچ کر ہلکتے ہیں پائے گا۔

اگرچہ جدے میں ملی کو سامان کا کچھ نہیں دینا پڑے گا لیکن جو لوگ اپنے

سامان کو اپنی نگرانی میں اپنے الگ قلی سے اتر دانا چاہیں گے ان کو تو بہر حال ہندو دینا ہو گا۔ یہ تو بڑی مصیبت آگئی۔ — جہاز پر سرکاری طور پر تو نہیں غیر سرکاری طور پر ہمارا ہندوستانی دو پیہ آٹھ آنے میں چل سکتا تھا لیکن جدے میں تو کوئی بھی شائق ہی اسے قبول کرے۔

سگریٹ پینے والوں کو یہ بھی پریشانی کہ جہاز پر اعلیٰ درجے کی سگریٹ مثلا پانچ سو پچھن یا گولڈ ٹیک حج روپے سے آٹھ آنے میں دس مل رہی ہیں۔ حج نوٹ یا اس نہیں یہ جو مسئلہ کیسے محکمے؟

دیکھتے دیکھتے ہندوستانی روپیہ ہی آدمی قیمت پر بے تکلف چل پڑا لیکن یہ غیر قانونی بات تھی۔ مگر اضطرار کی حالت ہو تو ناجائز بھی جائز ہو جاتا ہے۔ طبیعتیں سنھلی ہوئی تھیں لیکن عالم شہرت یہ تھی کہ ابھی سقوطِ ہر (ایک جزیرہ) آنے والا ہے وہاں کے ہچکوں میں کوئی بھی سنھلا نہیں رہے گا وہ بھی جو آغاز سفر میں ادنیٰ ہندوستانی بیماری (سی سکس) میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔

اب سب کو سقوطِ ہر کا تصور سامنے لگا۔ ایک دوسرے سے پوچھتا تھا کہ یہ سخت مقام کب آنے والا ہے۔ جہاز دانوں سے بھی پوچھتے تھے وہ متناقض لوگ جواب دینا خوب جانتے تھے یعنی کسی نے حتیٰ کہ کپتان صاحب نے بھی ٹھیک ٹھیک نہیں بتایا کہ سقوطِ ہر کب آئے گا۔ غالباً اسی وجہ سے کہ پہلے سے بتا دیں گے تو بہت سے وہی قبل از مرگ دادیلا عجائبات لگیں گے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں دو ایک کی طبیعت بگڑی اور جرمی گولیاں ہونے لگیں کہ خلیہ سقوطِ ہر آگیا اور بدنام سقوطِ ہر ایسے وقت آیا اور چلا گیا جب تمام مسافر ناگیں

پیارے سو رہے تھے۔

بھئی سے بدے تک ساڑھے تیس سو میل کی مسافت ہے۔ ہمارے جہاز کی رفتار اوسطاً ۴۴ میل فی گھنٹہ تھی۔ روزانہ بارہ بجے دن کو امیرالبحر کے دفتر کے بورڈ پر یہ یہ اعلان لکھ دیا جاتا تھا کہ اب تک جہاز کتنی مسافت طے کر چکا ہے کتنی باقی ہے اور کیا رفتار ہے۔

پچھنے دن عدن کی بندرگاہ کے قریب ہمارا جہاز ٹھہرا تقریباً آٹھ گھنٹے ۱۲ بجے۔ پہرے ۱۲ بجے رات تک سمندر میں یہ پہلی بستی تھی جو ہمیں نظر آئی یعنی جس کی وہ کشتیاں نظر آئیں اور کچھ کشتیاں نظر آئیں جو سامان پہنچنے جہاز تک آئی تھیں اس وقت عدن میں متحدہ فیڈریشن دانوں اور آلودہی پسندوں کے درمیان سخت جھڑپیں ہو رہی تھیں اور وہاں مارشل لاء نافذ تھا۔ اس لئے ہمارا جہاز بندرگاہ سے بہت دور ٹھہرایا گیا۔ دیکھا کہ ساحل کے آس پاس بڑے بڑے جگلی جہاز کھڑے ہیں اور رات کے وقت سرج لائٹ دالی کشتیاں ان جگلی جہازوں کے گرد بہرے دے رہی ہیں۔

بعض مسافروں نے عدن کے ساحل پر اترنے کی خواہش ظاہر کی لیکن کپتان نے اسے خلاف مصلحت قرار دیا۔ اگرچہ اترنے کے خواہش مندوں نے قول دے دیا کہ وہ بس ایک چکر لگا کر چلے آئیں گے لیکن ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا کہ اگر کوئی مسافر خلافت سے ہی بھول گیا یا کسی شہرارت پسند کی میکسی پر گھونٹے گیا اور اس نے اس کو لوٹ لیا تو جہاز کے ذمہ دار کیا جواب دیں گے یا کب تک جہاز ان گنہ گاروں کے انتظار میں رکھا رہے گا۔

کئی مسافر کشتیاں ہمارے جہاز کے قریب آئیں جو پانچ پانچ روپے فی کس کے حساب سے ساحل مدین تک لے جانے اور واپس لانے پر آمادہ تھیں مگر شاید دو تین حاجی نظر پکا کر اتر پائے اور گھوم پھر کر واپس اسی طرح آگئے عام طور پر کسی کو جانے نہیں دیا گیا۔

عقل بھی ایسا ہی ساحل ہے جہاں تجارتی سامان پر کوئی ڈیوٹی نہیں لی جاتی اس لئے بڑا سستا سامان وہاں سے خرید جا سکتا ہے۔ دلاتی قیمتی سامان جو یہاں پہنچ پانچ سو روپے میں ملے وہ وہاں سو سو سو روپے میں بک رہا تھا، وہ بھی ہندوستانی سکے میں کچھ ایسے ضرورت تھے جنہوں نے ہندوستانی سکے ساتھ رکھ کر لئے تھے اور خوب دل کھول کر انہوں نے خریداری کی۔ یہ خریداری ایسے انہماک کے ساتھ ہو رہی تھی کہ بہت سی سنجیدہ طبیعتیں ناپسندیدگی ظاہر کرتے بغیر رہ سکیں۔

اب ۳۶۔۔۔ گھنٹے رہ گئے تھے جب طائر جہاز جدہ پہنچ جانے والا تھا۔ اب

میقات اہاں سے احرام باندھا جاتا ہے بہت قریب تھی ہندستان سے آنے والے حاجوں کی میقات طلم ہے۔ یہ راستے میں پڑتا ہے مگر حاجوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ کہتان اپنے نقشے سے اور اگر ضرورت پڑی تو دورین سے ۲ سے دیکھ لیتا ہے اور جب طلم قریب آنے لگتا ہے تو جہاز ایک سیٹی دیتا ہے۔ یعنی احرام باندھنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

لوگ صبح ہی سے تیاری کر رہے تھے، حجامت نبوانا غسل کرنا ناخن تراشوانا اور سٹے ہونے کپڑوں کو بند کر کے ایک چادر اور ایک تھمد کو تیار رکھنا وغیرہ وغیرہ

جہاز پر بار برسوں تھا لیکن تقریباً دو ہزار حاجیوں کی ضرورت کو پورا کرنا ایک حجام کے بس کی بات نہ تھی حاجیوں میں بھی بعض حجام تھے انہوں نے اپنا استرہ قہنجی نکال کر کلام شروع کر دیا، فی کس ایک ریال یا دو ہند تانی مدد ہے کا ریت ہو گیا۔ سب نے تو نہیں آدھے سے زیادہ حاجیوں نے حجامت بنوانا بھی زوالض احرام میں شمار کیا اس طرح بیٹھے بیٹھے نائیوں کو کئی کئی سو ریال اجرت میں ہاتھ لگے۔

حاجیوں کی مزاجی کیفیت یللم کے تصور کے ساتھ یکسر بدل چکی تھی اب نہ چائے نوشی کے دور چل رہے تھے نہ دل بیٹھ کر تبادلہ خیال کا دور دورہ تھا سب قرب منزل اللہ مقصد سفر کے تصور میں کھوئے کھوئے سے معلوم ہو رہے تھے۔  
اک غلش ہوتی ہے محسوس رگ جاں کے قریب  
آن پہونچے ہیں مگر منزل جاناں کے قریب

ذاتی طور پر ہم ایک زحمت میں احواس وقت زحمت ہی معلوم ہوتی تھی، پہلے اس میں امیر کج مولانا شاہد فاخری صاحب کی بڑی ذمہ داری تھی، یہ جاننے والے چند ہی تھے کہ پورا سروکار کچھ فتوے نویسی سے بھی ہے باقی جہاز کے مولانا تو ہمارے امیر کج ہی تھے لوگ احوام سے متعلق مسائل پوچھنے آتے تھے وہ سیدھے ہمارا پتہ بتا دیتے تھے۔ لیجئے ہم دارالافتا، کھولے وہاں بھی نظر آنے لگے، غیرت گزری انہی ضرورت کے لئے بعض کتا ہیں ساتھ تھیں ایسے ایسے پیچیدہ معاملے سامنے آ رہے تھے کہ کئی بار ساتھ نہ ہوتیں تو کیا کچھ زحمت ہوتی،

سب سے زیادہ استفسارات حج بدل کرنے والوں کے احوام کے سلسلہ میں

ہوتے تھے۔ وہ افراد کا احرام باندھیں یا قرآن کا یا تمتع کا — اور دو میں مسائل حج کی بہت سی کتابیں حاجیوں کے ساتھ تھیں اور ان ہی سے پڑھ پڑھکاؤ کس کس باہم اختلاف پا کر انہیں فیصلہ حاصل کرنا پڑتا تھا۔

یہ حج بدل کا معاملہ جس قدر زبرد و شور سے چل رہا ہے اتنی ہی ناواقفیت یا اتنا ہی زیادہ تاہل اس سلسلے میں کدو نظر آتا ہے۔ متطیع حضرات حج بدل کے لئے کسی دوسرے کو منتخب تو کر لیتے ہیں مگر جن الفاظ میں حج بدل کرنے کا حکم دینا چاہیے ان سے سراسر بے وقوفی برتنے میں۔ آخر کی بے وقوفی کا خیال نہ مانو کہ بھگتنا پڑتا ہے اگر انہی طرف سے حج کرانے والا جس کو بھیج رہا ہے اس کو اجازت دیدے کہ تم حرمِ منی حج کرنا تو امور پر اقسام حج کے انتخاب میں کوئی پابندی نہ رہے لیکن ایسا نہیں ہونا اور اچھی خاصی الجھن کا سامنا حاجیوں کو کرنا پڑ جاتا ہے۔

---

## جہد میں

صرف ایک تہیندا اور ایک جادہ میں ملوس اور پرہیزگار ہونے کا وقت آگیا  
شیر و انیاں، سوٹ اور کوٹ زرین کی بش خمر میں اور چلوں پانچلے غرض تمام  
الباس فاخرہ چشم زدن میں غائب ہو گئے۔ ہر جوان و ہر غلاموں کی مدد کی یہاں  
کئے ملک کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے مستعد ہونے لگا۔

اب تک لباسوں کے ذریعے کشمیر، اسی، کھنوی، دہلوی، ہنگالی، افغانی اور  
دوسرے مختلف باشندوں کو باہرانی پہچانا جاسکتا تھا، اچانک یہ تمام امتیازات  
اور اعتبارات منقود ہو گئے امیر غریب چھوٹے بڑے، مالک اور خادم سب ایک رنگ  
میں اور ایک حال میں نظر آنے لگے۔

سب ایک رنگ میں ہیں یکدے کے خود دو کلاں

یاں تفاوت پیر و جواں نہیں ہوتا

ہماز نے تین بجے دن کے قریب سیٹی دی کہ ہر دم پوش ہونے کی جگہ آگئی۔

یعنی ہمارا ہندوستانیوں کی میقات۔ ظلم — کے محازات سے گزرنے جا رہا ہے

اور تقریباً ایک گھنٹے تک یہ محاذات رہے گی۔ بس اس اثنا میں اپنے تمام مصروفی  
استیازات کو خیر باد کہو اپنے تمام خیالات و رجحانات سے دامن چھاؤ کر صرف  
ایک تصور میں محو ہونے کی کوشش کرو اتنی دور دراز کی مسافت طے کرنے کے بدلے  
ہو تو جن مقصد کے لئے یہ مشقت سفر برداشت کی ہے اس کا حق ادا کرنے کے لئے تیار  
ہو جاؤ۔ ہر ایک بس یہی آمرانہ لگے رہے کہ جس دربار میں جا رہے ہیں وہاں باریب  
ہو جائے کسی کو یہ سوچنے سمجھنے کا حق نہیں کہ وہ اس دربار میں دوسرے سے زیادہ مشغول  
اور معزز ہے کسی کو نہیں معلوم کہ نظر عنایت کس پر زیادہ ہے کس پر کم۔ یہاں بظاہر  
سب برابر ہیں کسی ظاہری اعتبار سے کسی کو کسی پر فوقیت نصیب نہیں

یہ خانہ ہے بزم جسم نہیں ہے

یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے

کم از کم اپنے بارے میں تو شاید ہی یہ سوچنے کا کسی نے دہم کیا ہو کہ یہ کون فلاں  
وجہ سے فلاں فلاں نے پرفیصلت حاصل ہے۔

مردوں نے جن میں بڑے جوان اور ذی ہوش بچے سب ہی شامل تھے احرام  
پہن لیا۔ عورتوں نے بھی احرام باندھا لیکن ان کا احرام لباس کی تبدیلی سے نہیں  
بلکہ اس حن منن سے پائے نگہیں کو پھینچا کہ اس راہ کے جتنے مسافر ہیں ان میں سے کسی کو  
اس کا دقت اور متوہ نہیں کہ دوسروں خاص کر نامحوروں کی طرف دیکھنے میں اپنے  
قیمتی لمحات گنوائیں تو اب چہرہ کس سے چھپا یا جائے اور کیوں نہ مجروح انحرار کے  
نمایاں اثرات سے متاثر چہرے کے ساتھ کھلے بندوں انک دنگار کے سامنے حاضر  
ہو اچالے؟ جن سے پردہ تھادہ تو خود اپنے احساسات کے دبیز پردوں میں چھپ



سے گئے ہوں گے، اور ہر چہرے کھلے ہیں وہ وہ چہرے کہاں ہیں جن کو دیکھنے کی  
ہوس نفس کو ہوتی ہے یہ چہرے جو اس وقت بے نقاب ہیں جذبہ تقاضا میں و تقطیع  
کی نورانی کیفیت میں محو ہیں سہ

دکھانے پر بھی بے پردہ نہ اسے پردہ نہیں ہوتی  
کلافی کی تجلی پھیل کر خود آسنیں ہوتی!

وہ ہی یاد باری لباس پہن سب نے لیا اپنے عمل سے اظہار سب نے کر دیا  
کہ اب وہ محض ایک اپنی قدامت اور جا کر ہے۔ لیکن کیا اس ظاہر سے باطن بھی پوری  
طرح مطابق ہو گیا ہے اس کا بے شک بہتوں کا باطن اس ظاہر سے بھی بہت بہتر  
ہو گا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعضوں کا ظاہر اور باطن بالکل مساوی ہو لیکن وہ خیر کا باطن  
اس درجے سے کم تر ہے جو درجہ اس نے اپنے ظاہر سے ظاہر کیا ہے اس کی اس ظاہر  
کو بھی کیس پناہ مل پائے گی؟

مشہور تابعی سفیان بن عیینہ کا ایک قول علامہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے۔

اذا وافقت السريرة العلانية فذلك العدل واذا كانت

السريرة افضل من العلانية فذلك الفضل واذا كانت العلانية

افضل من السريرة فذلك الجور۔

ظاہر باطن ایک ہو تو یہ انصاف کی بات ہوگی ظاہر سے باطن بہتر ہو تو یہ

فضیلت اور برتری ہے لیکن اگر ظاہر تو اچھا ہو اور باطن اتنا اچھا نہ ہو تو یہ ظلم  
بے انصافی اور زیادتی ہے)

تو کسی ظلم کرنے والے بے انصافی اور زیادتی کے ایک مرکب کے لئے کہاں

ٹھکا ہے؟ کہیں نہیں! یہ

کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی؟

عرسے جو مہائے سیاہ کو ترے عفو بندہ نواز ہیں؟

اسی بندہ نوازی کا مضبوط رستی کو تھا ہے جہاز کے بہت سے مسافر ہر لمحہ قریب

ہونے والی منزل سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ پھر بھی قدم قدم پر ڈنگا جلتے تھے

مضبوط رستی سے وابستگی کے باوجود احساس قرب منزل کے رعب میں ہے

گرا پڑتا ہوں کیوں ہر ہر قدم پر

الہی! آگئی کیا پاس منزل!!

نیچے ہر اپریل کی صبح ہو گئی اور سود منزل نظر آنے لگا۔ جدے کا ساحل

اب ہماری نظروں سے بھی قریب ہونے لگا جو ابھی تک تصورات ہی سے قریب تھا

قرب ساحل کی ابتدائی علامت بحری جہازوں کی خاصی تعداد میں آندرفت نہیں آجیے

کا ساحل بڑا نہیں ہے۔ ایک وقت میں ایک یا زیادہ سے زیادہ دو جہاز وہاں ٹکراؤ

ہو سکتے ہیں اور ہمارا جہاز جس وقت وہاں پہنچ رہا تھا اس وقت صرف پانچ روز ج

میں باقی تھے اس لئے ہر جہاز طرف سے جہازوں کی آمد جاری تھی اور ہر جہاز کو ایک

مقررہ میعاد کے اندر تین یا چار گھنٹے کے اندر اپنے مسافر ساس پاتا کر

ساحل سے دودھ میچ سمندر میں جا کر لنگر انداز ہونا تھا، ہمارا جہاز ایں ایں منظر ہی

ہندستانی حاجیوں کا آخری بحری جہاز تھا جو جدہ پہنچ رہا تھا، ہم سے چار روز قبل ہی

سے روانہ ہونے والا "ایس ایس اسلامی" چھ سات گھنٹے قبل جدے پہنچا تھا اور

اپنے سازش کو اتار کر بیچ سمندر میں لنگر انداز تھا، انڈونیشیا، پاکستان اور بعض دوسرے ملکوں کے جہاز بھی بیچ سمندر میں قیام پذیر تھے۔

ابھی ساحل ہم سے دور تھا مگر آثار ساحل نظر آنے لگے تھے کہ ہمارے جہاز کی رفتار درست ہونے لگی اور ایک لمحے کے لئے تو قریب قریب رک گئی، ابھکا کہ دور سے ایک دفاعی کشتی تیز سے جہاز کی طرف آ رہی ہے جس پر سعودی حکومت کا پرچم لہرا رہا تھا۔ کشتی قریب آئی اور جہاز سے لگی ہوئی ایک رسی کی سیرمیں کی حد سے ایک طرف تیزی اور بے باکی سے ہمارے جہاز پر چڑھ آیا عربی لباس میں جس کی پیشوائی حاجیل نے الشہداء علیکم سے کی۔

عرب سوار (ہمارے بچہ) پائلٹ تھا، جہاز رانی کا یہ مفرد دستور ہے کہ جب کسی ساحل کے قریب کوئی جہاز آتا ہے تو کپتان جہاز رانی کے فرائض سے یکدم دست بردار کر پائلٹ کو جہاز کی باگ ڈور سپرد کر دیتا ہے، جو ساحل کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ جہیز جو کہ ساحلوں کے قریب سمندر کی تہ یکساں نہیں ہوتی، کیس بہت اذیت دہلی ہوتی ہے کیس سمندر کے اندر خشکی کے توبہ ہوتے ہیں کیس کوئی اور وجہ احتیاط ہوتی ہے کپتان سمندر کا ان تقاضی کیفیتوں سے آگاہ نہیں ہوتا جتنا وہیں کا رہنے والا پائلٹ اس کو پائلٹ زیادہ بہتر طریقے سے جہاز کو ساحل کے قریب لاسکتا ہے۔

یہی معاملہ بمبئی سے جہاز کی روانگی کے وقت پیش آیا تھا کہ ہمارے جہاز کو ہمارے ہی ایک پائلٹ نے ساحل سے سمندر تک پہنچایا تھا اور بیچ سمندر میں پہنچا کر وہ جہاز سے اتر کر اپنی کشتی پر سوار ہو دوپس چلا گیا تھا۔

صبح چہرہ رنج کے درمیان جہاز جوہر کے ساحل پر لنگر انداز ہو گیا، اب اترنے کی

تیار ہوں گے اور بلا مبالغہ نفسی نفسی کا عالم ان سازوں میں نظر آئے گا جن سے توقع ہونا چاہیے نفسی کردہ اشارے کام میں آئیں گے۔ دو مختصر سے راستے جہاز سے ساحل پر اترنے کے تھے اور ہزار سازوں میں سے ہر ایک سب سے پہلے اترنے میں غیر معمولی دلچسپی لے رہا تھا اگرچہ سب بخوبی جانتے تھے کہ جب تک ایک ایک ساز جہاز سے اترنے کا جہاز ساحل سے کھینکنے والا نہیں اور نہ یہ ممکن تھا کہ کوئی پہلے اتر جائے میں کامیاب ہو کر آگے کے مراحل میں بھی اول سہمے، سب کو ایک ساتھ حجاج منزل میں جمع ہونا ہے۔ وہاں پاسپورٹ وغیرہ کے اندھا جات کرنا ہیں ڈرافٹ بھجوانا ہیں عظم کی فیس جلد سے سکے منظر تک جانے کے لئے بس کا کرایہ اور دوسرے ٹیکس ادا کرنا ہیں۔ یہ سب مرحلے کافی وقت لیں گے پھر دھکم پیل کر کے جلدی اترنے سے حاصل شاید جلدی کی وجہ یہ ہو کہ آٹھ روز تک جہاز پر وہ کرزمین پر قدم رکھنے کے لئے ترس گئے تھے سب۔

بہر حال ایک ہی گھنٹے کے اندر دھندلے ماز جہاز سے اتر کر ساحل پر آچکے تھے جہاں سرکاری بسیں منتظر کھڑی تھیں اور حاجیوں کو کسٹم ہاؤس پر بخاری تھیں، کسٹم ہاؤس بس کے ذریعہ سات آٹھ منٹ کی مسافت پر واقع تھا، کوئی ساز اپنے طور پر ساحل سے روانہ ہو کر کہیں جا نہیں سکتا تھا۔

یہاں سامان کا معاملہ عجیب رہتا ہے۔ ہر ساز سامان جہاز پر بھجودے گا پاسپورٹ ڈرافٹ وغیرہ اور صرف اتنا سامان جو وہ ہاتھ میں لے سکے کہ اتر آتا ہو ساحل کے قریب جہاز سے سامان اتار دیتے ہیں خود نہیں، سامان کے بڑے بڑے بنڈل جہاز کے اندر دیاں باندھ کر تیار کرتے ہیں اور آلہ، جو تفصیل آئیں،

کے ذریعہ جہاز سے اٹھا کر ساحل پر پہنکوا دیتے ہیں۔ یہ صحیح معنوں میں سامان کی اٹھانچ  
ہوتی ہے، وہ بڑا خوش قسمت ہوتا ہے جس کا سامان اس اٹھانچ میں محفوظ رہ جائے۔

ساحل پر ڈال دیئے جانے کے بعد سارا سامان ٹرکوں میں بھر کر کسٹم ہاؤس لایا جاتا ہے  
اور چشمزدن میں وہاں سامان کا ایک ذخیرہ لگ جاتا ہے اب بہت ہو تو اسے دوسرا تیار  
میں ڈھونڈ نکالے!

سامان کا یہ حشر جہاز سے ہوتا ہے۔ اس کی سن گئی ہیں پہلے ہی مل گئی تھی، ہمارے  
ایک رفیق حادث صاحب خیر آبادی عرف طامیاء جو دوسری بار ۲ سال بعد حج کو  
جائے تھے۔ نئے مسافروں کو اپنے سابقہ تجربے بتانے میں بڑی فیاضی سے کام لے  
رہے تھے۔ انہوں نے ایک طرح سے آگاہی دے دی تھی اور بتایا تھا کہ اگر اپنا قلعہ  
الگ کر لیا جائے تو وہ بحفاظت سامان پہنچانے کا ذمہ دار ہو جائے گا۔ اس کو رحمت  
الگ دینا ہوتی ہے، الگ قلعہ نہ کریں تو خود سعودی حکومت اپنے انتظام میں سارا سامان  
اترنا کر ٹرکوں میں بھر دے گا کسٹم ہاؤس پہنچا دے گی۔ یہ تو کارنامی کی جاسکتی ہے کہ  
حاجوں کا سامان جہاز سے اترنے میں کھو جائے گا نہیں، لیکن یہ کارنامی کوئی نہیں کر سکتا  
کہ ڈٹے پھوٹے کا بھی نہیں ہمارے ساتھ تھے جن میں نے جہاز سے اترنے سے قبل  
ہی ایک قلعہ کو آباد کر لیا کہ وہ ہمارے قافلے کا سارا سامان حفاظت سے اتار دے گا کسٹم  
ہاؤس میں بحفاظت ہمارے پاس پہنچا دے گا۔ قلعہ نے ہامی بھری اور خاطر خواہ  
اجرت دی گئی یعنی ۱۰ روپائی (یا قیس ہندستانی روپے) سامان کی تعداد چھوٹا بڑا کا کرنا  
۱۱۔ اتنی بکس، بستر اور ناشتے کے جھانچے۔ پھر تین میاں کے اس انتظام کا پتہ اس وقت  
چلا جب کسٹم ہاؤس میں اس جگہ جہاز ہم لوگ بیٹھے تھے۔ پھر سارا سامان آگیا۔

چند سال پہلے ماحل جہد تک پہنچا، ایک بڑا مرحلہ ہوا کرتا تھا، ماحل سے جہاز اٹھانے لگا، ہوتا، کشتیاں اور موٹر کشتیاں ماحل سے جہاز تک آتی تھیں اور سافروں کو سوار کر کے خشکی تک پہنچاتی تھیں۔ اس مرحلے میں گرنے پڑنے کے بڑے خطرے رہا کرتے تھے اور سامان بھی غرقاب ہو جایا کرتا تھا۔ اس وقت تک جہدے کا ماحل اس قدر ترقی پایا نہ تھا، اب جہاز بالکل خشکی سے مل کر کھڑے ہوتے ہیں اور سافروں کے قدم جہاز سے اٹھ کر زمین ہی پر پڑتے ہیں سامان بھی سیدھا جہاز سے خشکی پر لڑا لہا جاتا ہے۔ دوتا تو نہیں ٹوٹتا پھوٹتا ہے تو اس کو کوئی کیا کرے۔

سامان جہاز پر چھوڑ دیا، اترے، آرام وہ بول پر بیٹھے اور کسٹم ہاؤس تک چند منٹ میں پہنچا دیئے گئے۔

پچیس پچیس تیس تیس کی کھپیپ پہنچ کر کسٹم ہاؤس میں فوراً قطار بنا لیتی ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دم سب کسٹم انفر کے سرور پہنچ جائیں قطار بنا تا تو اب معاشرت حاضرہ کا ایک معمول بن چکا ہے۔ اور کادولے ناکادولے پہلے آنے والے کا کام پہلے کا فرسودہ نظریہ نہیں زندگی کا جو دولا نیفلک ہو گیا ہے جس کو توڑنے کی کوشش کرنے والا خود ہی اپنا نقصان کرتا ہے۔

ہم جب کسٹم ہاؤس میں بس سے اترے اور قطار میں گئے تو کم دیش چھپرہ کوادی عودتین مرد، بچے، جوان، بوڑھے، ہمارے آگے قطار میں بیٹھے۔

آپ کیس گئے کہ اتنی لمبی قطار کے لئے کتنی بڑی جگہ درکار ہوگی۔ اور کسٹم ہاؤس کتنا وسیع ہوگا؟ وہ وسیع تو کافی ہے مگر قطاریں ایک خط متقیم میں نہیں تھیں ایک جھوڑے کے اندر جھولیں ہیں پہنچ کر مرنے والی قطاریں تھیں۔ ایسا ہوتا تھا کہ

ایک آدمی سے قطار میں جب تک وہ سیدھی ہے ہمارا فاصلہ مثلاً پچاس قدم کا تھا۔ جب قطار مڑی اور اس نے خط مستقیم کے بجائے مڑنے کے دو ضلعوں کی شکل اختیار کی تو جس سے پچاس قدم کا فاصلہ تھا اس سے دیکھنے میں صرف بیس قدم رہ گیا۔ مگر یہ بیس قدم طے کر کے کوئی منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی اجازت تقضین قطار نہیں دیتے۔ اسے پچاس قدم طے کر کے ہی اس جگہ آنا ہے جہاں پچاس قدم طے کر کے پہنچنے والا پہنچا ہے۔

نہن کے سالبان کے پیچھے ہم جو نیوٹن کی چال سے رنگ رہے تھے اُن پر اس کے پیچھے کی پانچ تا دس ہزار سے یہاں اسی نہیں ہوتی کہ سالبان کے پیچھے گری گئے۔ لیکن ریگستان کا موسم اور یہی کچھ ہوتا ہے، سالبان میں چھت کے ٹکڑے بڑی تعداد میں ہوا پھینک رہے تھے مگر قبض بہت سخت محسوس ہو رہی تھی اور رنگنا بہت کھل رہا تھا۔ خدا خدا کر کے ہم اُس جگہ پہنچ گئے جہاں تین چار تنگ راستے (س بڑے حلقے میں داخل ہونے کے بنے ہوئے تھے جہاں ہمارا سالان پہنچنے والا تھا۔ اور اس کی جانچ ہونے والی تھی۔

تنگ راستوں پر پولیس اور پاسپورٹ کا عملہ اپنی صوفیائے کھڑا تھا۔ پہنچنے پر پاسپورٹ دیکھ کر ایک نظر میں دیکھیں گے۔ ہمیں لگائیں گے اور معلم کا نام پوچھیں گے۔ یہ سب ایک منٹ میں ہو جائے گا، ہم سے معلم کا نام پوچھا گیا۔ اچھا مولانا عبدالہادی سکندز کے الفاظ ہمارے منہ سے نکلے ہی تھے کہ راستے کے اختتام پر کھڑے ہوئے لوگوں میں سے ایک نے بڑھ کر ہمارے پاسپورٹ کو دیکھا۔

دیکھا تو وہ شخص قطعاً ہمارے معلم عبدالہادی سکندز نہ تھا۔ سالان سے ہاتھ اٹھا

ہی چکے تھے لیجے پاسپورٹ سے بھی ہاتھ دھوئے! تھرماں اور ساڑے پانی کی بوتل  
 شانے سے کھک رہی تھی اسی کو بغل میں دبا کر تنگ راستہ پار کر کے کسٹم ہاؤس کے  
 بڑے احاطے میں داخل ہوئے۔ یہاں میدان بڑا وسیع تھا، ادھر بڑا سا بیان نیچے پختہ  
 زمین، اور دو ایک بڑے بڑے چوترے بھی، ہم سے پہلے پہنچ جانے والے اس  
 وسیع اور پختہ زمین پر چاروں طرف بڑی بے تکلفی سے بیٹھے تھے۔

ہم نے بھی بیٹھنے کی جگہ، اپنے خیال میں ایک کونے میں ڈھونڈ ڈھال کر حتم زد  
 میں وہ سچ منہ دار میں نظر آنے لگی،

اس وقت دھیر دھیر چکی تھی، کھانے پینے کی فکر بھی تھی مسلمان کی بھی، اور یہ  
 بھی فکر کہ دیکھیں یہاں کسٹم کیسے ہوگا۔

جوسے کا ساحل بھی تقویٰ آزاں ساحل ہے یہاں کسی قسم کے سامان لانے کی  
 ممانعت نہیں ہے صرف نشہ اور راشیا، کوئی نہیں لاسکتا، ملکی غیر ملکی جو سامان لائے  
 لاسکتا ہے کوئی ڈیوٹی نہیں لی جاتی!

ابھی تو صرف حاجی آئے تھے جو گھوم پھر رہے تھے سامان آیا کہاں تھا کہ اسکی  
 جانچ پڑتال ہوتی۔

ہماری دیاست ان پڑش کے حج و یغیر آفیسر شیخ محمود الحسن (دیپٹارٹمنٹ) شل  
 محسوس ہوئے، جہاں ایک چھینے قبل یہاں پہنچ چکے تھے اپنے چاقوں کی دیکھ بھال کے لئے  
 کسٹم ہاؤس میں آئے، یوں کسٹم ہاؤس کے اندر باہر کا کوئی آدمی نہیں آ سکتا، شیخ صاحب  
 کے بیٹے پر ایک ہیچ گلا ہوا تھا جو داخلے کا اجازت نامہ تھا، ان کے بیٹے بھائی شیخ  
 ظہور الحسن چارے ہی ساتھ جلاز سے آئے تھے۔ دونوں بھائیوں میں ملاقات ہوئی



وہیں محمود صاحب نے یہ افمنس ناک خبر سنائی کہ جماعت تبلیغ کے سربراہ مولانا محمد یوسف صاحب کا لاہور میں اچانک انتقال ہو گیا، مولانا یوسف صاحب عوم کی دینی خدمات اور اس سلسلے میں ان کی ان تھک کوششوں سے وہ لوگ بھی متاثر رہے ہیں جو ان کی جماعت سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتے ہم سب کو اس سانحے کی اطلاع سے ایک دھچکا لگا۔ اس کے بعد محمود صاحب نے حرم میں غیر معمولی ازدحام کی خبر سنائی کہ طواف کرنا آسان نہیں رہا ہے اور دوسری تکلیف دہ اطلاع یہ دی کہ حرم میں دوران طواف میں حاجیوں کی جبین کٹ رہی ہیں۔

اور کوئی یہ اطلاع دیتا تو ہمیں ایک لمحے کے لئے بھی یقین نہ آتا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں یقین کیا، ایک طرح سے تصدیق ہمیں کوننا پڑی۔

اس آفت میں حاجیوں کا سامنا ناشرع ہو گیا اور ایک جگہ لگے ہوئے ڈھیر سے حاجی اپنا اپنا سامان نکال کر کسٹ کے لئے باتا بندی سے رکھ رہے تھے۔ مین میاں نے جواگ انتظام کر لیا تھا اس کا بڑا فائدہ اب سامنے آیا جب ہمارا سامان انھیں تیلیوں نے ٹھیک اسی جگہ لاکر رکھ دیا جہاں ہم لوگ بیٹھے تھے نہ ڈھونڈنے کی زحمت ہوئی اور نہ ڈھونڈھ نکال کر ڈھونڈنے کی۔

ایک نوجوان ہمارے ساتھ جواز پر تھا، تعلیم یافتہ اور انگریزی لباس پہننے والا، جو اکثر کوئی کتاب پڑھتا جواز پر نظر آتا تھا خیال ہوا کہ جواز کا کوئی لازم ہوگا فرصت کے وقت کمبین کلاسوں کے برآمدے میں بیٹھ کر کتاب دیکھتا ہے۔ جو پہنے پر معلوم ہوا کہ وہ حج کرنے جا رہا ہے اور ہماری ہی ریاست کا رہنے والا ہے۔ بہت ایجنڈیٹ نظر آتا تھا اس کے سفر حج سے ایک گونہ خوشی بھی محسوس ہوتی تھی

میں انہماک بھی بندیدہ فعل تھا سامان اس کے پاس جو انی جہاز کے مسافروں سے بھی کم صرف ایک سوٹ کس لیکن خدا جانے کیا تھا کہ کسٹم آفیسر نے اس کا پر اسٹیکس زمین میں پلٹو کر اس کی ایک ایک چیز خوب غور و خوض سے دیکھی دو اڈوں کی نشیاں خاص طور پر جانچیں یہیں ذرا برا بھی لگا کہ جس نوجوان کی اس مبارک سفوہ و حوصلہ افزائی کرنا چاہیے تھی اس کی اس طرح بے عزتی ہو رہی ہے بعد میں یعنی دہلیسی پر جہاز کے علی سے معلوم ہوا کہ (اسی جہاز سے وہ ہم لوگوں کے ساتھ گیا تھا کہ وہ نشے کا عادی تھا اور ہر وقت گھنٹا تا دس پڑھا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ احرام پوش ہونے کے بعد بھی نادل بینی سے باز نہیں رہا۔

اگرچہ حاجیوں کے جہاز پر شراب کا دورہ و رتذکرہ نہیں ہوتا لیکن چنانچہ کے نچلے علی کے غیر مسلم ملازمین خلاصی و غیرہ کے ذریعہ ایسی ضرورت پوری کر لی جاتی ہے اس نوجوان نے یہی راہ پائی تھی۔ اندازہ ہوا کہ کسٹم آفیسر نے اس کی دو اڈوں کا جانچ غیر معمولی طور پر کیوں کی تھی کیسے سمجھ دار اور تاملینے والے ہوتے ہیں یہ کسٹم آفیسر اس کا کوہرا اند اس کی جی بھر کے تلاشی لی۔

اے سامان کے پاس کسٹم آفیسر کے انتظار میں کھڑے تھے کہ نظر پڑی ہاں مسافر مقیم جہدہ مشرحت کامل قدوائی (جنہیں ہم مدبھائی کہتے ہیں) ہندستان کے قومی لباس شیردانی جوڑی دار پانجامہ اور ٹوپی پہنے حاجیوں کے درمیان سے ٹپکتے ہوئے ہماری طرف آ رہے ہیں۔

اے فوجی کسی ہجوم دیرینہ کاٹنا  
بہتر ہے لاقات مسیحا و خضر سے

انہوں نے غیر سلا بلے چھنے کے بعد کہا کہ میں ابھی جا کر موٹر واپس بھیجتا ہوں  
تم لوگ کسم ہو جانے کے بعد ہمارے یہاں چلے آنا۔

اتنے میں کسم آفسر بھی جا پہنچے عقاب باندھے مگر ٹپتیا ہمارے سامان  
کی طرف آگیا۔ کیا دیکھا کیا نہیں دیکھا اندک یاد رکھنا چاہتا تھا یہ سب اسی کو  
علوم ہو گا شاید دس بارہ منٹ گئے ہوں گے کہ ہماری گلو خلاصی ہو گئی ادم ہم  
لوگ سامان وہیں چھوڑ کر باہر آ گئے سامان ہمارے ساتھ نہیں جا سکتا تھا۔  
سب حاجیوں کا سامان پھر اسی طرح ٹرکوں میں لا کر حجاج منزل (حاجیوں کی  
قیام گاہ) کے سامنے سڑک پر ڈلوایا جائے گا جہاں سے آپ خود اپنا سامان  
مکالے لے گا۔

ہم لوگ دوبہائی کے گھر پہنچے منہ ہاتھ دھویا کھانا کھایا۔ یہاں ہمارے  
ایک محترم میاں سید محمد یوسف ہمارے جیری لے مان کے ساتھ فوراً ہی سامان  
تلاش کرنے حجاج منزل آئے۔

اب ان صاحب کی بھی تلاش ہوئی جنہوں نے کسم ہاؤس میں ہم لوگوں کے  
پاپورٹس لے لئے تھے۔ وہ معلم تو نہ تھے معلم کے دکیل تھے۔ مولانا عبدالمادی سکندر  
یا کسی دوسرے معلم کے جتنے حاجی آئے ان کے دکیوں نے ان کے پاپورٹس لے  
لئے تھے حجاج منزل میں سعودی حکومت کا دفتر ہے جہاں پاپورٹس کے اندراجات  
ہوتے ہیں دکیوں نے اندراجات کر لئے ہم نے اپنے ڈنٹ دیں بیٹوں لے  
سامان اکٹھا کیا یعنی سڑک کے کنارے یکجا کر دیا۔

یہاں جدے میں ہمارے بعض اعزاء رہتے ہیں۔ حکیم داہن الحق صاحب محرم

ترنگی محل کے نور سے مصطفیٰ علی تدوائی مظفر علی قدوائی، مجتبیٰ علی قدوائی اور ناصر علی قدوائی ان کا گھر حجاج منزل سے بہت قریب تھا پہلے ہوئے وہاں بھی گئے۔

ایک رات قبل آنے والے اسلامی جہان کے حاجیوں کے پاسپورٹوں کا اندراج ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ باری باری اور بعد میں آنے والی تھی لیکن ہمارے معلم کے ایک صاحبزادے عبدلوی کی کوشش اور ہمارے سفارتخانے کے ایک سکرٹری مسٹر راج اختر کی توجہ سے ان کے رات تک ہمارے پاسپورٹ اندراجات کے بعد میں اپس مل گئے اور معلم کی فیس اور بعد سے کہ مظہر تک سرکاری بس پر جانے کا ذریعہ داخل کر کے ہم نے تنازعہ لے لیا۔

تنازعہ کا مطلب یہ کہ ہم سرکاری مطالبات ادا کرنے کے بعد بھی سرکاری گاڑیوں سے جانا نہیں چاہتے۔ اجازت دیجئے کہ ہم اپنی گاڑی الگ کر کے چلے جائیں۔ یہ اجازت نامہ بھی مل گیا۔ وہیں پانچ آدمیوں کی ایک ٹکسی چالیس بال میں کہ مظہر کے لئے کی سب سامان اس میں لگایا اور آرام سے بیٹھ کر ہم لوگ کہ مظہر کے لئے روانہ ہو گئے۔

ہمارے پاسپورٹ اور اجازت نامے ہمارے ڈرائیور کے پاس رہے وہ ہر ہرجائی پر اصرار نہ کر پھر سنا لگواتا رہا۔

اپنی گزشتہ حساب سے ہم لوگ رات کے اچھے کہ مظہر میں داخل ہوئے سامان دوبرہ دہا میں رکھوا کر عمرہ کرنے اپنے معلم کے ایک مددگار کے ساتھ حرم محرم کی طرف چلے گئے ابھی تک ایسا کوئی توی احساس ہم میں سے کسی کو نہیں ہو پایا کہ ہم اپنی خوش قسمتی سے کہاں سے کہاں آئے گئے۔

میں اور خطیہ دحل بہ خدا ساز بات ہے  
جاں نذر دینی بھولی گیا اضطراب میں

# حرم کعبہ میں

سرزمینِ حجاز میں پہلی منزل بعدہ تھی اور دوسری منزل کہ منظرِ جد سے کہانے میں ہم جانتے تھے کہ اسلام اور آغازِ اسلام کی تاریخ جسے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں رہا ہے یہ بھی ثابت نہیں کہ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مبارک قدموں سے جد سے کی زمین کبھی مشرف ہوئی ہے۔ اس لئے جد سے پہنچ کر بھی کسی خاص قسم کا جذبہ باقی نہ ہو سکتا۔ اس نے محسوس نہیں کیا۔ اس کے برعکس یہاں کی عالی شان اور سرِ بفلک علماء توں کو دیکھ کر یہ اُمید کرنا بھی مشکل تھا کہ یہ وہی سرزمینِ حجاز ہے جو تصورات کی دنیا میں بسی تھی یا مغرب کے تمدن ترین ملکوں کا کوئی خطہ۔

اگلی منزل کے لئے جب جد سے روانہ ہوئے تو تصورات اور خیالات کا ایک بحجم ساتھ ساتھ تھا۔ کہ منظرِ پیغمبرِ اسلام کا مولد و منشا پیغامِ خداوندی کا مہبطِ اولین تبلیغِ اسلام کا نقطہ آغاز اور جاہلیت کی تاریکی میں مینارِ حق و عرفانِ اسلام کے مانتے والے کی حیثیت سے شدید قسم کا جذباتی آواز چڑھاؤ اور تاریک اسلام کے طالبِ علم کی حیثیت سے ان مقامات کو جاننے اور دیکھنے کا شوق بے پایاں جن کا ذکر تاریخِ اسلام میں بار بار ہوتا ہے۔

حاوی سا ہو گیا تھا۔

اپنی گفندی کے حساب سے ہر پیل کی بات کو منجے ہماری ٹیکسی جگہ سے مکہ منظر کی  
کی طرف رواں دواں ہوئی تھی۔ ہم تہ بند اور توڑے میں بیوس فریادی یا قصور داد کی طرح "ٹانک!  
تیرے دربار میں غلام حاضر ہے لبیک اللہ لبیک" کہتے بڑھتے چلے جا رہے تھے اور  
جگہ سے کے تک تقریباً ۴۴ میل لمبی سڑک کی دوروئے بجلی کی روشنی نے ایسا چند عیا  
رکھا تھا کہ سوائے اس سڑک کے، اور ایسی سڑکیں ہزاروں بار دیکھی ہیں — اور کئی  
چیز بھی دائیں بائیں نظر نہیں آ رہی تھیں، وہ اہم تاریخی مقام جہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ  
علیہ وسلم نے قریش مکہ سے دس سال کے لئے ناجنگ معاہدہ کیا تھا اور یہ معاہدہ اسلام  
کی تاریخ ترقی کا ایک اہم باب ہے۔ جگہ اور کے کی راہ میں کے کے قریب پڑا تھا  
ہماری غیرہنگامی اس پر بھی نگاہ ڈالنے سے بھی قاصر رہی۔ اب تو اس تاریخی مقام  
نذر یہ "کانام تک بدل چکا ہے!

راستہ کے گھرے نلٹے کے سکوت کو صرف موڑوں کی صدائیں تو رتی نظر آ رہی تھیں  
یا کبھی کبھی خود اپنی یہ صدا "ٹانک! تیرے دربار میں غلام حاضر ہے سے  
آج ہیں خاموش وہ دشت جنوں پر درجہاں  
رتھیں میں بلنی رہی بلنی کے دیوانے رہے  
ہمت اگر ساتھ دینی تو اس دشت جنوں پر وہ کے ذروں کو سر نہ چشم پانے کے  
لے موڑ چھوڑ کر پا پیادہ چلے ہیں لیکن سے

غم آلود کا حسرت برب اور کیا بناؤں  
مری ہمتوں کی پستی سے شوق کی بلند ی

رنگین قی مرز میں کہتے ہیں مرز میں مجاز کو ا جہاں سب سے مناسب (اور مہربان) ادنیٰ کی ہوتی ہے لیکن ہم جس راہ سے گزر رہے تھے وہ ایسی صاف شفاف تھی کہ ریت کا ایک ذرہ بھی وہاں ڈھونڈے نہ ملتا تھا تو پھر ادنیٰ کہاں سے نظر آتا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس چورے سفر میں ادنیٰ کو چلتا پھرتا کیس نہیں دیکھا البتہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستے میں کیس ادنیٰ کے ڈھانچے پڑے۔  
وہ مقام جہاں سے حدود حرم شروع ہو جاتے ہیں اس طرح گزرا کہ اگر ذرا اونٹ نہ بتا دیتا تو اس سے بھی نادار تفن نکل جاتے۔

۴۴ میل کی مسافت ہو کر کے لئے وہ بھی عرب موٹر ڈرائیور کے لئے ایسے زمانے میں جبکہ ان کو منہ مانگے دام مل رہے ہوں اور وہ ایک کو اتار دو سرے کو چڑھا کی بھاگ دوڑ میں جھجکے یہ دو تین پہینے گزارتے ہوں کیا مسافت ہو سکتی تھی گھنٹہ بھر میں پہنچا سکتا تھا ہمارا ڈرائیور جس رفتار سے وہ لے جا رہا تھا۔۔۔ وہ تو بیچ بیچ چوکیوں پر پاسپورٹ دینا اور تنازل وغیرہ کی جانچ کرانے کے لئے ٹھہرنا پڑتا تھا اور یہ جانچ کرانا ڈرائیور کے فرائض میں تھا مسافروں کو ذمہ داری نہیں تھی۔ وہ باطل فحشاء رکنا اور دوڑنا ہمارا افسر کے پاس جانا اندراجات کرانا، پھر ہاتھ لگا ہوا آنا اور موٹر اسٹاپ کر کے فرارے بھرنے لگنا۔

مکہ معظمہ۔۔۔ شہر امن و امان۔۔۔ البلد الامین۔۔۔ کی روشنیاں بھی نظر آنے لگیں، خدا کا گھر بہت قریب آگیا اور خدا کے بندے جو اسی گھر کے گرد ویرانہ دار گھومنے کے لئے آئے ہیں کیا اس گھر سے یا اس سے جس سے یہ گھر منسوب ہے کچھ توبہ ہوئے؟ بظاہر ضرور اس لئے کہ مبارکی لباس تو زیب تن کئے ہوئے ہیں یہ لباس بظاہر دیکھ لیں کہ

حاضری دربار کے آداب بھی پوری طرح پیش نگاہ ہوں گے۔ اپنے حال پر نظر کی تو غلظت ہو کر ہم کو ابھی اپنے گھر اور اہل و عیال ہی سے قریب ہیں جدے پہنچ کر جب ہمیں ملنے کے کوئی خط نہیں ملا وہ جی میں بھی نہیں ملا تو طبیعت خاصی فکر مند ہو گئی۔ یہ فکر چلے سے مکہ مسئلہ تک ہم سے جتنی رہی، ہجرت فکر کے پہنچ کر دت کے کھانے کا کیا ہو گا وہ کر جاگ اٹھتی تھی۔

شہر میں داخل ہوئے تو رات کے اچھے ہوں گے۔ ہر طرف سوتا پڑا تھا اور شہر۔ دی ما فوس سرسکس دی جانی بیجانی عمارتیں وہی سڑکوں کے دونوں طرف بجلی کے کھمبے اور ان میں رنگیں روشنیاں!

مور پورہ، باط کے بھانک پور کی ہمارے معلم مولانا عبدالعادی سکندر پونچھے کی اطلاع پا کر فوراً ہی آئے پاس ہی ان کا گھر تھا ان کے ساتھ ان کا ایک نوجوان، شہزادہ بھی تھا اس نوجوان کے ساتھ ہم لوگ سلمان رکھا کر حرم محترم کی طرف روانہ ہو گئے کہ پہلے ”عمرہ“ جسے عام زبان میں ”چھوٹا حج“ کہتے ہیں ادا کر کے احوام سے باہر بولیں تب قیام دلعام کی طرف اطمینان سے توجہ کر سکیں گے

وضو کر کے حرم محترم میں اس دستانے سے داخل ہوئے جدھر سے عمرہ کرنے والے داخل ہوتے ہیں۔

پہلے شاید وہ یہی سے خانہ کعبہ کا طوقہ نظر آجاتا تھا اب حرم کی نئی عمارت جو عزوجل شاہ سعود کی توجہ سے بنی ہے اتنی اونچی ہے کہ اندر داخل ہونے سے پہلے جاں کعبہ نظر نہیں آتا اندر پہنچے اور خانہ کعبہ کا دیدار ہوا پس ایسا محسوس ہوا کہ اپنے تئیں نہیں رہے۔ سبہ اختیار کر یہ طاری ہو گیا۔ کوئی پوچھ بیٹھا کہ کیوں، تو ہمارے پاس کوئی جواب



نہ تھا۔ سچ یہ ہے کہ کسی بھی استفسار کا جواب نہیں یا نہیں پڑتا تھا۔ نوجوان ہیں طمان کی دعائیں پڑھا رہا تھا۔ وہ بلند آواز سے ایک جملہ کتاب میں اسی کو بلند آواز سے دہرا رہے یہ احساس بھی نہ تھا کہ ہم کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ بے خودی اور بے خبری کا ایسا سخت تجربہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ عربی زبان میں دعائیں تھیں، جدید عربی ہم سمجھ نہ پائیں مگر ان دعاؤں کی قدیم عربی تو ہماری سمجھ سے باہر نہ تھی مگر سمجھ اس وقت ہمارا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ جہاں پر حج اور عرب کے مسائل پوچھنے والوں کو بتانے والا اس وقت اپنے کو بالکل کورڈ پارہا تھا اور ایک طفل کتب کی طرح نوجوان معلم کے لئے ہوئے سبق کو بس دہراتا جاتا تھا۔

جوں ہی جگہ کے مکتب عشق میں سبق مقام فتا لیا

جو پڑھا کھا تھا نیا زدن سے صاف دل سے بھلا دیا

خانہ کعبہ کی پہلی زیارت تھی، جو از خود رفتگی کے عالم میں مورہی تھی، اس گھر کے گرد سات بار گھومے، نوجوان معلم کی ہدایت پر طوان کر کے صفا اور مردہ کی سعی کے لئے چلے یہاں بھی نوجوان سبق کی طرح دعائیں پڑھا رہا تھا اور ہم بندہ رہے تھے سات بار سعی بھی کر لی، ہاں زمزم کے کنوئیں کی تلاش میں گئے تو وہاں یوب وین "فطر آیا جس سے فوارے چھوٹ رہے تھے اور کئی عود بیجے گئے تھے جن کی ٹوٹیاں کھولے اور آب زمزم پینے کی سنت ادا کر لیجئے۔"

بہر حال طواف دس کے بعد قصرِ بابوں کو چھوٹا کر لیا، لیجئے، احرام سے باہر ہو گئے۔ اب

اپنے وہ کپڑے پہن سکتے ہیں جن کے آپ عادی ہیں۔ صفامردہ کے باہر ہی کئی آدمی بڑی بڑی قمیصیاں لئے کھڑے لے ایک ریال لے کر انھوں نے قصرِ کعبہ سے بھی پاسکا دیا۔

قیام گاہ پر واپس آئے تو انہی گھڑی سے رات کا ایک بج چکا تھا اب کھانے پینے کا کیا سوال اندک کپڑے بدلے کا کیا موقعہ، رات رگھتان کی رات تھی جتنا اس کا دن گرم ہوتا ہے اتنی ہی اس کی رات ٹھنڈی ہوتی ہے کمرے کے اندر دروازہ بند کر کے اپریل کی بانج تار بج ہم لیٹے تو ادھر سے کی ضرورت محسوس ہوئی دہی تولیہ اور ڈھلپون لیا جو احرام کا تھا اور دہی تہ بند باندھے ہوئے۔

دوسرے دن مکمل رات پر بل کہ ہمارے حساب سے ذی الحجہ کی دوسری یا تیسری تاریخ تھی لیکن مکہ معظمہ میں ۱۴ ذی الحجہ تھی۔

علوم ہو کہ سعودی حکومت کے منظور کردہ کنندہ ہی سے یہاں کا رد بار چلتا ہے چاہے رویت کچھ بھی ہو، اس دفعہ چاند کی تاریخ نے دبا دیا۔ چنانچہ خاصا ادم مچا رکھا تھا سو فی عرب میں ذی قعدہ کی ۲۶ کو چاند ہوتا ہے، سہر کو ہوا ۶ رات پر بل کو ہم ذی الحجہ نہ ہوتی وہاں اس دفعہ ذی قعدہ کو ۳ دن کا بنا لیا گیا اور اعلان ہوا کہ اتوار ۱۱ رات پر بل کو یوم حج (عرنے کا دن یعنی ۱۲ ذی الحجہ) ہے۔

عربی مہینہ ۱۱ دن کا کر دیئے جانے سے لوگوں میں بڑا ہیجان تھا۔ ایک دن حرم شریف میں مشیر کی نماز کے پہلے ایک صاحب عربی میں بڑا غصہ گرمی کر رہے تھے کہ یہ ناجائز ہے حج یا حجتہ کو ہونا چاہیے یا پیچ کر حکومت نے بالکل غلط اعلان کیا کہ اتوار کو حج ہے اس کی مخالفت کرنا چاہیے، وہ غالباً ہندوستانی تھے عرب لباس میں۔ کسمی نے ان کی بات نہ مانی اور سب نے اتوار کو حج کیا۔ شریعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ جہن امیر الحج یا حاکم وقت حج کے لئے مقرر کر دے وہی اہل دن ہے چاہے رویت اس کے خلاف ہو۔

لطیف یہ کہ اتوار (۱۱ اپریل) کو ہر ذی الحجہ مان کر پورا مہینہ گزارا تو یا لیکن جب  
محرم کا مہینہ شروع ہوا تو غولہ اور انگریزی ہینوں کی تاریخوں میں دودن کا فرق  
چوتھا وہ دن سے غائب ہو گیا۔ یعنی جمعہ ۳ اپریل کو ۱۲۰۰ ہجری کی بجائے پہلی مئی  
اور ۱۲۰۱ ہجری کی بجائے معلوم ہوا (اس تاریخ کو ہم مدینہ شریف میں تھے کہ پہلی مئی مطابق  
ہے پہلی محرم کے ۱۲۰۱ ہجری کی بجائے جمعہ سے تدارد ہو گیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ چاند دیکھنے کا طریق  
یہاں سے اچھا ہی کیا ہے بس کلندر کے مطابق کام ہوتا ہے۔ یہ حیرت انگیز اور بڑی  
حد تک تکلیف دہ نشانات کہاں ہوا؟ مکہ معظمہ میں اب دنیا کے مرکز نہیں دین  
کے مرکز ہیں! انگریزی حکومت میں؟ نہیں خالص عربی اسلامی حکومت میں! یہاں  
بھی شروع سے زیادہ دنیاوی دستور اگر رائج ہے تو شاعر کا یہ اندیشہ کیا غلط  
کہلائے گا۔

خدا کے واسطے پردہ نہ کھینچے اٹھا غلام  
کھیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صتم سنگھ

یہاں بہت سے حضرات و احباب مل گئے جو ہوائی جہاز سے آئے تھے۔ شیخ  
ظہیر حسین (رکاب گنج) مید اکرام الحق (لادوش روڈ) سعید انظر، چودھری عظیم الدین  
اشرف (بیار، باہ، ہنگی) مولانا مفتی محمد عتیق فرنگی علی، مولانا محمد میاں فاضل  
الہ آبادی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی اور بہت سے حضرات  
ہیں مولانا انصاری کے پاس خود آجانا تھا کہ ان سے شیخ التبلیغ مولانا مہر یوسف  
مروم کی تقریر کریں، معلوم ہوا وہ بہت ہی قریب فندق عرفات میں مقیم ہیں  
یہاں سے کہ وہ آتے، مولانا عبداللہ العباس ندوی کی قیام گاہ تھی، انھیں ملے

ہاں علی میاں اور منظور صاحب تھے، یہ دس منزلہ عمارت تھی پانچویں منزل میں ایک غلیٹ عباس صاحب کے پاس تھا وہ یہاں رابطہ عالم اسلامی میں ملازم ہیں اور اسے اہل و عیال مقیم ہیں

علی میاں سے ملاقات کے بعد ہمیں اپنی قیام گاہ کی اہمیت کا اندازہ ہوا علی میاں کی قیام گاہ عالی عمارت دس منزلہ تھی جس میں چار لفٹ آنے جانے کے لئے لگے ہوئے تھے، دس منزلوں میں ملا کر کئی سو حاجی ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان میں لکھنؤ کے حاجی نقیر محمد صاحب بھی تھے سعید الظفرؒ اور ان کے چھوٹے بھائی رشید الظفرؒ بھی۔ ان سب کی مصیبت یہ تھی کہ نماز کے اوقات میں جب سب حاجی حرم جانے کے لیے نکلتے تھے تو لفٹ پر ایک لمبی قطار بن جاتی تھی۔ کم و بیش آدھ گھنٹہ ہر ایک کو بچے بڑے میں مگتا تھا اس کا مطلب یہ کہ نماز کے لئے ان کی تیاریاں کم و کم ایک گھنٹہ پہلے شروع ہو جاتی تھیں۔ پھر بھی اندیشہ رہتا تھا کہ اگر قطار میں ایسی جگہ ملی کہ سب سے آخر میں اترے اور حرم شریف تک جاتے جاتے نماز ہو گئی تو؟

پھر وہاں کے غلیٹ ایک ایک ہزار ریالی اور بارہ بارہ سو ریالی پر ایک پھینٹ کے لئے حاجی صاحب اور سعید الظفرؒ وغیرہ نے لیے تھے۔ اتنا گراں کرایہ پھر جماعت رہ جانے کا اندیشہ مزید۔

ہماری قیام گاہ بومرہ رابطہ بہترین مہبت ہوئی دو منزلہ ہوٹل نما عمارت اذان کی آواز سنی، وضو کیا، جانا زنگردن سے بیٹھی یا کندھے پر ڈالی اور مینسٹ میں عوم شریف کے اندر پہنچ گئے۔

اور اجاب کرائے کے قدیم مکانات میں تھے حرم شریف سے قریب کالوں

کا کر ایہ بٹنا زیادہ ہوتا ہے پھر بھی قدیم مکانوں کا کر یہ تین چار سو ریاں سے زیادہ شاید کسی نے نہیں دیا مگر بارہ بارہ سو ریاں کے غلیٹ سے نیاہ آسمانی حرم میں پہنچنے کی انہیں حاصل رہی۔

مولانا محمد منظور نعمانی جن کا شاید یہ تیسرا چوتھا حج تھا کھنڈے لگے جس تیزی سے پانے مکانات کھد رہے ہیں اور ان کی جگہ نئی کئی کئی منزلا عمارتیں بن رہی ہیں اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آئندہ چند برسوں میں غریب حاجیوں کے لئے قیام کی کتنی مشکل ہو جائے گی۔

ظاہر ہے جب نئی اور جدید ضروریات پوری کرنے والی عمارتیں ہوں گی تو ان کے کرائے بھی لمبے ہوں گے، عام حاجی کی حیثیت سے باہر۔

مرزا غالب نے نہ معلوم کس کیفیت اور کس نوعیت کی کش مکش سے عبور ہو کر کہا تھا

ایساں مجھے روکے ہے، جو کہینچے ہے مجھے کفر

کعبہ مرے دیکھے ہے، کلیسا مرے آگے

حدود حرم میں پہنچ کر اور مغربی ملکوں کے تمام کلیسائی انداز کو اپنے چاروں

طرفن دیکھ کر یہ شعرا ایک طرح سے واقفاتی کش کش کا آئینہ دار بن گیا۔

ایک رات قبل کہ منظم پہنچ کر فوراً ہی عمرے کے لئے جب خانہ کعبہ کی زیارات

کی تھی تو اس زیارت کی حیثیت بلاشبہ صرف روحانی کی تھی اس حالت میں کہ دیدار

کام حق پر ہنکھوں سے ادا نہ ہو پایا ہے

اللہ اللہ ترے آتے ہی اشکوں کا بھوم

حسرت دید بھی مشکل سے نکل پاتی ہے

دونوں کعبہ کے بعد واپس ہوئے تو آٹھ دس دن کے بعد پہلی رات آرام سے سوئے کوئی تھی تھکے تھکائے تھے ہی، رات گئے جو سوئے تو دن چڑھے اٹھنا نصیب ہوا صاف غفلتوں میں یہ کہ پانچوں وقت جو یہ کہ کرنا زکی نیت باندھا کرے کہ نہ میرا طرف کعبہ شریف کے دوامح مجسم ہو کر کعبہ شریف کا سامنا کرنے کی سعادت سے بہرہ ہے مگر پہلی ہی نماز فجر نہ صرف یہ کہ حضور کی کعبہ میں جماعت سے ادا نہ ہو پائی بلکہ اس سے قضا ہی ہو گئی۔

دیہی سے اٹھے تھے مگر کھانے پینے کے اختطافات کی طرف توجہ کرنا تو بہ حال لازمی تھا، بوہرہ رباط میں جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے دونوں وقت ضیافت بھی رباط کے منتظمین کی طرف سے ہوتی ہے ہم نے اور ہماری طرح کے دو مسکین نیز بوہرہ مقیمان رباط نے اس حد تک اپنا بار ڈالنا گوارا نہ کیا اور ہمارے ایسوں نے بظاہر ہمیں منتظمین کی اس پیش کش کو کہ دونوں وقت کھنے آدمیوں کا کھانا بھیجا جائے قبول کرنے سے معذرت چاہ لی، اتفاق سے معذرت کی مجال کافی وسیع تھی، بوہرہ فرستے کے جو ایک ہزار سے زیادہ حاجی وہاں ٹھہرے ہوئے تھے وہ سب گجرات کے تھے انکا ذوق ہمارے مذاق سے یکسر مختلف پھر ان کے یہاں دو وقت کھانا نہ بے صبر اور نہ بچے شام کو رہا رہی گھر دی کے اعتبار سے ہوتا تھا جو ہمارے معمول اور عادت کے بالکل برعکس تھا!

راشن ہم اپنے ملک سے لائے تھے، دالیں گیہوں۔ چاول اور شکر فی کس معتد بہ مقدار میں، انما ذہ ہوا کہ جہاں تک ہمارا تعلق ہے یہ بے جا نہ محنت ہم نے برداشت کی گیہوں کو اٹھانا یہاں جوئے خیر و نئے سے کم نہ تھا، پھر یہ چائیاں کھانے کے لئے

بوند لاؤر جی خانہ کون چالو کر سکتا تھا۔

پہلا مرحلہ صبح کی جائے ناشتے کا تھا، ہم کو یا بیچ بازار میں ٹھہرے ہوئے تھے جین میاں لپک کر بازار گئے۔ چائے کا بندل بھردودھ کے ٹبے انڈے نان پاؤں قسم کی روٹی وغیرہ خرید لئے اسٹود (مٹی کے تیل کا چرکھا) بھی خریدا جا چکا تھا اپنی قیام گاہ کے کمرے میں جو در حصوں اور غسل خانے پر مشتمل تھا ناشتہ پہلی مانی نے ان برتنوں میں تیار کر لیا جنہیں وہ اپنے ساتھ بٹے (ہٹام سے لائی تھیں) طے پایا کہ اسی وقت دوپہر کے کھانے کا انتظام بھی ہو جائے کچھ ترکاری رہبر قسم کی ترکاری دہان بآسانی مل رہی تھی چاول اور وال پکھلے روٹیاں بازار سے آجائیں گی، پھر یہی سہولت کو 'مظہر کے قیام کے دوران دہا بابہ۔۔۔ کوئی چاہے تو پکا پکا یا ہندستانی کھانا بھی دور یاں فی کس دیکر ہندستانی پاکستانی ہونٹوں سے منگا سکتا ہے روٹی (چباتی) دال سائن چاول وغیرہ لیکن ہیں خاص کر چھ کو عربی گوشت سے کچھ احتیاط منظر تھی، پرانی چیش کے مریض کے لئے یہ پرہیز ناگزیر ہو، انڈے کا گوشت شاید چیش زدہ آئیں گراں بھیس گی اور بکری وغیرہ کا گوشت یہاں عام طور پر سہل بھاجا لے یعنی چلی اجاتیں ہونے لگتی ہیں وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ دست اور ہاتھ دوا سنا کی چٹیاں یہاں کی بکریاں کھاتی رہتی ہیں ہمارے یہاں شدید قبض میں پرگنہ سادی جاتی ہے اگر ایسے گوشت کو ہم استعمال کرتے تو اندیشہ تھا کہ اسہال میں مبتلا نہ ہو جائیں کھانے کے انتظامات سے یکسو ہو کر اب انیارت خانہ کعبہ کے لئے جانا تھا احرام میں نہیں اپنے عام لباس میں تیار ہو کر اس طرف چلے جس طرف پانچ وقت منہ کرنے کا حکم ہے، ہمارے گھر می سے نو بجے دن کا وقت ہو گا۔ یہ کسی نماز کا وقت نہ تھا، اس لئے حرم میں کوئی خاص رجوع ہم سے نہ تھا، دھوپ تیز ہو چکی تھی پھر بھی طواف کعبہ کا سلسلہ

اکا دھوپ میں جاری تھا۔

یہ عجیب بات سننے میں آئی کہ دن رات کے ۲۴ گھنٹے میں ایک منٹ بھی ایسا نہیں گزرتا جب خانہ کعبہ طواف کرنے والوں سے خالی ہو، اور پورے سال بھر کے لئے یہ دعویٰ ہے، "میں سال بھر رہنے کی توفیق کہاں نصیب کہ اس دعویٰ کو مشاہدے سے ہم آہنگ بنایے جتنے دن جواد کعبہ میں رہے ایک وقت بھی (اور ہر وقت جا کر دیکھ لیا، طواف کرنے والوں سے کعبہ کو خالی نہ پایا۔ بتوں کو تو لگاتار طواف کرتے دیکھا ہے دینار ہا فیہا سے بے خبر بس دیوانہ وار گھوم رہے ہیں۔"

اتسوم حسرم آں نہ بسندند

بسزور دکشان لا ابالی

یہ لا ابالی بن طواف کرنے میں ایسا ظاہری ہوتا ہے کہ اپنی دو میں بھرنا ڈگہ کسی کو نہیں سمجھتے خاص کر وہ معذور اور ذہنی طور ان کرنے والے جو اپنے پیڑوں سے نہیں بلکہ کھڑے پر بیٹھ کر ایہ کے مزدوروں کے ذریعہ طواف کرتے ہیں طواف کرانے والے بدوشی نشی کہتے یعنی ہٹو بچو کھٹو سر بٹے اس نہ رسے کرتے ہیں کہ مضبوط سے مضبوط مجمع کی دیوار کا کی ٹکی طرح پھٹ جاتی ہے۔

بڑی مشکل اس وقت ہوتی ہے جب ایک مٹوف کے ساتھ پورا ایک گروہ نشی طواف لگانے کے لئے حاضر ہوتا ہے۔ مٹوف نور زور سے دعا پڑھتا ہے اور اس کو بلور اگر وہ دہراتا ہے۔ اب اگر کھڑے بازوں کی دخل اندازی سے گروہ متزجر ہو گیا تو پھر اس کا ایک جاہونا کار سے دارو۔

ہم پانچ نفر، اسی پچھو جان مانی متین میاں اور میں ہر بار یہ تہیہ کر کے طواف



شرع کرتے تھے کہ ہم دوسری چیزوں کو اتین کو الگ نہ ہونے دیں گے کہ قسم نے لیجے  
جو ایک بار بھی تہہ پورا کر پائے ہوں اتنا ضرر ہو اگر امی کا ہاتھ ہم نے اور پھر پورا  
کا ہوا انھوں نے اکثر و بیشتر نہیں چھوڑا پھر بھی اکثر و بیشتر تک ہم کامیاب  
ہو پائے۔

نہتے دن کو تیز دھوپ میں بھی طواف ہو رہا تھا۔ ہم نے بھی ایک آدھ دو گھنٹہ تک  
تلاش میں بھیمل لی پھر طواف کا وقت نہ پہر کے بعد سے رات گئے تک مقرر کر لیا باقی وقت  
حاضری حرم میں قرآن شریف پڑھنا و ہزاروں کی تعداد میں دہاں موجود رہتے ہیں۔  
سب سے سہل عبادت ہے یا پھر سائیں بیٹھ کر منگلی لگائے جمال کعبہ کو دیکھنا اس لئے  
کہ یہ بھی منجملہ عبادات ہے۔

لیکن یہ بانی وقت کی خوب رہی نماز پنجگانہ کے اوقات ہی میں پابندی کے ساتھ  
حرم میں حاضری نصیب ہو جائے تو غنیمت ہے!! ورنہ کشش اور دلی آویزی ماری کی  
ماری تو مکہ کے دلائی مال سے بھرے ہوئے بازاروں میں دھری تھی، دن کو بازار میں  
گھومنے کے لئے ایک چھتری ہاتھ میں اور حسب حیثیت، بال جیب میں ہونا کافی ہے پھر دھوپ  
بھی نہیں تالے گی کیا آپ خریدنا چاہتے ہیں جو آپ کو یہاں نہیں مل سکتا؟

اعلیٰ سے ملے کپڑے سستی سے سستی اور قیمتی سے قیمتی گھڑیاں ہر قسم کے ڈائمنڈ  
کیرے، ریزی میڈ کپڑے، ناٹیاں، الیکٹریک شو، سوٹ، ڈرائین کی قمیص اور بش ٹرٹ  
عمدہ عمدہ کمانیاں، ٹیکٹ کیس، لائسنس ڈائمنڈ، فاؤنٹین پن، کیلی  
جو ہر رخ کیجئے بس یہی محسوس ہوتا تھا۔

کو شہ دامن دل می کشد کہ جا رہی جا ست

دو ہی چار اللہ کے بندے ایسے نکلیں تو نکلیں جو دعوے کے ساتھ کہہ سکے ہوں کہ

بعل میں لے کے یوسف کو اکیلے واں سے گزرا میں

قدم رکھتے ہوئے جس راستہ میں کارواں کھٹکا

جیبوں پر وہ ٹوٹ پڑتی دکھائی دیتی تھی کہ اللہ کی بناہ!

ہماری حکومت نے حاجیوں کو ایک وہ رعایت دی ہے جو کسی بھی غیر ملک کے ہندوستانی

سافر کو نہیں حاصل ہے یعنی غیر ملکوں کی سیاحت سے واپس آنے والا ہندوستانی کوئی

بدبشی مال اپنے ساتھ نہیں لاسکتا جب تک کہ اس غیر ملک میں کافی عرصہ قیام پذیر

نہ رہ چکا ہو اور اس کا ثبوت نہ پیش کرے کہ یہ چیزیں اس نے اپنے استعمال کے لئے

وہاں قیام میں خریدی ہیں۔ لیکن حاجیوں کے ساتھ رعایت ہے کہ وہ مجموعی طور پر پانچویں

وہ پہلے کی سوغات اپنے ساتھ جاز سے لاسکتے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی ایک سوغات پچھتر روپے

سے زیادہ کی نہ ہو۔ زیادہ کی ہوئی تو کسٹ ڈیوٹی ادا کرنا پڑے گی۔ دہاں کی خریدی ہوئی

چیزیں کسٹ ڈیوٹی ادا کرنے کے بعد بھی یہاں سستی پڑتی ہیں۔

ان حالات میں بڑا مشکل ہے اپنے کو قابو میں رکھنا ہے

گو ہے یہی بہار کی شورش تو نا صحر!

مجھ سے نہ ہو سکے گی گریباں کی ہستیاں!

واقعہ یہ ہے کہ ہم میں سے شاید ہی کوئی ایک اپنے گریباں کی احتیاد کی کوشش میں

جہاد پورا کامیاب ہوا ہو۔

پھر محتاط طبیعتوں کو لیشہدد و امانافع لہم کی آیت میں منافع حاصل کرنے

کا جواز بھی مل جاتا ہے۔



حج کے لئے سیکے میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ حکومت حجاز حج کے لئے عام قہطیل کو دیتی ہے جس سے سرکاری طازین کو بھی آسانی ہو جاتی ہے۔  
پھر آس پاس کی دیہی آبادی بھی حج کے لئے اُمتد بڑتی ہے۔ اس دفعہ جو سرکاری اعداد و شمار حکومت حجاز کی طرف سے شائع ہوئے ان کے مطابق تقریباً ۱۴ لاکھ افراد نے اس حج میں شرکت کی یہ تمام سابقہ ریکارڈوں سے زیادہ ہے اس میں ۱۸ ہزار سے بھی زیادہ ہمارے ہندوستانی حجاج تھے ہندوستان کی تقریباً چھ لاکھ کی مسلم آبادی میں سے ۱۸ ہزار چھ سو چھیاسٹھ مسلمان اس سال حج کے لئے گئے تھے پاکستان کی تقریباً دس کروڑ کی مسلم آبادی میں سے ۱۶ ہزار ۲۵۰ حجاجی آئے تھے۔

سب سے زیادہ حاجی ترکی سے آئے تھے جن کی تعداد ۲۱ ہزار چھ سو تین تھی دوسرے نمبر پر شام کے حاجی تھے جن کی تعداد بیس ہزار ۹ سو ۸ تھی اس کے بعد ایران کے حاجیوں کی تعداد ۱۹ ہزار ۲ تھی۔

اگر یہ کہا جائے کہ باہر سے آنے والے حاجیوں میں سے سب سے زیادہ تعداد ہندوستانی حاجیوں کی تھی تو یہ جابہ ہوگا۔ شام تو عرب ملک ہی ہے اور ترکی اور ایران بھی بالکل پڑوسی ملک ہیں۔ ان تینوں ملکوں کے حجاج براہِ خشکی اپنی آرام دہ سول کے ذریعہ آئے تھے۔ باہر سے یعنی سمندر پار کر کے آنے والے حجاج میں سب سے بڑی تعداد ہندوستانی حاجیوں کی تھی۔

سوویت روس کے بھی ۱۹ حاجی تھے۔ جنوبی ویٹ نام کے ۱۱ جاپان کا ایک اٹلی کا ایک، قوم پرست چین کے ۲، کیورنٹ چین سے جہاں کہا جاتا ہے کہ سات کروڑ کے

قریب مسلمان آباد ہیں، ایک مسلمان کو بھی اس سال توفیق چھ نصیب نہیں ہوئی  
گزشتہ سال، چینی تھے، انگلستان سے ۳۵۴، اسپین سے ایک امریکا سے ۱۲، آئرلینڈ  
سے ۶، چنگال سے ۱۹

پاپورٹ کے ذریعہ حج کے لئے سعودی حکومت میں داخل ہونے والوں کی مجموعی  
تعداد اس سال دو لاکھ ۸۳ ہزار ۱۹ تھی اور تقریباً گیارہ لاکھ حاجی سعودی  
عرب کے اور ان ملکوں کے تھے جن کے اور سعودی عرب کے درمیان پاسپورٹ کا  
مدراج نہیں ہے۔

علامہ اقبال نے کہا تھا ہے

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے  
نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کاشغر

ظاہری الفاظ سے ہم ہیں سے بہتوں نے اگر دھوکا کھا کر یہ سمجھ لیا کہ شاعر کا مقصد  
ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان خانہ کعبہ کی نگہبانی کرنے کے لئے پونجی جائیں تو انہوں  
نے نہ شاعر کے ساتھ انصاف سے کام لیا اور نہ اپنی سمجھ کے ساتھ عملاً ایسا ممکن کہاں کہ  
تمام دنیا کے مسلمان ہر وقت یا وقت ضرورت کسی ایک مقام پر پہلے روک ٹوک  
جمع ہو جائیں۔

اس صاحب فکر شاعر کا مقصد یہی رہا جو گا کہ حرم (خانہ کعبہ) سے تعلق کا دعویٰ  
رکھنے والوں کو اس تعلق کے مقصد کے ساتھ پورا پورا ذمہ دار ہونا لازم ہے اور سخت  
ترن نگہبانی کرنا چاہیے کہ اس مقصد میں دنیا بھی ضل نہ آنے پائے چاہے مقصد رکھنے  
والا کاشغر میں رہتا ہو یا نیل کے آخری ساحل پر قطب شمالی کا باشندہ ہو یا قطب جنوبی

کا اگر اسلام کو اپنا اخروی مقصد قرار دیا ہے۔ اور خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ مانا ہے تو یہ کیسے ہوگا کہ خطا اقامت کے اختلاف سے مقصد میں بھی اختلاف کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ یا رنگ و نسل کے فرق سے نیت میں فرق کی گنجائش پیدا ہو جائے دیکھئے تو کہاں کہاں سے اللہ کے ملنے والے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنے والے دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ اندازہ ہو کہ کہہ ارض کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں کی نائیدگی یہاں نہ ہوئی ہو، اگر کوئی شخص حکم قرآنی یشہد و امنافع لہن انا کہ وہ حج کے موقع پر اپنے فائدے اور منافع کی باتیں دیکھیں اسے مستفید ہونا چاہیے تو کیسی آسانی سے مستفید ہو سکتا ہے۔

لیکن براہوی سیاست کی حکمرانی اور عالمگیری کا، نوع انسان کی فلاح و بہبود کے پہلو سے اس موقع سے فائدہ اٹھانے ہی نہیں دیا جاتا۔ صرف سیاسی پہلو سے ساری دنیا سے ہلے ہوئے نائید سے اپنے آپ کو پاسبان حرم ثابت کرنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔

حج کا خالص مذہبی اور دینی موقع سیاسی بازی گری اور شعبہ بازی ہی کی نذر ہو جاتا ہے مثلاً یہ دکھانے کی کوشش ضرورت سے زیادہ کی جاتی ہے کہ نائال ملک کے سفارت خانے نے حاجیوں کی دیکھ بھال کے لئے بہترین حفاظت اور امدادی دستے بھیجے ہیں۔ ہر ملک کا نائیدہ خصوصاً اسلامی ملکوں کے نائید سے اس اظہار پر بڑے حریفوں نظر آئے کہ ہمارے یہاں اسلام کا جسک زیادہ بول بالا ہو وہ ملک سعودیہ عرب۔ ملک کسی موقع پر نہیں چکتی یہ ظاہر کرنے میں کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی سب زیادہ ہمدرد حکومت وہی ہو لیکن صاف دیکھا جاسکتا ہو کہ کنوادل سے ہو اور

کتنا اور پیہل ہے !

پروپیگنڈا اس زمانے کا سب سے کارگر حربہ ہے اور اس سے خوب خوب کام لیا جاتا ہے لیکن کتنی سچائی ہوتی ہے اس پروپیگنڈے کے پیچھے یہ اندازہ کرنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگتی۔

عربی زبان کو مسلمانوں کی زبان بے شک نہیں کہہ سکتے لیکن دین اسلام کی زبان تو کہا ہی جاسکتا ہے۔ مگر کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اتنے بڑے دینی فریضے کی ادائیگی کے موتمہ پر دینی منافع حاصل کرنے یا پاسبانی حرم کے مقصد مقودہ سے باز رکھنے والی سب سے بڑی چیز یہی زبان کی اجنبیت ہوتی ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو آپ اس ایک موقع پر جمع دیکھ سکتے ہیں لیکن دنیا بھر کے مسلمانوں سے آپ بات چیت کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ قول بیٹھے کا فائدہ کیا ہوا پھالی خوبی صورتیں بیٹھے سے تو کچھ حاصل ہونے کا نہیں !

اگر دینی زبان سمجھ کر عربی سے کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل کرنا تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے لازم ہوتا تو پھر شائع صحیح کیا کچھ حاصل کئے جاسکتے تھے اس کی تفصیل بتلنے کی حاجت نہیں اور پاسبانی حرم کا مقصد کس خوبی سے حاصل ہو سکتا اس کی توضیح چنداں ضروری نہیں۔

ترک حاجی بھی تھے، جاپانی حاجی بھی، انگلستانی بھی، روسی بھی، فرانسیسی بھی انڈونیزی بھی، کہاں کے حاجی نہیں تھے اس وفد ؟ مگر ہوا کیا جو عربی جانتا تھا وہ عرب ملکوں کے حاجیوں کو جو انگریزی جانتا تھا وہ انگریزی والے حاجیوں کو احمد فرانسیسی سے واقف تھا وہ یورپ کے بعض ملکوں کے حاجیوں کو اپنا منشا

سمجھاتا ہوگا کوئی ایسی زبان نہ تھی جو سب کو افہام و تفہیم کی ایک لہری میں بہا دے سکتی۔ حکومت سعودیہ کی سرکاری اور قومی زبان عربی ہے اس کا سارا کلاں بااں اسی زبان میں ہوتا ہے البتہ مکہ منظمہ میں جہاں دنیا جہاں کی زبانیں جاننے والے پہنچ جاتے ہیں پہلک کی ضرورت کے لئے سڑکوں اور شاہراہوں کی عاتیس عربی کے علاوہ انگریزی اور اردو میں بھی لکھی نظر آتی ہیں لیکن تسلیم شدہ زبانیں وہاں تین ہی سمجھی گئی ہیں۔ عربی (سرکاری زبان)، انگریزی اور فرانسیسی (ابطلہ عالم اسلامی کی دوسری قوتیں ہیں تین زبانیں معتبر مانی گئی ہیں ان میں کارزاری سنی جاسکتی تھی امیڈ فون لگا کر۔

ہمارے ملک کے حاجوں کی تو غالب اکثریت ان پڑھ اور فچلے طبقے کے دیہی افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ شوق حج و زیارت انھیں کشاں کشاں پہنچا دیتا ہے مکہ منظمہ اور مدینہ منورہ ! جو برکتیں ان مقدس مقامات کی حاضری سے حاصل ہونا چاہئیں وہ حاصل بھی ضرور ہو جاتی ہیں ان سب حاضری دیتے والوں کو خواہ وہ ان پڑھ ہوں یا لکھوار، عالم ہوں یا جاہل مگر شہد و امنافہم لہن میں جو حقیقت پوشیدہ ہے وہ مکلف ہو جانے سے بلاشبہ رہ جاتی ہے۔

جو خالص اسلامی ملک ہیں ان کے عوام نہیں خواص بلکہ حکومتوں کے اسلامی سربراہ تک خاسک حج ادا کرنے کے بعد کا سارا وقت یعنی چار پانچ روز کے علاوہ جو ایام حج کہلاتے ہیں باقی سارا وقت بوسے انہماک سے ملکی پڑوسی اور سیاسی تفوق ثابت کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ اس دفعہ سعودی حکومت نے اسلامی ملکوں سے اسکاؤٹ دینے بھیجے کی



خواہش کی تھی، اس پر اسلامی ملکوں کے دہنے آنے لگے اور سعودی حکومت کے ذمہ داروں نے ان کے فرائض (ڈیوٹیاں) بنائے کاہرہ و گرام بھی بنالیا، ہندستان کو اسکاؤٹ بھیجنے کی زحمت کیے دی جاتی، ہمارے سفیر مقیم جدہ مسٹر رحمت کامل قدوائی نے اپنا فرض سمجھا کہ سعودی حکومت کو یاد دلادیں۔ حکومت ناواقف نہ تھی جو اس کو خبر دی جاتی۔ کہ ہندستان میں چھ کر در مسلمان رہتے ہیں اور اتنی بڑی مسلم آبادی بہت سے اسلامی ملکوں کی آبادی سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کی خدمت کی سعادت سے ہندستانی مسلمانوں کو محروم کرنا لائق نہ ہوگا۔ حکومت نے ہندستانی سفیر کی بات کا وزن محسوس کیا اور ہمارے ملک سے بھی فوجیوں کے کچھ دستے (علیگڑھ، مدراس، اکیر، لاہور وغیرہ سے) اپنے قافلہ کی قیادت میں وہاں بھیجے اور خوشی کی بات بلکہ فخر کی بات یہ ہے کہ ہندستانی فوجیوں نے بلا امتیاز ہر ضرورت مند کی مدد کی۔ مددیں کہ بڑھا چاچی راستہ بھول گیا۔ اور ایسا بھولا کہ منزل کا نام بھی نہیں یاد رہا، اب وہ پاکستانی جو یا ہندستانی، ایرانی ہو یا ترکستانی اس کو اس منزل تک پہنچانا، پیار ہو تو اپنے شفا خانے میں لانا، پتہ نہ چل پاتا، ہر جوتو رئیس المظوفین کے عملے کے سپرد کرنا، کوئی ہنگامی بات ہو تو اس کے دفتیر کے لئے متعدد ہو جانا۔

نہ معلوم کتنے غیر ہندستانی حاجیوں کو ہم نے منی میں ہندستانی سفارت خانے کے ہسپتال میں دیکھا۔ ایک واقعہ تو بھوتا ہی نہیں، ایک بہت بوڑھی بنگالی عورت جو مرثک پر پڑی سسک رہی تھی اٹھا کر ہمارے ہسپتال لائی گئی۔ بچا دی کنکریاں مارنے والوں کے ہجوم میں کھل گئی تھی۔ جب ہوش و حواس اس کے بچا دیے

لو اب وہ کچھ بتا ہی نہیں پارہی تھی۔ بنگلہ میں کچھ کستی تھی کوئی کیا سمجھے بالکل اتفاق کہ اس وقت بنگالی حاجیوں کی ویلیفر آفیسر ایک بنگالی قانون مندر شیکہ ایم ایل اے بھی سفارت خانے میں موجود تھیں۔ وہ آئیں، ہمارے اندر پڑھی عورت سے بنگلہ میں بات چیت بھی کی لیکن کچھ حقیقت نہ کھل پائی۔ مندر شیکہ نے بتایا کہ یہ مشرقی پاکستان کی محکم معلوم ہوتی ہے اس کی بنگلہ زبان ہماری زبان سے مختلف ہے کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

معلوم ہوا کہ بنگلہ زبان بھی ہندستان پاکستان میں بٹ گئی ہے خوب! نکمایت کی نہیں انڈس کی بات ہے کہ پاکستانی سفارت خانے (اور اس کے اسکاٹ دستوں کا رویہ ہندستانی حاجیوں کے ساتھ نہ بخیر نہیں رہا۔

اس سے زیادہ یہ کہ پاکستان کے لیے پناہ پر و پگینڈے نے شاید بے خبر اسلامی ملکوں کے باشندوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ ہندستان میں نہ کوئی ممتاز علمی شخصیت ہے نہ کوئی مسلم مذہبی ادارہ اور نہ کوئی خاص مسلم آبادی۔ بس یہی کچھ معمولی درجے کے مسلمان رہ گئے ہیں۔

اس کا تجربہ تو خود ہمیں ہی ہوا، مدینہ منورہ میں ہمارے خاندان کے ایک مہاجر بزرگ مولانا عبدالباقی فرنگی محلیؒ (شاگرد مولانا ابوالحسنات عبدالغنیؒ فرنگی محلی) کے ایک شاگرد مولانا محمد ابراہیم انھنی مہاجر مدنی نے اس تعلق سے جوان کو علمائے فرنگی محل خاص کر اپنے استاد اور اساذالاساذ سے تھا ہماری دعوت کی (اور اس وقت عرب ملکوں سے آئے ہوئے جو مشاہیر علمائے مدینہ قرینہ میں تھے ان کو بھی اس دعوت میں بلایا۔ مولانا ابراہیم انھنی ایک باوقار علمی شخصیت ہیں مدینہ منورہ کی

اورد نیائے اسلام کے ممتاز علماء کو ان سے فخر و نیاز حاصل ہے بغیر ہمارا تعارف  
 ہوا کہ یہ علماء فرنگی محل کے خاندان سے ہیں۔ عرب علماء بہت خوش ہوئے لیکن  
 ایک کے بھی ذہن میں نہ آیا کہ فرنگی محل ہندستان میں ہے۔ سبب یہیں پاکستانی تھے  
 بیٹھے تھے جب ان کو بتایا کہ ہندستان میں ہے فرنگی محل تو جیسے ان کو چنبھا ہوا۔  
 یہ لوگ اے کرام کی بات تھی، ان کے لئے غلط فہمی کی گنجائش تھی لیکن اخبار نویس  
 یہ تو ہر بڑی شخصیت کو کما حقہ جاننے کے مدعی ہوتے ہیں، سعودی اخبار نویسوں کا  
 حال بھی سن لیجئے۔

ہمارے شہر اور صوبے کی علمی شخصیت مولانا ابو الحسن علی ندوی کو آج دنیا کے عرب  
 میں جس قدر جانا پہنچا جاتا ہے۔ ہندستان پاکستان کی کوئی دوسری علمی شخصیت  
 اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ رابطہ عالم اسلامی کے بانی ممبروں میں اہم نائب صدر ہیں  
 تمام اسلامی ملکوں کا اس طرح دورہ کر چکے ہیں کہ بار بار منظر عام پر آ کر انہیں اپنی  
 بات دہاں کھنا ہوئی ہے تو ایسے مشہور و معروف مولانا علی میاں کو شرف بار بار پالی بخشا  
 جلالتہ الملک فیصل نے جو اپنے بڑے بھائی شاہ سعود کو معزول کر کے تخت نشین  
 ہوئے ہیں اور ان کی تخت نشینی کے بعد یہ پہلا عرصہ ہونے لگا رہا تھا۔ دنیاوی بادشاہوں  
 کی طرح اس شاہی ملاقات کا بھی سرکاری فوجی گرانڈوں نے فوجی فوجی تار یا علمی  
 لاکھ رو مال سرے اور تحفے کیرے کی زد سے بچے ہوں گے، جیسا کہ تصویر سے ظاہر  
 ہے، مگر ان کا بھی فوجی ترہا آیا۔ ان دوسرے دن عربی اخباروں میں شاہ  
 بھی جلائے نیچے لکھا تھا: جلالتہ الملک فیصل سید ابو الحسن علی ندوی جو دارالعلوم مدینہ  
 واقع پاکستان کے جبرل سکرٹری ہیں گفتگو کر رہے ہیں۔ یہ اس عربی عبارت کا

ترجمہ ہے۔ جو ذوق کے نیچے کھلی تھی،

موجودی اخبار نویسیوں تک کو دارالعلوم ندوۃ العلماء جو ماہ ستر سال سے کھڑا  
(ہندستان) میں قائم ہے (و جس کے طلباء کو دینیہ یونیورسٹی میں خاص امتیاز حاصل  
رہتا ہے۔ پاکستان بھی کی بھولی میں بڑا نظر آیا۔

یہ سب کثرت ساز ہے بد یقینہ کے کی بہ رو یقینہ کے کی خوبی یہ ہے کہ کسی بات کو صاف صاف نہ کہا جائے بلکہ بائیں اس طرح کہی جائیں کہ جو بات زمین کتا ہے وہ غیر شعوری طور پر ذہن میں چوستا چو جائے بد یقینہ کے یہ ذہن بنانا چاہا کہ ہندستان میں مسلمانوں کے آثار و نشانات اور سرگرمیوں اور کاروائیوں کے تابندہ نقوش سے ذہول ہو جائے سودہ ہو گیا، اب ہندستان کے مسلمانوں کا کوئی بھی دینی یا علمی کا زمامہ ہو جب تک جتانہ دیا جائے کہ یہ ہندستانی مسلمان کا ہے اس وقت تک پاکستان ہی کے حساب کتاب میں درج رہتا ہے۔

ہم لوگ دو شعبہ مرزوی الجکھ (۵۱۰) میں (کوزات گئے) کہ مغلیہ بہرہ نچے تھے اور  
مناسک حج کا آغاز مرزوی الجکھ اور پریم سے ہونے والا تھا اس طرح ہمارے  
پاس چار دن فرصت تھے کہ حج کے سلسلے میں ان چار دنوں میں ہیں کچھ نہیں کرنا تھا بلکہ  
سے عمرے کا احرام باندھ کر حدود و حرم پر داخل ہوئے تھے۔ سات ہی عمرہ کر لیا اور حرم  
اتاد دیا۔ اب مرزوی الجکھ کو جب مناسک حج شروع ہوں گے تو پھر احرام حج کا باندھنا  
گئے ہمارے بعض ہم سفر بہت دیر تھے انہوں نے عیلم میں حج اور عمرے دونوں کی  
نیت سے احرام باندھا تھا وہ عمرہ ادا کر کے بھی احرام سے بھی باہر نہیں ہوئے اور  
حالت احرام ہی میں یہ چار دن انہوں نے کہ مغلیہ میں گزارے۔ احرام کے نقصان

کو اتنے دنوں تک پورا کرنا حوصلے کی بات ہے۔ بہر حال دیکھنا، سننا، لٹا جٹنا چاہنے والوں میں ہم نے کیا، لٹا جٹنا بھی کم، کیونکہ کہ معطلہ میں ہادی کون سی شے تھادی اور ہادی تھی دہری چادر پرانے جاننے والے وہ ہندستانی اہل و عیال جو کہ معطلہ میں مقیم ہیں۔

عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ کہ معطلہ اور مدینہ منورہ میں اصلی عرب آبادی تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس دلت جتنے باشندے کی یاد دہانی ہیں وہ کوئی کئی یاد دہانی اصلاً نہیں ہیں۔ تو کی سے شام سے عراق سے ہندستان سے پاکستان سے اور دوسرے مسلم ملکوں سے آکر یہاں بس گئے ہیں اور ان کے عربی لباس اور عربی زبان سے شبہ بہ نسبت کہ یہ عرب ہیں۔ دہلی عرب تو مضافات میں کہیں آباد ہیں اور عربی مزاج و خصال کے حامل بھی وہی ہیں۔

مدینہ سے کہ خطیں کا گروہ بھی کہ سفار میں اور مزورین کا گروہ بھی مدینہ منورہ میں غیر عرب نسل کے افراد کی غالب اکثریت پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ مقامی عربی بھی خوب بولتے ہیں اس لئے کہ نیلیس ان کی یہاں گزر چکی ہیں اور ہندستان و پاکستان سے آئے ہوئے حاجیوں سے گورائشادی اور وہ بھی خوب بولتے ہیں۔ ٹھیکہ اور وہ احتیاطاً نہیں بولتے ہوں گے کہ کوئی ان کے جمادی ہونے پر شبہ نہ کر بیٹھے!

ہندستانی جو سعودی عرب میں مقیم ہیں ان کی اکثریت تو جوہرے میں رہتی ہے جو حجاز کا مرکز ہے زیادہ تر ہندستانی تجارت ہی کے لئے تو وہاں گئے ہیں یا پھر پڑھے لکھے ہندستانی ہیں جن کو سعودی حکومت نے ملازمت دے کر ایک معاہدے کے تحت وہاں بلایا ہے۔ یہ سرکاری و افغان کے سلسلے میں حدود مملکت سعودیہ میں کہیں بھی رکھے جاسکتے ہیں مگر زیادہ تر دہلی و سعودی حکومت کی شاہی ملاح دہانی

اودھدے میں درجیاسی راج ودھانی ہے سودی حکومت کی رہتے ہیں۔ دنیا کدنے کے لئے جانے دے ہندوستانیوں میں کم ہی ہیں جن کو کہ مغلہ یا دینہ نور میں قیام کی سعادت ہا تھا آئی ہو۔

پھر بھی خاصی قہر ادا ان ہندوستانیوں کی کہ مغلوبہ میں بھی ہے جو دستکاری کے ذریعہ دھندلایا کمانے کے لئے وہاں گئے ہیں دستکاری کا جو ہر کہ مغلوبہ ہی میں یا پھر دینہ منورہ میں کھل سکتا ہے۔۔۔ جوڑے میں تو ساری ضرورتیں تیار ملتی سیٹھی میڈے جو دلاتیوں سے آتا ہے پوری کر لی جاتی ہیں۔

میرے کئے و فیرو میں نشینی سامان بہت اور اس ہے لیکن میں سامان کی تیاری میں آدمی کا ہاتھ لگ گیا پس اس کے دام نہ پوچھئے آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔  
 مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدیر الفرقان (لکھنؤ) جیسے درویش صفت آدمی ہیں جاننے والے جانتے ہیں۔ پڑھنے کے وقت ینک لگاتے ہیں ینک بھی ان کی بس سمجھتی سی ہے یہی دو تین روپے کی کمائی اور ایک آدھ روپے کے ٹیشے کہنے لگے کہ ایک آدھ روپہ کی کئی کچھ ٹوٹی پھوٹی لکھنؤ میں بازار۔ بیچ کر تین آنے یا چار آنے میں اسے ٹھیک کر لیا وقت کا کرنا کہ ان کی کمائی اس روپہ کہ مغل میں ٹوٹ گئی آدمی بازار بھیجا سوچا کہ تین چار آنے زیادہ سے زیادہ آٹھ آنے میں درست کرالائے گا۔ مگر یہ لکھنؤ نہ ہاں تین روپے کی کمائی کی مرمت میں دھوواں لگیں گے۔ آدمی کا ہاتھ جو لگ جائے گا۔ اس میں۔ نئی خریدیے تو اسی قسم کی کمائی تین مال میں مزے سے مل جائے گی۔

لب مسک آپ اترے صرٹ کو ٹھٹے پر سامان پہنچانا ہے یا گھر کے اندر بہت

سامان ہر وار روپے ڈیڑھ روپے میں مزدور نے پہنچا دیا یہاں اس نے لے دیں ال  
 (ایک دیال بڑھ ہندوستانی روپے کے) تو یہاں مزدوروں دستکاروں کی چاندی  
 ہی چاندی ہے۔

جو کوئی ہنر نہیں جانتا وہ نوکری کرنے خاطر خواہ تنخواہ نوکر کو بھی ملتی ہے  
 آپ کے یہاں کیا بڑی بڑی شمع تنخواہ جو خدمت گار کی ہے اس سے گنی چکنی  
 دیاں ہیں، کپڑے لاندڑی میں دھلیں گے ایک ہفتے کے بعد ملیں گے، ستری دسری  
 کو بھی بھگوانہ ہوگا (ایک دیال میں) وہ کپڑے کے حساب سے۔

یہیں کڑا منظم میں دو ہی چار ہندوستانیوں سے ملاقات کا موقع ملا ان میں  
 سے ایک تو ہمارے گھوٹ کے میدان زعلی سادیکار تھے جو یہاں معلوم ہوا کہ ہمارے  
 شاگرد ہیں جب ہم مددہ نظامیہ (فرنگی محل) میں معلی کرتے تھے تو وہ ابتدائی  
 مددہ میں وہاں پڑھتے تھے اور ہم سے بھی پڑھا تھا بلکہ ان ہی کے بیان کے  
 مطابق ہمارے ہاتھ سے اربھی کھائی تھی۔ انہوں نے خوب یاد رکھا، اور یہاں اس  
 وقت تا یہ بات انہوں نے یاد دلائی جب ہم ایک پرنکلف دعوت ان کے یہاں سے  
 کھا کر رخصت ہو رہے تھے

مزدور غالب کے ایک شاگرد تھے سید صاحب انہوں نے حق شاگردی ادا کرنے  
 کے لئے استاد کے پاؤں دبانے کا ارادہ کیا مرنے پاؤں سمٹ لئے کہ تو سید ہو کیوں  
 گنہگار کرتا ہے، شاگردوں نے کہا میں پاؤں دباتا ہوں آپ اس کے مزدورسی دیدیکے  
 کا صاحب بیباک ہو جائے گا: استاد ماضی ہو گئے پاؤں دبا چکے کے بعد شاگرد نے  
 کہا: اے شاگرد! استاد غالب نے جو حیران نظریں تھے کہا: تو نے میرے

پاؤں دابے میں لے کر دابے دابے حساب بے باق باتوں کا آغاز کرنے  
 ہماری اور کھائی ہم نے ان کی دعوت کھائی چلے حساب بے باق ہو گیا۔

ہمارے خالو مولوی محمد سمیع اللہ صاحب انصاری فرنگی علی دربارہ ڈاکٹر  
 کٹر انجمن ٹیکس لے ہیں کچھ روپے اور کچھ نئے کپڑے دیے تھے کہ کچھ منظرہ اندیشہ  
 مندرہ میں دہان کے اصلی باشندوں کو جو ضرورت مند ہوں نذر کر دینا۔ بھیکساں گئے  
 والے حرم کعبہ کے چادروں طرف بہت لے۔ یہ شرط کہ نسلانی ہوں کیسے چھٹی ہو  
 ہمارے دوست سوزنا عبداللہ العباس ندوی کہ منظرہ میں مقیم اور رابطہ عالم اسلامی  
 کے سکرٹری میں لازم ہیں۔ ان سے اس سلسلے میں رجوع کیا۔

کھنے گئے یہاں کے جو اصلی باشندے ہیں۔ ان سے ہم کہیں تو وہ خود ہاتھ دے  
 کو دو چار سو یا لے دیں گے۔ آپ کے دس بیس روپے سے خدمت کے وہ  
 محتاج نہیں ہیں۔

خالو جان نے خانہ کعبہ کے کھوتروں اور مسجد نبوی کے کھوتروں کو روانہ دینے  
 کے لئے بھی روپے دے گئے۔ خانہ کعبہ میں دیکھا تو کھوتروں کی حیثیت کے  
 اتنا گھٹا ہوا کہ کھوتروں کو کھانا کھانا کر دینا کہ کھوتروں کو کھانا کے لئے  
 ڈرنا صرف ہے جانظر آیا۔

یہ تو اچھے پھنے انجمن لیسے والا ملا نہیں اتنا ج راہیگاں کرتے بھاگتا  
 نہیں۔ یہ بارہا منت لے گاں کہاں پھرے؟ یہ ذمہ داری باعث پریشانی بن گئی  
 تھی اس سلسلے میں ایک تاریخی واقعہ یاد آگیا جو صی سرزمین کہ منظرہ سے تعلق  
 رکھتا ہے۔ امانت اور دیانت، ریاضت اور کسب حلال کے لئے چلے جذبات کا حال



بڑا پر اثر واقعہ ہے !

مسند مورخ و محدث علامہ ابن جوزی رستوفی ۷۹۹ھ نے لکھا ہے :-  
 ابن الروضیؒ اتنا کہتے ہیں کہ میں ایک صاحب الجاحن کی کے پڑوس میں  
 بصرے میں رہتا تھا۔ رجب کو جانے لگا تو پڑوسی سے رخصت ہونے گیا۔ انھوں نے  
 بتایا کہ ان کی ایک بیٹی مکمل طور پر بے ہوش ہے جس کے لئے تیس درہم وہ ہر سال کسی  
 حاجی کے ہاتھ بھیجتے ہیں۔ میں نے ابو الحسن سے یہ خدمت انجام دینے کا وعدہ کیا اور  
 خواہش کی کہ میرے لئے دعا فرمائیے۔ انھوں نے تیس درہم اور ایک خط بیٹی کے  
 نام دیا اور کہا کہ میں ننان گنگ فلال نام کی خاتون کو تلاش کر کے دے دیتا ہوں  
 کہ جو بچا اور پوچھا معلوم ہو کہ وہ یہاں عبادت و سیاحت میں اس قدر مشغول ہیں  
 کہ بہتہ دریافت کرنے کی حاجت ہی نہیں اب میرا جی چاہا کہ ایسی عابدہ زادہ  
 ان کی کے لئے کچھ رقم میری طرف سے بھی نذر کی پیش ہو۔ یہ میرے پیش  
 کر دوں گا۔ تو وہ قبول نہ کریں گی۔ میں نے ان کے والد کا بھیجا جو خط کھولا اور  
 اس میں جہاں تیس درہم بھیجنے کی بات لکھی تھی وہاں میں نے بجایا دس درہم بنایا  
 اور پھر اسی طرح نفعانے کو بند کر دیا اور بند لفظ ان کی عابدہ زادہ بیٹی کو دیدیا  
 اور بجایا دس درہم لکھا۔ انھوں نے اپنے والد کی خیریت پوچھی میں نے کہا ٹھیک ہیں  
 نیکے لگیں۔ کیا انھوں نے یاد خدا میں کچھ کمی کر دی ہے اور دنیا کی طرف  
 زیادہ لگ گئے ہیں ؟

میں نے کہا : ”نہیں تو“

بولیں اچھا تمہیں خدا کی اور اس کی جس کا حج کرنے آئے ہو قسم دیتی ہوں

کہ جو کچھ میں پوچھوں تم سچ سچ بتانا :

انہوں نے پوچھا: ان درہموں میں تم نے اپنی طرف سے بھی کچھ ملا دیا ہے؟  
 "ہاں صاحب! ملا ہے مگر آپ کو کیسے (ملا دہ ہوا) میں نے پوچھا۔

کہنے لگیں میرے والد تیس درہم سے زیادہ مجھے بھیجنے کی حیثیت ہی نہیں  
 رکھتے ہیں زیادہ (اس وقت بھیج سکے ہیں جب وہ عبادت ترک کر کے کمائی  
 میں لگ جائیں۔ اگر تم کہو کہ عبادت میں انہوں نے کمی کر دی ہے تو میں ان  
 درہم میں سے کچھ بھی نہیں لوں گی۔"

(اس کے بعد ہی وہ بی بی بولیں: یہ سب درہم پچاس کے پچاس) داپن لیا:  
 میرے کہا: یہ کیوں! "

کہنے لگیں: میں صرف اپنی کمائی اور اپنے باپ کی کمائی سے کھاتی ہوں۔  
 اس مال سے میں نہیں کھا سکتی جس کے بارے میں یہ نہ جانتی ہوں کہ کس طرح  
 وہ کمایا گیا ہے؟

میں نے کہا: "تو وہ تیس درہم تو لے لیں جو آپ کے والد نے آپ کو بھیجے ہیں"  
 انہوں نے کہا: اگر بعینہ وہ تیس درہم جو میرے باپ نے بھیجے ہیں۔ ان  
 پچاس درہم میں سے نکال کر مے سکتے ہو تو لے لوں گی۔ تم نے تو اس میں دو درہم  
 بھی ملا دیئے ہیں جن کی حیثیت میں نہیں جانتی اور ان لے ہوئے درہم سے میرے  
 باپ کے بھیجے ہوئے درہم کی شناخت ممکن نہیں اب آئندہ سال موسم حج تک  
 میں اور ہر گری پڑی چیزوں سے اپنا پیٹ پالوں گی کیوں کہ "سال بھر کی میری  
 دولتوں کے لئے جو رقم؟ انھی رقم نے اپنے درہم میں ملا کر میرے لئے حرام کر دی

اور مجھے زحمت میں مبتلا کر دیا۔ اگر تمہاری اس حرکت میں نیک نیتی نہ ہوتی تو میں تمہارے حق میں بد دعا کرتی۔

مجھے واقعی بہت رنج اور صدمہ ہوا اور وہ دم ہم نے کراچ دیارِ ایت کے بعد واپس بصرہ لوٹا اور پورا محسن کئی کے پاس آکر سارا قصہ سنایا ان سے ڈی محبت بھی کی کہ میری اس حرکت سے آپ کی بیٹی سال بھر تک زحمت میں رہے گی۔ میں نے ان کے درہم انھیں واپس کئے انھوں نے لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تم نے میرے مال میں دوسرا مال ملا دیا، اب میں اس میں سے اپنا مال چھانت کہاں سکتا ہوں، تم نے مجھے بھی محروم کر دیا اور میری بیٹی کو بھی محروم کر دیا۔ میں نے پریشان اور عاجز ہو کر کہا تو اب آپ ہی بتائیے میں ان درہم کا کھردل کیا؟

انھوں نے کہا: میں کیا جاؤں؟

میں بار بار ان کے پاس جاتا اپنی حرکت پر معافی مانگتا اور اور پوچھتا آؤ کیا کروں میں آپ کے ان تیس درہموں کا ایک لمبے عرصے کے بعد انھوں نے کہا: خیرات کر دو۔ اور میں انھیں خیرات کر کے اس جنباں سے نکل پایا؟

خیر ایسی مصیبت تو ہم نے ہرگز محسوس نہیں کی جیسی تمہارا صاحب کو آج سے پہلے کے اور بصرے میں پیش آئی تھی۔ گو مام حالات میں ہم کچھ بھی محسوس نہ کرتے مگر قدس مقامات میں پہنچ کر جی ہی چاہتا ہے کہ اپنے عمل کی نذرانہ پلک درست رہے۔ اسی وجہ سے کبوتروں کا دانہ کی اور دنی باشندوں کا نذام ہمارے سر پر لٹکا رہا۔ نجات دینہ منورہ میں اس وقت ملی چپ ہلے

ایک فرنگی علی بزرگ مہاجر مدنی نے وعدہ کر لیا کہ وہ مدینہ منورہ کے بعض اصلی باشندوں کو جو شریف و غیور ہیں اور جن کے احتیاج کا وہ سردوں کو علم بھی نہیں ہو پاتا، یہ رقم پہنچا دیں گے۔ ہم سے اتنی بات خلاف شرط ضرور ہوئی کہ کچے دالوں کی نذر بھی مدینہ شریف ہی میں حیدر بھائی صاحب کے حوالے کر دی جو وہاں حج کرنے کے بعد سے ۱۲ برس سے مع اہل و عیال مقیم وہاں ہیں اور حدود مدینہ سے باہر نکال نہیں جاتے ہیں۔

دور سے خانہ کعبہ کو بھی آکر لیں گے سلام  
زندگانی ہے تو ہم جوں گے مدینہ ہوگا

مکہ معظمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی تاثیر ہر طرف دکھائی پڑی۔ انھوں نے دادی غیر ذریعہ آجے کھیتی باڑی زمین میں بود و باش اختیار کرتے ہوئے وفا کی تھی۔ دارز قہقہ میں ان شمرات المے اشترامیری اور ان کو پھلوں سے لذت عطا فرما خود مکہ میں کھیتی باڑی اور بارغ وغیرہ کہاں لیکن دنیا کا کوئی پھل نہیں جو بازاروں میں پھرانہ ہو اور تولی اور فراغت کا شکر بھی بے پایا ہے۔ اتنی دولت اللہ تعالیٰ نے اس خطہ کو دے دی ہے کہ شاید اس کا ان کو بھی (بھی) شاہ فیصل اور ان کے خاندان والوں کو بھی) اس کا اندازہ نہیں ہے۔ دولت کے بہت سے دینے ایسے پڑے ہیں جن کو حکومت نے ابھی ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے ابھی تو مرمرن پٹرول کی آمدنی سے عیش با فراغت کے مرتلے جارہے ہیں۔ شاہ فیصل کی زیارت بھی ہوئی ان ہی چاروںوں میں جو حج سے پہلے ہائے اس خالی تھے ایک دن رات کو شاہی محل میں متنازعہ حجاج کی شاہ کی طرف سے دعوت

کی گئی۔ مومن اسلامی کی دوسری کانفرنس کے معزز مہمان ساری دنیا سے آئے ہوئے تھے۔ مولانا علی میاں نے ہیں بھی شاہی دعوت میں مدعو کرادیا اور ہمارے سفیرِ محترم کاظم قدردانی صاحب نے بھی ہمارا نام دے دیا تھا۔ لیکن طبیعت کا تقاضا دعوت میں شرکت کا نہیں ہوا اور ہم گول ہو گئے۔

زیارت ہوئی شاہ فیصل کی حرمِ محترم میں وہ کعبہ کو غسل دینے آرہے تھے پہلے سے جتنے تھا۔ دوپہر سے بہت پہلے تلاوت کے لئے حرم میں بیٹھے تھے۔ نظربری کو کانسٹیبلوں کی ایک پلیٹن قریب ہی پراجائے کھڑی ہے۔ خیال آگیا کہ غسل کعبہ ہونے والا ہے اور شاہ دستور کے مطابق آنے والے ہیں۔ سوچا چلو یہاں سے، غسل کے لئے اندر جانے کا سوال کیا یوں بھی اپنی اوقات ایسی نہیں کہ اندرون خانہ کعبہ جلنے کی جبارت کریں، ہم چلے باہر جانے کے لئے دہاں بھی پہرہ چوکی تھا۔ داپس آتے تو مشکل آگے جاتے تو مشکل اتنے میں شاہی سواری آگئی۔ لوگ باب السور کے اندر جدھر سے شاہ داخل ہو رہے تھے، دوردیہ استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور شاہ فیصل اندر داخل ہوئے، استقبال کرنے والوں نے حرمِ محترم کے اندر تالیاں بجا کر ان کا خیر مقدم کیا۔ شاہ کی زیریں عبا کی چمک پھر استقبال کرنے والوں کی تالیاں باتنے میں شاہ کو دیکھا کہ وہ تالیاں، بھانے والوں کو منہ پر انگلی رکھ کر منع کر رہے ہیں مگر کئی عدد فوٹو گرافروں کو کھلی چھوٹ ہے کہ وہ قدم قدم کی تصویریں حرم کعبہ کے اندر تالیاں اور ان تصویروں کو دھڑلے سے چھاپیں۔

تو ک حاجی صرف حج اور زیارت کرنے آتے ہیں نہ بازار سے کام نہ شاہ گدا سے واسطہ صرف ایک تبرک بڑی پابندی سے وہ مدینہ منورہ سے لیجاتے ہیں۔

مدینہ شریف کے چاندی کے چھلے، بڑے ادب و احترام سے اپنے یہاں کے لوگوں کو پیش کرتے ہیں وہ بڑی عقیدت سے انھیں پہن لیتے ہیں اور تادم مرگ پہنے ہتے ہیں یا اگر خوج ذریعت کو آئیں تو اتار دیں گے۔

حج کا احترام ہی ترک کرنے ہیں۔ ایک معاصی نے بتایا کہ ترکی حکومت اپنے باشندوں کو بین الاقوامی پاسپورٹ (انٹرنیشنل پاسپورٹ) بڑی آسانی سے دیدیتی ہے لیکن حج پاسپورٹ کے لئے اگر کوئی درخواست دیتا ہے تو ایسی آسانی سے اس کو پاسپورٹ نہیں ملتا۔ ہمدی جانچ کرانی جاتی ہے کیا آمدنی ہے کیا ذمہ داریاں ہیں، مفروض تو نہیں ہر قرض لے کر تو نہیں جا رہا ہے واپس آکر اپنے اور بال بچوں کے کھلانے کے لئے رہے گا اس کے پاس وغیرہ وغیرہ یعنی شرعی طور پر حج اس کے ادب فرض ہوا ہے یا نہیں۔ اگر ثابت ہوا کہ واقعی یہ مستطیع ہے تو حج پاسپورٹ اس کو ملتا ہے پھر جتنا زرمبادلہ مانگے اتنا دیا جاتا ہے۔ — باوجود اس کے کہ ترک حاجی مجھے سختی دہم پہ لاتا ہے، خرچ کرتا ہے صرف خیر خیرات میں یا چاندی کے چھلوں میں۔ ایک ایک طباق بھر کر خریدے جاتا ہے ایک ایک حاجی اپنے اور بھی زیادہ خرچ نہیں کرتا تکلیف ہی سے کہ وہ دینہ میں گزارتا ہے۔

## حج کے دنوں میں

تین چار روز جو ہمارے لئے فرصت کے تھے ان ہی میں مناسک حج کی ادائیگی کے انتظامات کرنا تھے۔ حج کے زیادہ تر مناسک (ارکان) مکہ معظمہ سے دور آٹھ دس میل کی مسافت پر ادا ہوتے ہیں۔

حج کا دن نوین ذی الحجہ (یوم عرفہ) ہے، اس سے ایک دن قبل مکہ معظمہ سے اس طرح روانہ ہو کر منیٰ جو چار میل دور ہے، جانا چاہئے کہ بائچ وقت کی نمازیں و اب پڑھ کر دوسرے دن کوئی دس میل دور آگے عرفات روانہ ہوا جائے۔

جائے کے لئے سوار یوں کا انتظام ہے بس ٹیکیاں (اندراج سے پہلے اونٹ ادرگہ بھاگنا زیارتیں) حاجیوں کو منیٰ اور عرفات پہنچاتی ہیں، ہمت دالے لوگ، (ودان کی تعداد بھی خاصی ہوتی ہے، یہ مسافت پیدل ہی طے کر لیتے ہیں۔ مگر ایسی ہمت ہر ایک کے پاس کہاں،

دو دریاں تین دریاں نی سولہ می کے حساب سے بس کے منیٰ پہنچا دیں

ہر علم اپنے حاجیوں کے لئے بیس فرام کرنا ہے اور ایک ساتھ سب کو سوار کو کے ڈانہ کر دیتا ہے لیکن پہلا حج کرنے والے کو اس موقع پر بھی حج کا تجربہ رکھنے والوں کے مشورے کی ضرورت پڑتا کرتی ہے۔ ہم سے مشورہ دینے والوں نے ہی کہا کہ ہم اپنے لئے الگ ٹیکسی کا انتظام حج کے تمام دنوں کے لئے کر لیں۔ یعنی ایک ٹیکسی کریں جو پہلے ہیں نئی پہنچائے وہاں ٹھہری رہے دوسرے دن ہیں عرفات پہنچائے اور شام کو عرفات سے واپس مٹی لاتے ہوئے رات بھر مزدلفہ میں قیام کے دوران ٹھہری رہے صبح کو مزدلفہ سے نئی پہنچائے پھر تین دن کے بعد مٹی سے مکہ معظمہ واپس پہنچا دے۔

اس مشورے کو بسر و چشم قبول کر لیا، خواتین جو ساتھ تھیں، اناسک حج کے سلسلہ میں کوئی اندیشہ مولیٰ کیسے لے سکتے تھے؟

کرایہ؟ کسی کو یقین نہ آئے گا کہ ایک دن چار میل دوسرے دن دس میل جانے، پھر دس میل واپس آنے اور تین دن کے بعد پھر چار میل لوٹ آنے کا کرایہ ایک ٹیکسی نے پورے سات سو ریال لیا ہو گا! اور اگر ہندوستانی اسکے میں آپ کو بتائیں کہ چودہ سو روپے کرایہ دیا تو آپ کیس گے کہ کیا مذاق ہے؟ ہمارا قافلہ سات افراد پر مشتمل تھا، امی، بھو بھو جان، مانی، جن میں جیانی عظیم بھائی، رچدھری عظیم الدین (اشرف)، ان کی بیوی اور خود ہم، ایک بڑی ٹیکسی جو سات سوار یوں کے لئے آرام دہ ہوسات سو ریال میں، اپنے معلم ٹوانا عبدالغادی اسکندر کی معرفت سطر طے کر لی۔

بیسویں سے جانے والوں کو پورے سفر میں فی کس دس بارہ ریال دینا پڑا



ہیں فی کس سوریال — کیونکہ ہم تکلیف اٹھانا نہیں چاہتے تھے چاہے دیوالیہ ہو جائیں! خیر دیوالیہ تو نہیں ہوئے لیکن تکلیف سے بھی نہ بچ پائے۔

منیٰ اور عرفات میں اتنے حاجیوں کے ٹھہرنے کے لئے قیام گاہیں نہ ہیں نہ ہو سکتی ہیں، دونوں جگہ خیمے اور شامیلے تعلیمین کی طرف سے لگائے جلتے ہیں جن کا کرایہ حاجیوں کو زیادہ کرنا ہوتا ہے، بڑا سا شامیانہ ہے تو اس کے نیچے سوڈ پڑھ سو حاجی پڑے اور فی کس تیس ریال دونوں جگہوں کے لئے دیدیئے اگر کوئی حاجی شامیانے سے فائدہ نہ اٹھائے تو اس پر کوئی جبر بھی نہیں میدان میں پڑ رہے۔

ہیں یہاں بھی آرام کی سوجھی، اور اپنے قافلے کے لئے بعض اور سرورقعی خوشحال حاجیوں کی طرح منیٰ اور عرفات میں الگ الگ خیموں کا آؤراپنے معلم کو دیدیا، اور خیموں کا کرایہ تین سوریال بھی ساتروں کی طرف سے پیش کر دیا معلم صاحب بھی کہتے ہوں گے کہ یہ نہ انکم ٹیکس دیں نہ سیس ٹیکس دیں آؤ کس ہوتے پران کو شاہ خرچیاں سو بھر رہی ہیں۔ اور ہم دوسروں سے یہ سن کر دہلے ہوئے تھے کہ منیٰ اور عرفات میں بڑی بڑی زمینیں ہوتی ہیں، بڑی انفرانٹری ہوتی ہے ساتھی بہت کم ہوتے ہیں اور عرفات کا گم شدہ ساتھی پھر کے ہی ہوتا تھا ہے۔ اس لئے پہلے ہی سے انتظام خوب جو کس رکھنا چاہیئے۔

بہر حال سب انتظام رونا لگی اور قیام کا ٹھیک کر کے اب اس سلمان کو دست کیا جو چارپانچ دزد کہ منظر سے باہر رہنے میں مددگار ہوگا، باقی سلمان عوامانہ منظر ہی میں چھوڑ دیا جائے گا، ہماری قیام گاہ کافی محفوظ جگہ تھی اس لئے کہ منظر میں بے کھٹے سلمان چھوڑ دیا جائے گا۔

عرفات میں ایک دن اذان میں چار دن نبھوں میں ٹھہرا ہے، عرفات میں پھر  
 کا کھانا تعلیم اپنی طرف سے پیش کرتے ہیں۔ نئی میں چار دن کھانے پکانے کا انتظام  
 خود کرنا ہوتا ہے، اس لئے جو بھارتی جنس وغیرہ اور بستر کپڑے سب لے جانا  
 ہوں گے وغیرہ سامان بھی ٹھیک کر لیا جو کسی تھی، مثلاً لائٹیں، ٹارچ وغیرہ وغیرہ  
 کی زندگی کے لئے یہ بہت ضروری ہیں اور وہ بازار سے خریدیں مطلب یہ نہیں کہ  
 یہ سب بذات خود ہم نے کیا، کیا انھیں تین میاں نے جواب تک سب کرتے رہے  
 ہیں یا پھر عظیم بھائی نے —

منی کے لئے روانگی سے ایک دن قبل جمعہ تھا، ہمارا پہلا جمعہ کہ معظمہ میں یہی  
 تھا، اور یوم حج سے اتنے قریب جو جمعہ پڑتا ہے اس میں نمازیوں کا اجتماع دیکھنے  
 کے قابل ہوتا ہے۔ بلکہ یوم حج کے دو چار دن پہلے جب تمام حاجی ہر طرف  
 سے سمت کر کہ معظمہ میں جمع ہو جاتے ہیں پانچوں وقت کی نمازیں بھی جمعہ  
 کی نماز کی طرح ہوتی ہیں نمازیوں کا وہی اجتماع، جگہ کے لئے وہی کش مکش  
 درود گھنٹے پہلے اگر نماز پنجگانہ کے لئے نہ جائے تو حرم شریف کے اندر جگہ  
 پانا ناممکن، سو اے ایک عصر کی نماز کے۔ اس میں جمعہ نسبتاً کم ہوتا ہے اس لئے  
 کہ حرم شریف میں جس وقت عصر کی نماز ہوتی ہے اس وقت حلیوں کے نزدیک  
 نماز عصر کا وقت ہی نہیں آتا ہے، احاف کے مفتی بہ مسلک پر وہ مثل سایہ جب  
 تک نہ ہو جائے ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔ حنبلی مسلک پر ایک ہی مثل ظہر کا وقت  
 ختم اور عصر کا وقت ختم شروع ہو جاتا ہے، جب سے سعودی خاندان بیان حکمراں  
 ہو چکا ہے جن کا مفتی مسلک حنبلی ہے حنبلی وقت کے مطابق عصر کی نماز حرم شریف

میں جوتی ہے۔ اس سے قبل حرم شریف میں چاروں مصلے، حنفیہ، مالکی، حنبلی اور شافعی الگ الگ تھے اور الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں، یہ مصلے اب تو رو دیئے گئے ہیں، اور آثار قدیمہ کی طرح اب صرف ان کی زیارت کی جا سکتی ہے کسی بھی فقہی مسلک کا حاجی ہو بلکہ کسی بھی عقیدے کا حاجی ہو، اگر وہ حرم شریف میں باجماعت نماز ادا کرتے کا خواہش مند ہے تو اسے حنبلی امام کی اقتدا کرنا ہوگی دیکھنے میں آیا کہ عموماً تمام مسلم فرقے حرم شریف کی نماز باجماعت کی فضیلت کو تمام فقہی اور اعتقادی اختلافات سے بالاتر سمجھتے ہیں۔

ایک دن عصر کی نماز کے بعد مغرب کی نماز کے انتظار میں ہم اور میں میاں مظان میں بیٹھے تھے دیکھا و دیندو مجتہد نجف اشرف کے رہنے والے آئے اور اپنی عبا میں بچھا کر ڈرائل پڑھنے لگے۔ بالکل قریب ہی تھا کہ پاکر ان سے باتیں کرنے کا شوق اس لئے پیدا ہوا کہ ان کی کتابی عربی ہم سمجھ اور بولی لیتے تھے وہ دونوں جب نفل سے فارغ ہوئے تو ان کو مخاطب کر کے ہم نے بات چیت شروع کر دی۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ ہم ہندوستانی اور کھنوی ہیں تو وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت کے بارے میں استفسارات کرنے لگے، ان میں سے ایک مجتہد مولانا سید محمد سعید صاحب کے شناسا تھے، انھوں نے ہندوستان کے فرقہ وارانہ فسادات کا ذکر کیا، اس سے قبل روڈ کیلا اور حبشید پور میں سخت فسادات ہو چکے تھے جن کا حال عراق کے اخباروں میں انھوں نے پڑھا تھا۔

ہم نے ان کو صاف صاف بتایا کہ ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ غلطیوں ہیں جن میں سے بعض غلطیوں جارجانہ انداز لکھتی ہیں اور فسادات کرنا ان کا مقصد ہے۔

انہوں نے سوال کیا کہ ان فسادات میں حکومت ہند تو ذریعہ نہیں ہوتی ؟  
 ان کا یہ سوال ان کی سیاسی بصیرت کا آئینہ دار تھا۔ ان کو بتایا کہ جہاں تک ہندو  
 مسلمانوں کا تعلق ہے وہ فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلے میں حکومت سے اچھل جاتے  
 ہیں وہ خود لے جاتے ہیں، تو جہاں بے بیش کرتے ہیں اور کنزیشن وغیرہ کرتے ہیں۔  
 اس کا یہی مطلب نکلتا ہے کہ وہ حکومت ہند کو فسادات میں ذریعہ نہیں سمجھتے  
 انہوں نے کہا: تو وہ شکایت باقی نہیں رہتی جب حکومت فساد یوں سے نپٹنے کی کوشش  
 کرتی ہے ؟

غیر نماز مغرب کا وقت آ گیا، اذان ہوئی، اہل ہندو یہاں کے دستور کے برعکس  
 اذان اور مغرب کی جماعت شروع ہونے کے درمیان تھوڑا وقفہ کہ مغل اور دہلیہ  
 منورہ میں ہوتا ہے۔ بعض صحیح حدیثوں کی متابعت میں کہ صحابہ مغرب کی اذان کے  
 بعد جب تک حضور انوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ مبارک سے برآمد نہ ہوں نفلیں  
 پڑھنے کے لئے مسجد نبوی کے ستون کی طرف لپکتے تھے اس وقفے کو حنفی مسلک کے  
 برخلاف بہت سے احناف یہاں زانیں میں صرف کرتے ہیں اور ہم بھی اس موقع  
 سے فائدہ اٹھانے میں ذرا کم چوکتے تھے۔

ہر حال اس وقفے کے بعد جماعت کھڑی ہوئی تو ان دونوں مجتہدین نے  
 اور ان کے ساتھ ایک اور عراقی مجتہد نے جو بعد میں آگے آئے تھے حنبلی امام کی اقتدا  
 میں نماز مغرب پڑھی۔ اگلی مسلک کے بھی بہت سے اہل سنت جو سوڈان اور ذریعہ  
 کے دو حصے ملکوں سے آئے تھے اسی حنبلی امام کی اقتدا میں ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے  
 تھے جیسے شیعہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔

نواب چاروں حصے ختم ہو چکے ہیں اور ایک ہی امام غنیمتی ہے پانچوں دقت کی نماز پڑھاتا ہے اور سب اس کے پیچھے پڑھتے ہیں عصر کی نماز میں جو احاد کے نزدیک حرم شریف میں تین از دقت ہو جاتی ہے بعض خفیوں کو دیکھا کہ وہ شریک نہیں ہوتے جو خفی شریک ہوتے تھے ان کی اتباع ہم نے بھی کی اگرچہ ہمارے بزرگ مولانا مفتی محمد عتیق صاحب فرنگی علی نے سمجھو دہ کی راہ سو جھادی تھی کہ عصر کی نماز میں نفل کی نیت کی شریک ہو کر احاد کے دقت اٹھانے پر پھر عصر کی نماز پڑھ لی جائے۔ وہ اسی پعمل کرتے تھے۔

ہمارے مولانا عتیق صاحب بھی اس سال حج کو گئے تھے ان کو، رذی اللہ عنہ کو حج کی نماز کے بعد حرم شریف میں دیکھ کر میں ادب تعجب ہوا بہت تعجب اس لئے نہیں ہوا کہ بیسی میں سن گئی مل گئی تھی کہ ان کو بھی بذریعہ ہوائی جہاز چلنے کی اجازت مل گئی ہے جب انہوں نے بتایا کہ ان کی بیوی اپاری جچی صاحبہ ابھی ساتھ آئی ہیں تو اتنی حیرت سے ان کا منہ دیکھنے لگے اگر حرم شریف میں نہ ہوتے یا ان کی ہندو سنجی کا کوئی سابقہ تجربہ نہیں ہوتا تو ہم سمجھتے کہ مذاق کر رہے ہیں۔ ان کی اہلیہ ہماری بیوی کی رشتہ میں بہن ہیں ہم ان کے ہر طرح خود ہونے کے باوجود ہم زلف بھی ہیں، ذراج کے محاذات ہم دونوں میں نہ اتنی کی گنجائش بھی تھی!

اسوان کی پیارا اہلیہ کس طرح آگئیں؟ جب گفتگو میں مولانا عتیق صاحب سے نصیحت ہونے کے لئے ہم گئے تھے تو حج کے سلسلے میں بہت سی گداز قلب کی باتیں انہوں نے کی تھیں۔ یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ وہ بھی کوشاں ہیں پھر انہوں نے اپنی بیوی کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے معاذین کی دایوں کے پیش نظر خاصی تشویش

ظاہر کی تھی۔ جب ہم ان کی اہلیہ سے رخصت ہونے گئے تو ان کی کمزوری کا حال اس قدر سے دیکھ کر ابھی خاصی تشویش خود ہم کو ہو گئی تھی۔ وہ اسی وقت بیت الخلاء سے آئی تھیں۔ پھر کل دس قدم چلنا پڑا ہو گا، بے حال ہو کر تخت پر بیٹھ گئیں۔ ہمیں دیر تک سانس بھی ٹھیک طریقے سے وہ نہ لے پائی تھیں۔ چند روز میں دن ہی پہلے کی تو بات ہو!

جب مولانا مفتاح صاحب نے اپنی بیوی کی آمد کا ذکر کیا تو ہم دیکھ رہے تھے کہ ان کا چہرہ بشرہ مطمئن بھی تھا اور سرور بھی، یا رب! ایسی بیمار خاتون کو یہاں لے آنے کا جذبہ تو خیر کچھ میں آ سکتا تھا لیکن یہ اطمینان کیا معنی؟ کیا ان کو اتنے بڑے اقدام کے خطرات کا کوئی اندازہ نہیں؟ یہ ہم سوچنے لگے۔ اس کے بعد جب بیمار ابھی صاحبہ سے ملنے گئے تو باوجود سنگین علالت کے ان کی شادمانی دیکھ کر تو حق یقین ہو گیا کہ حاجی حاجی مرہٹے میں برابر نہیں ہوتے۔ اس دلت اپنی گھبراہٹوں پریشانیوں اور بدحواسیوں پر لا حول پڑھنے کا جی چاہا اور اپنی جگہ پریشانی سی، ہونے لگی۔ — سچ ہے ہم بند شپ و روز میں جکڑے ہوئے بندے ان کی ہرگز برابری نہیں کر سکتے جو "خائن افسار دنگا زندہ آفات" سے خالص علے کہتے ہیں

مردی اکچہ کو جمعہ تھا ہی، اگر جمعہ نہ ہوتا تب بھی آج تھکر کی نماز کے وقت حرم شریف کا امام ایک خطبہ دیتا جس میں وہ سرکاری طور پر اعلان کرتا کہ اس سال سچ کس دن ہو گا؟ اس کا سچ کی تفصیل بتاتا۔ جمعہ کا دن تھا اس لئے خطبہ جمعہ کے ضمن ہی میں خطبہ سچ کا فرض بھی ادا ہو گیا۔

اس نماز جمعہ میں حرم شریف کے اندر نمازیوں کا جوار دھام تھا اس کا ذکر کیا  
 کہیں۔ تین میان مولانا محمد میاں الدہ آبادی اور ہم کو زیر تعمیر حرم کی ان سیڑھیوں  
 سے ایک سیڑھی پہ جو عمارت کی اوپری منزلوں کو جاتی تھی بدقت کام جگہ ملی ایک  
 زینے کی لادقات ہی کیا ہیں انہی جگہ ملی کہ نماز سے پہلے انتظار نماز میں بیٹھ سکے۔ اتنے  
 میں لیبیا کا ایک حاجی احرام باندھے آیا اور ہم سے جو سکڑے کھٹے بیٹھے تھے جگہ مانگنے  
 لگا۔ رہتا اس نے جگہ مانگی تھی، ہماری رضامندی اور منظور کی کا اندازہ کئے بغیر ہی  
 وہ ہمارے پیچھے اپنی چھتری اور جوتا رکھ کر ہمارے آگے بیٹھ گیا۔ محمد میاں صاحب  
 الدہ آبادی کی خندہ پیشانی کو دیکھ کر ہم بھی خراخ دی دکھانے پر مجبور ہو گئے اور سمجھ  
 لیا کہ یہ حرم شریف ہے اپنے ملک کی مسجد نہیں جہاں ایسی حرکت پر لوگ لڑتے ہیں  
 آپ زرم پلانے والے لمبی لمبی مراجاں لے کٹورے بچھتے ہر نانکے وقت  
 صفوں کے درمیان گھوما کرتے ہیں۔ چون کہ دو در گھٹنے قبل نمازی صفیں بنا کر  
 بیٹھ جاتے ہیں اور پیاس بکھانے کے لئے اپنی جگہ چھوڑ نہیں سکتے اس لئے زرم  
 پلانے والوں کی ضرورت بہت رہتی ہے۔ زیادہ نہیں ایک قرش (دو ریال کا بیرو) یا  
 حصہ یا اپنے دو آنے اندر زرم پلانے والوں کی تذکرہ دیکھئے۔ اور کبھی بغیر کچھ نذر  
 کے زرم پلانے والا جاتا ہے یہ اس وقت جب کوئی حاجی اسے ایک ریال  
 دے کر ایک کٹورہ خود پیتا ہے باقی بھیل کر دیتا ہے۔ ہمارے پاس بیٹھ جانے  
 والے یسائی حاجی نے زرم والے کو ایک ریال دیا اور بھیل کر دیا اس نے ہم تینوں  
 کو لیبیائی حاجی کو اور دو چار اور حاجیوں کو اپنی اندازاً اتنے حاجیوں کو جتنوں کو زرم  
 پلا کر وہ ایک، ریال اکٹھا کر سکا ایک ایک کٹورہ پلایا۔ اس طرح بھیل کرنے کا

دستور پہلی دفعہ ہمارے تجربے میں آیا۔

جمعہ کا خطبہ ہوا۔ بس یہ سنا لی دیا کہ خطبہ پورا ہے۔ کیا ہو رہا ہے سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ جو میں حرمین میں خطبہ نماز، یکسیرات، اذان سب لاؤ اسپیکر پر ہوتی ہیں بلکہ جہہ ریڈیو، کہ مخطہ اور دہنہ منورہ کی مغرب کی نماز میں روزانہ دے بھی کرتا ہے۔ چونکہ نماز کی یکسیرات امام کے سامنے والے میکروفون سے بھی نشر ہوتی، اس لیے وہ بخوبی سنا دیتی ہیں۔ خطبہ صرت امام کے سامنے والے میکروفون سے نشر ہوتا ہے وہ پوری طرح سنا نہیں پڑا۔ مختصر خطبہ تھا جس کے بعد جماعت شروع ہوئی۔ امام کے سلام پھیرنے کے فوراً ہی بعد لبیائی حاجی نے ہمارے طرف جہ اس کے سامنے پر تھے وہ فوں ہاتھ بڑھائے پہلے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں ہاتھ بڑھائے ہیں پھر اندازہ ہوا کہ مصافحہ کرنا مقصود ہے اس نے ہم سے اور بائیں طرف بیٹھے تین میاں اور محمد میاں صاحب اور آبادی سے مصافحہ کیا۔ خیال ہوا کہ یہ کوئی خوش اخلاق حاجی معلوم ہوتا ہے۔ پھر تو کئی موقعوں پر کہ مخطہ اور دہنہ منورہ میں سلام پھرتے پس پڑوسی مقتدیوں سے مصافحہ کرنا پڑے۔ خطاب محمد مسلم صاحب (ایڈیٹر روزنامہ دعوت دہلی) نے اس مصافحہ کی وقعت پر ایک دن روشنی ڈالی وہ جماعت میں ایک دفعہ ہمارے پاس ہی تھے اس طرح مصافحہ ہونے کے بعد انہوں نے کہا یہ ابھی بات ہے یا

پوچھا کس کا خط ہے؟

انہوں نے کہا جماعت میں مقتدیوں کی کش مکش سے جو تھوڑی بہت دعوت ایک کو وہ سرے سے پہنچتی ہے یہ مصافحہ اس کی تلافی میں کیا جاتا ہے؟



ایک دفعہ مدینہ منورہ میں ریاض الجنہ کے مختصر مگر مقدس زمین مقام میں ہم کو عصر کے وقت خوش قسمتی سے جگہ ملی گئی۔ طے کر لیا کہ عصر کی نائز کے بعد بھی بیٹھے رہیں گے اور مغرب کی نائز بلکہ غشا کی نائز بڑھ کر اٹھیں گے ایسے مواقع کہاں نصیب ہوتے ہیں! بیٹھے رہے، سامنے الما دیوں میں قرآن شریف رکھے تھے مگر لکڑی بڑھنے لگے اتنے میں مغرب کی اذان کا وقت آ گیا اور تلاوت کرنے والے اپنے قرآن شریف حاجیوں کے سپرد کرنے لگے۔ ایک اور میر عرب ناگتا پھاہندہ آیا اور ہمارے صفت میں بیٹھنے کے لئے جگہ چاہنے لگا۔ سر کے تک کی گنجائش دہاں تھی۔ ایک ہی صورت تھی کہ اپنی جگہ اس کو دے کر خود دھکے کھاتے پیچھے کیس جا کر کھڑے ہو جاتا کسی دینی فضیلت کے حاصل کرنے والے پر اختیار لازم نہیں ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پس خوردہ عنایت فرمایا۔ حضور انورؐ کی داہنی طرف مجلس مبارک میں تھے بائیں طرف حضرت عباسؓ ان کے والد اور حضور انورؐ کے چچا تشریف فرما تھے حضور انورؐ نے داہنی طرف داسے کے حق کو مرجع قرار دیتے ہوئے ابن عباسؓ کو پس خوردہ عطا فرمایا اور یہ بھی فرمادیا کہ "بند کرو تو اس میں سے عباسؓ کے لئے بھی چھوڑ دینا"

ابن عباسؓ نے بے ساختہ عرض کیا کہ حضور انورؐ کے پس خوردہ کے حصول کی سعادت میں میں ادنیٰ اختیار بھی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں یہ کہہ کر فوراً پالہ دوڑا کر آیا۔ بلکہ بیالہ کو انگلیوں سے چاٹ تک لیا حضرت عباسؓ جن کو حضور انورؐ کے پس خوردہ نصیب نہ ہونے پر ایک طرح سے قلعہ ہو گیا یہ دیکھ کر کہ حضور انورؐ کے

دہان مبارک کے چھوٹے ہوئے چالہ اور پس خوردہ کا یہ احترام ان کا بیٹا کر لے رہے خوش ہو گئے۔ اس سے عورتیں نے فتوہ نکالا ہے کہ دینی نفیلت کے معاملے میں "ایتیار" لازم نہیں ہوتا۔

ہم نے خود اٹھ کر دوسرے کے لئے جگہ خالی کر دینے سے انکار کر دیا عرب صاحب نے ناگواری سے کہا "آپ مجھے نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ مجلس میں جب جگہ مانگی جائے تو جگہ کا لو"۔

ہماری نظر میں اس استدلال کا زیادہ وزن نہ تھا اس لئے کہ مردوں اور گردنوں پر بچا ہونے ہوئے اگلی صف میں بیٹھنے اور صفِ ادل کا ثواب حاصل کرنے کی کوشش سے صراحتاً ممانعت شرع میں وارد ہوئی ہے۔

بہر حال عرب صاحب کے لئے جگہ تین چار بلکہ پانچ چھ آدمیوں کے سنبھالنے سے یہ مشکل نکلی نماز کے بعد ہم سمجھے کہ وہ بھی اس کلفت و زحمت پر جو ان کی دوسرے صفِ داہلوں کو ہوتی مصافحہ کر سگے گویا نہ ہو، اب ہم نے خود ان سے صفائی کے لئے مصافحہ کیا اور اپنی بے مروتی پر معافی مانگی، وہ مدینہ شریف میں رہتے تھے اور بتایا کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد میں ہیں یعنی وہ ہمارے ہم جہ نیکے۔ غیر، رزی، بھوکہ جو جمعہ حرم شریف میں پڑھا جو ہمارا پہلا جمعہ تھا اس سے طبیعت میں سرور کی سی کیفیت پائی مگر اس سرور کو اگلی آنے والی منزلوں کا تصور بار بار مغلوب کرتا چاہتا تھا۔

مغرب تو یہ ہے کہ آج کا دن گذار کر رات کو عشا کی نماز حرم میں پڑھ کر رات ہی میں کسی وقت حج کا احرام وہ لوگ بازو لیں جو عمرہ ادا کر کے احرام اتار چکے

تھے جو وصلہ مندر قرآن نوح اور عرصہ دونوں اکابر احرام میقات میں باندھ چکے تھے یہاں  
نے نہ اپنا احرام اتارا تھا نہ انھیں دوبارہ باندھنا تھا۔

عشا کی نماز حرم میں پڑھ کر ہم لوگ کھانا کھانے قیام گاہ واپس آ گئے اور  
پھر صبح ۸ روزی ایکھ کو وہیں سے احرام باندھ کر اس ٹیکسی سے جو پہلے سے ملے  
ہو چکی تھی منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے ٹیکسیوں اور بسوں کا ایک عظیم اٹان سلسلہ  
ہمارے آگے پیچھے تھا اور ٹریفک کنٹرول کے لئے جگہ جگہ مابھی کھڑے تھے اور وقت  
سب سواریاں ایک ہی سمت جا رہی تھیں آنے والی سواریوں کا کوئی سوال نہ تھا  
اس لئے بڑی آسانی سے پہاڑی شیب و فراز کی حامل جار میل کی مسافت طے کر کے  
ہم لوگ منیٰ میں پہنچ گئے۔ ہم سے پہلے بھی ہزاروں حاجی وہاں پہنچ چکے  
تھے ٹیکسی سڑک پر ایک جگہ رک گئی، اپنے معلم مولانا عبدالعزیز اسکندر کا ملا  
منیٰ میں کہاں ہے یہ ہمیں تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی، ہمارا ٹیکسی ڈیڑھ گھنٹہ  
جاننا تھا، اتفاق سے سڑک ہی پر معلم کے صاحبزادے عبدالوہابی مل گئے جہاں ٹیکسی  
رکئی تھی وہیں سے ایک مرنے والی سڑک پر پہلی قطار میں تیسرے خیمہ ہم لوگوں کا تھا  
ٹیکسی وہاں تک بھی جاسکتی تھی سامان اتارنے کے لئے اُسے لے جانا ضروری بھی تھا  
ورنہ اس مسافر نے مختصر سامان کے بھی تین چار ریال تو دینا ہی ہوتے۔

منیٰ، کہو ایک قصبہ سمجھئے، جہاں بختہ عمارتیں بھی ہیں، ہوٹل بھی اور مستقل آبادی  
بھی مگر کچھ وہ قصبہ نہیں بڑے بڑے شہروں میں کا ایک شہر ہے ہوٹل، کچھ مگر کی  
ہیں جن میں سعودی حکومت کے مہمان قیام کریں گے باقی نجی ہیں جن میں صاحبان  
ثروت اور خوش حال حاجی ہزار ڈیڑھ ہزار ریال چار دن کے لئے قیام پذیر

ہوں گے۔ باقی قطعات میں یعنی میدان جو قطعہ قطعہ دھلاٹ دھلاٹ کر کے تمام معلول کوٹے دیا جاتا ہے۔ یہ بہت بڑا علاقہ ہے۔ سب کا چکر لگانا کسی کے بس کی بات نہیں، ہمارے معلم کا علاقہ خوش قسمتی سے اصل سڑک سے ملی ہوئی سڑک کے شروع ہی میں تھا۔ یہاں سے مسجد خیف — وہ قدس مقام جہاں ”حجۃ الوداع“ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک خیمہ ایسا وہ ہوا تھا — چتر قدم کے فاصلے پر ہے۔ ہر معلم کا الگ جھنڈا ہوتا ہے جو اس کے علاقے میں بہت اونچے بانس پر لہرا کر تا ہے۔ بھیڑ میں گم ہونے والا حاجی اس جھنڈے کو دیکھ کر اپنے معلم کے علاقے میں واپس آ سکتا ہے، — یہ بھی سناخود تجربہ نہیں ہوا، کہ مسجد خیف میں معلمین کے کاروبار اپنے اپنے جھنڈے لے بیٹھے ہوتے ہیں اگر کوئی بھوللا بھٹکا راستہ نہ پاسکے تو مسجد خیف چلا جائے وہاں جھنڈے سے معلم کے کاروبار کو پہچان لے وہ اُسے علاقے تک پہنچا دیں گے۔

## منیٰ اور عرفات میں

مکہ معظمہ سے تقریباً چار میل دور منیٰ میں ۸ روزی الحجہ کو اپنی گھڑی سے ۹ بجے دن میں پہنچ گئے تھے اور ایک خیمہ میں فروکش ہو گئے تھے، اپریل کی تاریخ تھی، ہمارے حساب سے ایسی گرمی کے دن نہ تھے کہ خیمے پہننے لگیں یا سایہ میں بھی گرمی کی شدت پریشان کرے۔ لیکن جہاں ہم تھے وہ پہاڑی علاقہ چٹانوں اور پتھروں کی سرزمین تھا صبح ہی سے اس کا چنار برحق تھا، پھر ریگستان اور پہاڑی علاقے میں جہاں تک دن کا تعلق ہے اپریل کا مہینہ ہمارے یہاں کے مئی کے پھینسے بھی زیادہ گرم ہوتا ہے۔

خیمے بھی بس اکھرے کپڑے یا ٹاٹ کے اتنے بڑے تھے کہ چار یا پانچ بستر بچھ جائیں پھر خیمے کے اندر جوتے اتارنے کی بھی جگہ نہ رہے۔ آج یہاں کوئی خاص کام حج سے متعلق نہ تھا، پکھونے بچائے سامان رکھا اور اس تپش میں آرام کرنے کی سوچنے لگے۔

ہمارے معلم صاحب کے خیول کا پورا سلسلہ ہمارے جانتے دانتوں ہی سے اکاؤ

تھا۔ پہلے خیمے میں کھنڈ کے مشراشتیان احمد عباسی ہیر سڑکی بوی بیگم اختر اشتیاق تھیں۔ دوسرے میں شیخ محمود الحسن (رناؤ ڈسکرٹری حکمہ مال یو بی) ان کی اہلیہ ان کے چھوٹے بھائی شیخ محمود الحسن ریناؤ ڈسکرٹری (اور ہمارے حج و غیرہ آفیسر) اور ان کی اہلیہ تیسرے خیمے میں ہمارا قیام تھا، چوتھے میں سید اکرام الحق (لاٹوش روڈ لکھنؤ) ان کی اہلیہ، عارف خیر آبادی عرف ملا میاں، اصغر علی انصاری (لاٹوش روڈ لکھنؤ) رفیق صاحب اور ان کے صاحبزادے (بھٹی گنج جو رہے پر جن کی لائڈری ہے) اس کے آگے ہمارے عزیز شیخ حمید حسین (رکاب گنج) سعید النطف اور سعید النطف (لکھنؤ) مولانا محمد رؤف نگرانی (اشادہ دار العلوم ندوہ) مع اہلیہ اور ہمارے بزرگ عزیز مولانا محمد مفتی خرنگی علی اور ان کی اہلیہ وغیرہ خیموں کے سلسلے کے پیچھے بڑا سامان تھا اس میں اتر پردیش کے چالیس پچاس حاجی اور بھینس تھیں۔

خیموں کے سامنے سڑک تھی کوئی آٹھ دس فٹ چوڑی کہ موڑ اور بس گورنمنٹ سڑک کی دوسری سمت پھر خیمے اور سامان تھے جس میں دو گھڑیوں کے حجاج قیام پذیر تھے۔ خیموں اور شامیانوں کا یہ سلسلہ تاحد نظر دکھائی دیتا تھا، گھوم پھر کر دیکھنے کی ہمت تو نہ ہوئی، دور ہی سے دیکھتے تھے۔

دور سے دیکھا تو ہم لوگ جن پہاڑوں کے درمیان مقیم تھے ان پہاڑوں پر نیچے سے اوپر تک چٹانوں کی آڑیں لاکھوں آدمی ٹھہرے ہوئے تھے، نہ خیمے نہ شامیانے، نہ دھوپ سے بچنے کے لئے چھتریاں نہ پردے، ان میں بچے بھی ہوں گے منہ نہ لگیں ہیں نیچے سے دیکھنے میں سب ہی ان کے نظرائے تھے۔ چھوٹے چھوٹے قد

حکمت کرتے دکھائی پڑتے، رات کے وقت جب پہاڑ کے باشندوں کی لائینیں ایک ساتھ ملیں تو اندازہ ہوا کہ نیچے سے کئی گنا زیادہ آبادی اور پر تقیم ہے۔ مگر یہ سب عرب کے باشندے اور زیادہ تر اعراب (وہی باشندے) تھے، جو پہاڑوں پر بے تکلف ٹھہر گئے تھے۔

آج کل منی کی آبادی کی نہ پوچھیے، ۴۰ لاکھ انسان یہاں بے ہوشے تھے۔ کہنا اور دامن کوہ کی آبادی کو ظاہر۔

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے سلسلے میں منی تشریف لائے تھے — اور صرف ایک ہی بار آپ نے حج فرمایا وہی حج اولین تھا اور وہی دو اعلیٰ (آخری) — تو منی صرف ایک میدان تھا جو پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا، آپ نے خیمہ نصب فرما کر مسجد خیف ہی میں قیام فرمایا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اجادت ہو تو حضور کے قیام کے لئے ایک مکان یہاں بنا دیا جائے حضور اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عرضداشت کو نامطلوبہ فرمایا۔

اس وقت سینکڑوں ہزاروں بچتہ اور عالی شان مکان منی میں بنے اور پرانے ہیں، یہ صرف چار پانچ دن کے لئے آباد ہوتے ہیں پھر خالی پڑے رہتے ہیں۔ انکا مکان ان کا کرایہ اسی طرح لیتے ہیں جیسے ہمارے یہاں منی تال اور موری کے مکان مالکان کا دستور ہے کہ پورے سیزن کا کرایہ انھیں عطا چاہیئے چاہے دو دن رہا ہو، منی میں تو پانچ دن سے زیادہ رہنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ کرایہ پورے سال بھر کا دینا ہوتا ہے۔

ہمارے سفارت خانے کوہ و مصرے تمام ملکوں کے سفارت خانوں کی طرح

مثلاً میں اپنا عارضی دفتر کھولنا ہوتا ہے، اپنے حاجیوں کی دیکھ بھال کے لئے، اس میں ڈپنٹری بھی ہوتی ہے اور ریفرنوں کے ہنگ بھی۔ سیفر اور ان کے عملے کے قیام کے لئے کمرے بھی، اور عام حاجیوں کو حکومت ہند کی طرف سے برت پانی پلانے کے لئے بسیل رکھنے کی گنجائش بھی۔

سفارت خانے کی ضروریات کے لئے ایک متوسط درجے کا تین منزلہ مکان سب سڑک لیا گیا تھا، پانچ دن کے لئے صرف، جس کا کرایہ سولہ ہزار ریال (۱۰ لاکھ) لگایا گیا۔ سرکاری ہسپتال اور دوسری ضروریات کے ذخائر بھی یہاں ہیں ان کے لئے بڑی بڑی عمارتیں بطور جدید بن گئی ہیں۔ بجلی بھی ہے اور واٹر ورکس بھی، دکانیں بھی ہیں ہوٹل بھی اور شاہی افراد کے لئے عمارت بھی!

منی وہ تاریخی جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام اپنے خواب کی تعبیر پوری کرنے کے لئے اپنے بیٹے اسماعیل علی نبینا وعلیہ السلام کو ذبح کرنے لائے تھے۔ اور رستے میں تین جگہ شیطان نے ان کو اس ارادے سے باز رکھنے کے لئے بہکانے کی کوشش کی تھی۔

پھر اس خواب کی تعبیر چیسے کے بجائے دینے کے ذبح کرنے سے پوری ہوئی، اس کے بعد سے آج تک قربانی کی رسم جاری ہے یہ اسکی ذبحِ عظیم کی یاد میں ہے جگہ پورا حجِ ماضی ملت ابراہیمی کی پیروی ہے۔

یہاں تین شیطان بنے ہوئے ہیں (جیسے یا بت ہمیں صرف ملائیس) جن کو ککڑیاں ماننا حج کے ضامک میں ہے۔

یہیں مسجد ضیف ہے جہاں حضور اور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا تھا،



مہین مسجد میں آپ کا قیام تھا جہاں ایک قبہ بطور مبارک یادگار کے بنادیا گیا تھا  
قبہ اب بھی موجود ہے۔

آج ۹۰۰ ہجری کے قریب کوئی خاص کام نہ تھا صرف پانچ وقت کی نمازیں یہاں  
ادا کرنا تھیں، کیا اچھا تھا کہ یہ نمازیں وہیں مسجد خیف میں ادا ہوتیں جہاں حضور  
انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی تھیں مگر پانچ کیا، ایک نماز بھی وہاں نصیب  
نہ ہوتی، ہم میں سے بہتوں کو اپنی قیام گاہوں ہی میں کبھی جماعت سے کبھی بغیر  
جماعت نماز پڑھنا پڑی

مسجد خیف میں یا اس سے قریب تر کس قیام کرنا افضل ہے مگر صورت حال  
یہ ہے کہ لوگوں نے مسجد خیف کو سرانے بنا رکھا ہے اور سعودی حکومت نے اس  
صورت حال سے چشم پوشی اختیار کر رکھی ہے، مرد، عورتیں بچے ہندیا چلھا سمیت اس  
دیس و عریض مسجد میں ہر طرف اس طرح قیام پذیر ہیں کہ جماعت میں شامل ہونے  
کے لئے مسجد کے اندر پہنچنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

ایک دفعہ مسجد کی زیارت کے لئے نماز کے اوقات کے علاوہ گئے تو اندرون مسجد  
کئی ایسی جگہ ملی جسے صاف کئے بغیر دور کھینٹنٹھ کی پڑھ لینے، پختہ رنگ مر کا  
فرش گروہ بھی صاف نہیں رہ پاتا۔

احرام باندھ کے کہ اسٹمپ سے مدانہ ہٹے تھے۔ احرام باندھے، ہٹا دی مٹا  
تو یہ ہم نے احرام کئے، منتخب کیا تھا کہ اس سے ریمو کی ہڈی دھوپ کی نمازات  
سے بچی رہتی ہے سو اس گری میں وہ بھی بار بار اپنی یاد دلانا رہتا تھا۔

خیر اپنے نیچے میں کچھ نے پچھا کہ جس بچے دن کے قریب ہم نے سونے کا اماں کیا

اور باوجود تپش کے آنکھ لگ بھی گئی تھوڑی دیر ہوئی ہوگی کہ جگانے سے اٹھے دیکھا ہمارے سفیر احرام پہن کر کھڑے ہیں جگ رہے تھے۔

”تم پڑے سو رہے ہو اور ہم اس گرمی میں جگہ جگہ گھوم رہے ہیں۔“

ہم نے معذرت کی کہ ٹھکن معلوم ہو رہی ہے سو جلنے دیجئے۔“

مرد بھائی نے معذرت قبول نہیں کی پہلے حکم دیا کہ خواتین کو خیمے سے سفارت

خانے پہنچا دو جہاں مرد بھائی کی بیوی تھیں۔

ایک صاحب کو ساتھ کیا کہ وہ سفارت خانہ کا پتہ بتا دیں گے۔

ایک میل سے کم مسافت ہوگی ہماری قیام گاہ سے سفارت خانے کی مگر یہاں سے

وہاں تک ٹیکسی جان نہیں سکتی منع ہے۔ اسی وغیرہ کو اتنی دیر پیدل چلانا بھی

ٹھیک نہ تھا میتن میاں نے ایک فخر گارڈی طے کر لی اس کو اجازت تھی اس پر

سب کو بدقت تمام سوار کر کے سفارت خانے پہنچایا۔ ہم تین آدمی میتن میاں غلط بھائی

اور ہم خیمے میں آئے۔

یہاں کھانے پینے کی دو کافین بہت ہیں اور ہم لوگ کیا سب ہی لوگ کھانا

پکانے کا سامان ساتھ لائے تھے لیکن زیادہ تر لوگوں نے خرید ہی کر کھایا۔ سچ ہی

تو ٹھہرنا ہے کل صبح عرفات جانا ہے ہمارے سفیر اپنے محلے کے بعض افراد کے ساتھ

مٹی میں مقیم ہندوستانیوں کی خیر خبر لینے کے لئے دورے پر چل پڑے۔ سب ہندوستانی

حاجی لایک ہی جگہ تو ٹھہرے نہیں تھے اپنے اپنے معین کے ملاؤں میں جا رہے

ٹھہرے تھے ان سب تک پہنچنا مرد بھائی نے مزدوری سمجھا سب کی ضروریات پوچھیں

مولانا آدمی صاحب کی اہلیہ کو بہت سخت بیمار تھا ان کے لئے اپنے لاکڑ کو بولایا

اس طرح تمام ہندوستانیوں کی خبر سلا پوچھتے ہوئے اور جو انتظامات سفارتخانے کے عارضی دفتر کے ذریعہ ممکن تھے ان کا بندوبست کرتے ہوئے نہ معلوم کتنے بچے اپنے دفتر واپس ہوئے ہوں گے۔ ایک دن میں ہر جگہ وہ پہنچ بھی نہ پائے تھے۔ کل صبح عرفات کے لئے روانہ ہو گئے۔ ہمارے ٹیکسی ڈرائیور نے جو نو جوان آدمی ہے ہدایت کی کہ فجر کی نماز کے بعد ہی یہاں سے عرفات چل دیں۔ مگر اس کے حکم کی تعمیل میں دشواری یہ تھی کہ صبح خواتین کو سفارت خانے سے خیمے تک لانا تھا۔ ٹیکسی وہاں جانی نہیں سکتی تھی ایک طرف ڈریفنگ کی وجہ سے یہاں سے پیدل جانا ہو گا وہاں سے عورتوں کو پیدل ہی لانا ہو گا۔ خچر گاڑیاں اور گدھا گاڑیاں سب عرفات کے لئے بک ہو چکی تھیں یہ اتنی جلدی کیسے ہو پائے گا۔

دہی ہو کر فجر کی نماز کے بعد روانہ ہونے کے بجائے کوئی آٹھ بجے دن کو پہلا قافلہ منیٰ سے عرفات کے لئے روانہ ہوا۔ آٹھ دس میل کی یہ مسافت تھی اور تاثر مجرب کلائی سے کچھ رہے تھے کہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے میں عرفات پہنچ جائیں گے۔ چار گھنٹے میں ملے پہنچے تو سمجھے بڑی دیر کی پہنچنے میں۔ بعد میں پتہ چلا کہ بہت جلدی پہنچنے بعض اللہ کے بندے آٹھ دس گھنٹے میں منیٰ سے عرفات پہنچ پائے۔

رہ رو راہ محبت کا خدا حافظ ہے

اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

منیٰ سے عرفات پہنچنا، اس دفعہ وہ مشکل مرحلہ ثابت ہوا کہ سب ہی کے چھکے چھوٹ گئے۔ ڈریفنگ کا بہت ہی معقول انتظام تھا۔ ایک طرف ڈریفنگ تھی اور جگہ جگہ ٹریفک کنٹرول کے لئے احرام پوش افراد سونے ہاتھوں میں لے لی تھیں تھے۔ بیشتر ایسے جوان

اور باوجود تپش کے آنکھ لگ بھی گئی تھوڑی دیر ہوئی ہوگی کہ جگانے سے اٹھے دیکھا ہمارے سفیر احرام پوش کھڑے ہیں جگ رہے تھے۔

”تم پڑے سو رہے ہو اور ہم اس گرمی میں جگہ جگہ گھوم رہے ہیں۔“

ہم نے معذرت کی کہ ٹھکن معلوم ہو رہی ہے سو جلنے دیجئے۔“

مرد بھائی نے معذرت قبول نہیں کی پہلے حکم دیا کہ خواتین کو خیمے سے سفارت

خانے پہنچا دو جہاں مرد بھائی کی بیوی تھیں۔

ایک صاحب کو ساتھ کیا کہ وہ سفارت خانہ کا پتہ بتا دیں گے۔

ایک میل سے کم مسافت ہوگی ہماری قیام گاہ سے سفارت خانے کی مگر یہاں سے

وہاں تک ٹیکسی جان نہیں سکتی منع ہے۔ اسی وغیرہ کو اتنی دیر پیدل چلانا بھی

ٹھیک نہ تھا میتن میاں نے ایک فخر گارڈی طے کر لی اس کو اجازت تھی اس پر

سب کو بدقت تمام سوار کر کے سفارت خانے پہنچایا۔ ہم تین آدمی میتن میاں غلط بھائی

اور ہم خیمے میں آئے۔

یہاں کھانے پینے کی دو کافین بہت ہیں اور ہم لوگ کیا سب ہی لوگ کھانا

پکانے کا سامان ساتھ لائے تھے لیکن زیادہ تر لوگوں نے خرید ہی کر کھایا۔ سچ ہی

تو ٹھہرنا ہے کل صبح عرفات جانا ہے ہمارے سفیر اپنے عملے کے بعض (اوراد کے ساتھ

مٹی میں مقیم ہندوستانیوں کی خیر خبر لینے کے لئے دورے پر چل پڑے۔ سب ہندوستانی

حاجی لایک ہی جگہ تو ٹھہرے نہیں تھے اپنے اپنے معین کے ملاؤں میں جا رہے

ٹھہرے تھے ان سب تک پہنچنا مرد بھائی نے مزدوری سمجھا سب کی ضروریات پوچھیں

مولانا آدمی صاحب کی اہلیہ کو بہت سخت بیمار تھا ان کے لئے اپنے لاکڑ کو بولایا

اس طرح تمام ہندوستانیوں کی خبر سلا پوچھتے ہوئے اور جو انتظامات سفارتخانے کے عارضی دفتر کے ذریعہ ممکن تھے ان کا بندوبست کرتے ہوئے نہ معلوم کتنے بچے اپنے دفتر واپس ہوئے ہوں گے۔ ایک دن میں ہر جگہ وہ پہنچ بھی نہ پائے تھے۔ کل صبح عرفات کے لئے روانہ ہو گئے۔ ہمارے ٹیکسی ڈرائیور نے جو نو جوان آدمی ہے ہدایت کی کہ فجر کی نماز کے بعد ہی یہاں سے عرفات چل دیں۔ مگر اس کے حکم کی تعمیل میں دشواری یہ تھی کہ صبح خواتین کو سفارت خانے سے خیمے تک لانا تھا۔ ٹیکسی وہاں جانی نہیں سکتی تھی ایک طرف ڈریفنگ کی وجہ سے یہاں سے پیدل جانا ہو گا وہاں سے عورتوں کو پیدل ہی لانا ہو گا۔ خچر گاڑیاں اور گدھا گاڑیاں سب عرفات کے لئے بک ہو چکی تھیں یہ اتنی جلدی کیسے ہو پائے گا۔

دہی ہو کر فجر کی نماز کے بعد روانہ ہونے کے بجائے کوئی آٹھ بجے دن کو پہلا قافلہ منیٰ سے عرفات کے لئے روانہ ہوا۔ آٹھ دس میل کی یہ مسافت تھی اور تاثر مجرب کلائی سے کچھ رہے تھے کہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے میں عرفات پہنچ جائیں گے۔ چار گھنٹے میں ملے پہنچے تو سمجھے بڑی دیر کی پہنچنے میں۔ بعد میں پتہ چلا کہ بہت جلدی پہنچنے بعض اللہ کے بندے آٹھ دس گھنٹے میں منیٰ سے عرفات پہنچ پائے۔

رہ رو راہ محبت کا خدا حافظ ہے

اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

منیٰ سے عرفات پہنچنا، اس دفعہ وہ مشکل مرحلہ ثابت ہوا کہ سب ہی کے چھکے چھوٹ گئے۔ ڈریفنگ کا بہت ہی معقول انتظام تھا۔ ایک طرف ڈریفنگ تھی اور جگہ جگہ ٹریفک کنٹرول کے لئے احرام پوش افراد سونے ہاتھوں میں لے لی تھیں تھے۔ بیشتر ایسے جوان

نظر آتے تھے خیال ہوا کہ یہاں پولیس میں سب نوجوان ہی ہیں مگر یہ خام خیالی تھی یہ نوجوان سعودی کنبے کے چشم و چراغ تھے سلطان بن سعود کے زمانے سے یہ دستور ہے کہ عرفات اور منی کے راستے پر ٹریفک کی دیکھ بھال شاہی خاندان کے نوجوانوں کے سپرد ہوتی ہے۔

معزول شاہ سعود بھی اپنی اپنی عہدی کے زمانے میں یہ خدمت انجام دیتے تھے بلکہ ان کے سلسلے میں ہمارے حاجی فقیر محمد صاحب نے تو ایک دلچسپ لطیف بھی بنایا غالباً ۱۹۴۹ء کی بات ہے۔ سلطان ابن سعود کا زمانہ تھا حاجی صاحب بھی اس سال گئے تھے اور ہمارے ایک پھر پھر حاجی وکیل احمد قدوائی بھی۔

ہمارے پھر پھر علاوہ بہت سی منفرد خصوصیات کے تعلقات پیدا کرنے میں بڑے حاکم ہیں۔ جہاز پر اٹھنے والے جن بہت سے لوگوں سے تعلقات پیدا کئے ان میں ایک ہمارا اسی تاجر بھی تھا جس کا ربر کا دوبار تھا۔ اس نے ربر کے کچھ ٹکے انھیں دیے عرفات میں انھیں ٹیکوں میں ہوا بھرنے کی ضرورت پیش آئی۔ منحنی جسم اور بیتہ قد کے پھر پھر میں اتنا بوتا کہاں کہ وہ موٹے ربر میں ہوا بھر پائے یہ پچا رہا ہوا بھرنے کی کوشش میں ہلکان ہوئے جا رہے تھے۔ سامنے سڑک پر ٹریفک کنٹرول کرنے والا ایک چھوٹے سے بھی ادنیٰ مضبوط جسم کا آدمی کھڑا تھا اس کے پاس تھیکے لے پھونپے اور اس کی طرف بڑھا دیا یہ ان کی اور وہ ان کی زبان سے نابلد۔ اس نے اشارے سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں نے انگلی سر سے اونچی کر کے گھمائی اور زبان سے ”طیارہ“ کہا گویا وہاں جس طرح طیارہ پرواز کرتا ہے اسی طرح اس ربر کے خول میں ہوا چاہئے اور مجھے پھر تھیکے کی کیفیت دکھا کر اس کو ریل عرب کے سامنے اپنے ضرورت کو جسم

کر دکھانے کی کوشش کی۔ وہ سمجھ گیا اور پوری قوت سے تکیے میں پھونکا وہ پھول کر  
 کیا ہو گیا۔ قدوائی صاحب تو اپنا کام لے کر چلے آئے۔ بعد کو لوگوں نے انھیں بتایا  
 کہ یہ دلی عہد شاہزادہ سعود تھے۔

تو شاہی خانہ خان کے افراد جو بجائے خود ایک پٹن کے برابر تھے احرام باندھے  
 پہلے اتنی دھوپ میں سعودی پولیس کے ساتھ ٹریفک کنٹرول کرنے پر مامور تھے  
 مگر کنٹرول بے قاعدگی ہی پر کیا جاتا ہے!

مورڈوں، ہیکسوں، بسوں اور اسٹیشن وینوں کی تین تین قطاریں مٹی سے  
 عرفات جانے والی چوڑی سڑک پر ایک طرفہ چل رہی تھیں اور کسی کو اپنی قطار یا  
 دوسری قطار کی کسی انگلی سواری کو پار کرنے کی اجازت نہ تھی کیسی ہی سست رفتاً  
 سے بھی قطاریں چلتی، پتیس تو دوڑھائی گھنٹے میں منزل مقصود پر پہنچ جاتیں مگر  
 اس کا کسی کے پاس علاج نہ تھا کہ قطار کی انگلی مورڈ یا بس اگر بگڑ جائے!

چالیس بجاس ہزار مورڈوں اور بسوں میں ایک دو نہیں سینکڑوں کا چلتے چلتے  
 بگڑ جانا بدیہی ہے اور قطار کی ایک گاڑی بگڑی تو وہ قطار جم کر رہ گئی، جب تک  
 گاڑی درست نہ ہو اور آگے نہ بڑھے پیچھے والی گاڑیاں کیسے چلیں کچھ محنت پسند  
 نے قطار سے نکل کر اور سڑک سے ہٹ کر میت میں گاڑیاں ڈال دیں۔ اپنے حساب  
 اب وہ جلدی پہنچ جائیں گے لیکن فائدہ کچھ نہ ہوا۔ اول تو ریت میں گاڑی  
 دھڑانے اور ناہموار راہ پر جلدی پھندی ہوں کہ بجکوں کے ساتھ لے چلنے سے کئی  
 گاڑیاں اور میں الٹ گئیں بہت سی ٹوٹ گئیں جن کو ہم نے راہ چلتے اپنی آنکھوں  
 سے دیکھا۔ خدا کا فضل تھا کہ کسی زخمی کو نہیں دیکھا۔ وہ صبح یہ کہے پہنچ کر

پتہ چلا کہ وہاں سے راستہ جاہر ہے۔

جیسی جیسی دیر ہوتی جاتی تھی ویسی ویسی دھوپ تیز ہوتی جاتی تھی۔ پیاس سے زبانیں خشک اور کپانی ڈھونڈنے کا موقع کہاں تھا اس میں رت رکھنا نئی بات بھول گئے تھے عجیب سراسیمگی کا عالم تھا۔ ہمارا نہیں سب کا یہی حال تھا۔

ادھر ہمارا یہ حال ادھر ہمارا ڈیڑا پھرتا دیکھیں آکر بار بار عربی میں یہی کہتا اس سب کی ذمہ داری تم ہی لوگوں پر ہے۔ کہہ دیا تھا کہ فجر کی نماز کے بعد ہی نکل چلنا نہیں لانے اب بھگتو؟

ادھر وہ عربی میں تاؤ کر رہا ہے ادھر ہمارے عظیم بھائی اودو ہیں تاؤ کر رہے ہیں۔ یہ سب ڈیڑا پھرتا کی خیرات ہے۔ ہم نے چونکہ اس کا کہنا نہیں مانا اب وہ ہمیں سزا دے رہا ہے؟

بڑی خیریت ہوئی کہ دونوں تاؤ کرتے والے ایک دوسرے کی زبان سے ناواقف تھے ورنہ اس وقت کشیدگی ایسی تھی کہ محض کما سنی تک بات محدود نہ رہتی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں میں زبانوں کے اختلاف کے ذکر کی اہمیت بھی سمجھ میں آنے لگی۔

(ومن آياته خلق السموات والارض واختلاف اللسانكم والوانسک)

ہم لوگ پھر بھی سویرے، فائدہ ہوئے تھے اب بعد میں روانہ ہونے والے ہم سے بھی زیادہ زحمتوں میں مبتلا ہوئے۔ ہم لوگ بوڑھوں میں بیٹھے گری میں جھلتے عاجز ہو چکے تھے جب یہ اعماذہ ہوا کہ اب میل ڈیڑھ میل عرفات رہ گیا ہے تو بوڑھوں



سے اتار کر پیدل چلنے کی بات ہونے لگی، ہزاروں پیدل جا رہے تھے، ہمارا اللہ بھلا اس پر راضی ہو یا یہ بھی عظیم بھائی کے لئے ایک وجہ نیکیت بن گیا، حالانکہ ڈرا ئی ہونے ہمارے خیر خواہی ہی میں ہیں، اتارنے نہ دیا تھا جس کا اندازہ آگے چل کر ہوا، اگر اتار جاتے تو حشر تک اپنے معلم کے جھنڈے کے نیچے نہ پہنچ پاتے اور اس گری اور تپش میں عرفات کے میدان میں ٹکڑے کھاتے رہتے۔ پوری دنیا اس وقت عرفات میں، خیوں اور شامیوں میں آباد تھی، کس معلم کا علاقہ کہاں ہے؟ یہ ناواقف کو معلوم ہو جانا محال تھا، بہر حال ڈرا ئی اور صاحب کے منشا کے مطابق ہم لوگ سوز میں بیٹھے رہے اور چار گھنٹے تک ریٹنگنے کے بعد عرفات میں اپنے خیمے میں پہنچے، بس اتنا قبل کہ وضو کر کے فوراً مسجد منورہ گئے تو وہاں امام خطبہ شروع کر چکا تھا۔ اگرچہ آج جمعہ نہ تھا مگر عرفات میں امام جماعت خطبہ دیتا ہے۔

حج کا دن ہی وقوف عرفات کا دن ہے اگر آج کوئی حاجی کسی وجہ سے عرفات میں وقوف نہ کر سکا تو اس کا حج فوت ہو گیا۔ اب آئندہ سال ہی اس کی قضا کر سکے گا اور تمام مناسک کی قضا یا تلافی اس سال کر سکتا ہے مگر وقوف عرفہ کا موقع ہاتھ نہ آیا تو اس کی تلافی نہ دم سے ہو سکتی ہے نہ صدقے سے نہ کسی اور دن وقوف عرفہ سے اب آئندہ سال جب نوں ذی الحجہ کو پھر وقوف عرفات ہو گا تو اس وقت وقوف کر کے اس رکن دکن کی قضا ممکن ہوگی۔

سنت تو دن بھر قیام کرنا ہے مگر وقوف کا حق صرف ایک لمحے کے قیام سے بلکہ بغیر قیام کے صرف عرفات سے ہو کر گزر جانے سے ادا ہو جاتا ہے اگر ہیوش آدمی بھی آج کے دن عرفات سے گزرا دیا جائے تو اس کا وقوف ثابت ہے

اگرچہ حج اکیلے تو قوتِ عرفہ کا نام نہیں ہے۔ مگر عرفات میں قیام کے دن کو یومِ الحج کا دن، کہتے ہیں اور چون ہی یہ دن (نویں ذی الحجہ کا دن) تمام ہونے آتا ہے، ایک دوسرے کو حج کی مبارک بادیں عرفات میں دی جانے لگتی ہیں و جب یہی ہے کہ اگر دو قوتِ عرفہ فوت ہو گیا تو اس کی تلاقی اس سال نہیں ہو سکتی حج کے دوسرے فرائض و واجبات وہ جائیں گے تو ان کی ادائیگی کے لئے مواقع اسی سال مل جائیں گے۔

ہمارے علماء کے درمیان اس رائے پر اتفاق ہے کہ سال کے تمام دنوں میں آج کا دن۔ عرفہ کا دن۔ سب سے افضل ہے اس میں ضرور بحث ہے کہ شب قدر افضل ہے یا یومِ عرفہ سمجھتے ہیں کر لیا گیا کہ دنوں میں یومِ عرفہ اور راتوں میں شب قدر افضل ترین اور مبارک ترین ہے حدیثوں میں آج کے دن کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ آج کوئی دعا و تیس ہوئی۔ آج حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہیں عرفات میں امت کی بخشش کی دعا مانگی تھی اور جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے حضور انور نے دعا کو شرف قبولیت حاصل ہونے کی خوشخبری حاضرین کو دے دی تھی۔

آپ کے اوقات گرامی کے مطابق آج کے دن سے زیادہ شیطان کبھی اُمرار اور خاصہ نظر نہیں آتا ہے۔

تو ایسی فضیلت کا دن۔ جس میں جو مانگو گے گا۔ ہاتھ بکائی تو کیا مانگنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھیں گے، یہ دوسری بات ہے کہ قسمت سے مانگنے کی جو چیزیں وہ عین وقت پر یاد ہی نہ آئے۔

حضرت ابان بن عثمان بن عفان نے کہا کہ میں نے اپنے والد حضرت عثمانؓ سے حضور انورؐ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ جو شخص دن اور رات کو تین تین دفعہ بسم اللہ الذی لا یضو معہ اسمہ شی فی الارض ولا فی السماء وہو السميع العلیم پڑھے گا اسے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکے گی۔

حضرت ابان یہ حدیث بیان کر رہے تھے اور خود فاجح میں مبتلا تھے سننے والے شخص نے گھوڑے گھوڑ کر ان کی طرف دیکھا تو مردع کیا گویا وہ کھڑا ہو کر یہ حدیث اپنے بیان کی تو اس پر عامل بھی ہوں گے اور اگر عامل میں تو پھر فاجح نے کیسے ضرر پہنچا دیا۔ حضرت ابان نے اس شخص کی دلی کیفیت کا اندازہ کر لیا اور کہا "تم مجھے کیا دیکھ رہے ہو، جو بات تم سے میں نے بیان کی وہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔ ہاں جس دن مجھ پر فاجح کا حملہ ہوا ہے اس دن یہ دعا پڑھنا مجھ سے رہ گیا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو لکھا ہے وہ پورا ہو جائے۔" یہی حال بہت سے مقدر کا لکھا پورا کرنے والوں کا آج ہو گا کہ ادھر ادھر کی دعائیں مانگ رہے ہوں گے جو مانگنا چاہیے اسے شوخی قسمت سے بھولے بیٹھے ہوں گے۔

ہم تبش اور دھوپ کے پھلے ذوال سے کچھ پہلے اپنے خیمے میں بیٹھے تھے، وہاں بھی تازت سے نجات نہیں لی یا رہی تھی، ارادہ بھی ہونے لگا کہ وضو کر کے ظہر کی نماز خیمے ہی میں ادا کر لی جائے۔ خدا معلوم کیا ہوا کہ غنیم کو خیمے میں چھوڑ کر ہم تینوں خیمین میاں عظیم بھائی اور ہم سید غفرہ کی طرف چل پڑے۔

مسجد اور اس پاس سب کھینچا کھینچ بھرا ہوا تھا، اندر پہنچنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا راستے ہی میں چٹائیاں بچھا کر بیٹھ گئے اس وقت خطبہ حج پڑھا تھا آج اگرچہ جمعہ نہ تھا مگر امام کو خطبہ دینا تھا، اس کے بعد ہی دو رکعت ظہر کی پھر فوراً ہی بلا وقفہ کے دو رکعتیں عصر کی اگرچہ عصر کا وقت ابھی بہت دور تھا امام نے پڑھائیں، آج یہی حکم ہے کہ عصر کی نماز امام کے ساتھ قبل وقت عصر ظہر کے بعد ہی پڑھ لی جائے۔ دونوں وقت کی نمازیں ایک ساتھ پڑھ کر خیمے میں واپس آ گئے۔

اگر امام مسافر نہیں ہے مثلاً مکہ منطلہ کا باشندہ ہو تو خانہ کے مسکن کے لیے پوری نماز پڑھنا ہوگی۔ اور مقتدیوں کو خواہ وہ مسافر ہوں یا مقیم امام کی اقتدا میں پوری نمازیں پڑھنا ہوں گی اور اگر امام مسافر ہے تو وہ قصر نمازیں پڑھائے گا اور مقتدیوں میں جو مقیم ہوں گے وہ باقی رکعتیں پوری کر لیں گے۔

لیکن اس فقہی مسلک پر جس کے ماننے والے شاہی افراد ہیں، ہر صورت میں امام کو قصر نماز پڑھنا چاہیے، اس فقہی اختلاف سے حنفی حاجیوں کے لئے بڑی زحمت تھی۔ ظاہر ہے کہ عمل سعودی حکومت کے مسلک پر ہوتا ہے اور دوسرے فقہی مسلک اب وہاں نظر انداز کئے جا چکے ہیں تو غیر مسافر امام کی اقتدا میں قصر نماز پڑھنا ان لوگوں کے لئے جو صرف مسافر ہی کے لئے یہاں قصر کی گنجائش پاتے ہیں بہت گراں ہوتا رہا ہے — معلوم ہوا کہ حکومت نے اس الجھن کو رفع کرنے کے لئے اس وقفہ عرفات میں امامت کے لئے مابعد حاقی ریاض کے امام کو مقرر کیا تھا، ریاض سے عرفات تک کی

صاف اتنی ہے کہ امام ساز کے درجہ میں آ گیا جب کہ مکہ معظمہ کا امام عرفات میں سا فر نہیں ہوتا ہے۔

مصدقہ میں امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا کر کے طبیعت کو شادمانی بہت ہوئی۔ اسی لئے جب نصیے میں واپس آئے تو سفر کی صعوبتوں اور کلفتوں کے تصورات سے غالی الذہن تھے اور رجحان وقت اور مقام کی اہمیت اور افضلیت کی طرف غیر معمولی طور پر ہو گیا تھا۔ ایسی حالت میں دعائیں بھی لگا کر مانگنے کا موقعہ ہاتھ آ گیا۔

ہمارے ایسے لوگ جو ہمیشہ آگے کے بارے میں سوچنے کے عادی ہیں جو کچھ کر آئے ہیں ان کے محاسبہ اور حساب کی ضرورت کو بالکل بھول چکے ہیں، ہرج ماضی پر نظر ڈالنے اور اس پر جرح اور تنقید کرنے کی سوچیں تو اسے محض توفیق الہی کہیں گے۔

اچانک محسوس ہونے لگا کہ عمر کا وہ حصہ جو شعور اور ہوش میں گزرا تفصیلات و جزئیات سمیت ربط اور تسلسل کے ساتھ نگاہوں کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ زندگی کے جن واقعات کو اپنی نگاہ میں اپنے لئے باعث خیر و برکت پایا وہ کھیتا بزرگوں کا احسان نظر آئے، ہمدانی نیت اور ارادہ کا اس میں زرا بھی دخل نہ تھا اور ثنائی کے وہ اجزاء جو بہر حال باعث تشویش تھے اور ہیں سب اپنے ہی کرتوت سکھ۔ عام حالات میں اگر یہ مناظر اس تفصیل کے ساتھ سامنے کہیں آ جلتے تو بھول دل ہونے لگتا۔ لیکن یہاں عرفات میں طمانیت قلب کے ساتھ اس لئے دیکھتے رہے کہ حضور انور

نے جمع نامہ آیا، دھوئے جانے کی اس طرح نشارت دی ہے کہ دھوئے جانے والے سے کہیں زیادہ آج خود دھوئے جانے کو فکر معلوم ہوتی ہے۔

فیض ہے یا شہینہم نرالا تیسرا

آج پیاسوں کے مجلس میں ہو دیا تیسرا

آج ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل میں بخشے جانے والے فرشتوں کو گواہ کر کے ان سب لوگوں کی مغفرت کا اعلان کیا ہے جو ہر طرف سے گرد و غبار میں اٹے ہوئے۔ بلیک بلیک کہتے۔۔۔ یہاں جمع ہیں۔

فرشتوں نے عرض کیا ہر در و گار بان میں فلاں فلاں اور فلاں فلاں تو بد اعمالیوں کے مرکب اور حیران باقوں کے ذمہ دار ہیں۔

ہر در و گار عالم نے فرمایا میں نے تو ان سب کی مغفرت کر دی ہے۔

حضور انور کے کلمات بشارت اور معافی کا یہ اعلان عام یاد آیا تو دل خوشی سے رونے لگا اور شرمندگی بھی ہوئی کہ ایسے کریم سے سابقہ پھر بد اعمالیوں پر یہ اضطراب اور تشویش ہے۔

شرمندہ از انہم کہ در دار مکافات

اند خود غفو تو کہ دیم گمت ہے

اب جل رحمت کی عظمت و اہم کے ساتھ جانے اور ہاں قیام کرنے کا ایک عظیم موقع تھا جل رحمت میدان ہی میں ہمارا قیام گاہ ہے جو مسجد منورہ کے قریب ہی تھا۔ دو ہی تہن میل ہو گا۔ علماء و دانشمندان تحریر کر دیا ہے کہ اگر کوئی جل رحمت تک نہ جاسکے تو میدان عرفات میں کہیں بھی قیام

دوقوت کرنے نیا حاجی پرانے حاجیوں سے ضرور پوچھتا ہے کہ جبل رحمت تک اس حرم میں جانا اور نصرت سے واپس آجانا ممکن ہے؟ اور عموماً جواب یہی ملتا ہے کہ جانا تو تمہیک ہے واپس قیام کا دتک آجانے کا اطمینان نہیں۔ ادم گمشدگی کے اندیشے میں تھا کہ دی ہوئی آسانی بہت کام آتی ہے ہمارے بھی کام آئی کہ اپنے فیضے ہی میں دوتوت پر تذاغت کر لی اور اس مقام فصیلت تک نہیں پہنچ پائے جہاں حضور نور صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبی ادنیٰ "تھوئی" برتشریف لاکر ذریعہ انسانی کی فلاح و نجات کا تار پھی منشور کیا تھا۔

"تمہاری جانیں اور تمہارے مال ایک دوسرے کے لئے اس طرح واجب الستر ہیں جس طرح آج کا دن محرم ہے یہ مہینہ محترم ہے اور یہ شہر محترم ہے.... عورتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو..."

پھر حاضرین سے سوال فرمایا "تم لوگوں سے خداوند تعالیٰ میرے بارے میں پوچھے گا تو تم کیا کہو گے؟"

سب نے ایک زبان ہو کر کہا "ہم گواہ ہیں کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا فرمایا اور خیر خواہی کے پہلو سے جو کچھ آپ پر لازم تھا اس کی تلقین فرمادی ہے۔ حضور انورؐ نے انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھا کر اور حاضرین کی طرف اشارہ فرما کر تین بار ارشاد فرمایا "اے پند دگاہ! ان کے اقوال کا گواہ رہنا۔" اللہ اکبر! یہ عبدیت کی شان نبوت و رسالت کی اس جلالت و رفعت کے باوجود! فیضے میں بیٹھے بیٹھے یہ سب خیال میں آکر ہا تھا اور یہ بھی سوچ رہے تھے کہ دیکھو کہ کتنے صادق اور صریح الفاظ میں جن میں تاویل کی اور فی انگیزیش بھی نہیں

دوسروں کے جان و مال کے احترام کا حکم دیا گیا تھا اور حال یہ ہے کہ اپنی جان کے ڈر سے تو ضرور دوسروں کی جان لینے سے ڈرتے ہیں، دوسروں کی جائیداد کا احترام کتنوں کی نظروں میں ہے، پھر جہاں جان کا خطرہ نہیں جیسے دوسروں کے اموال تو اس سلسلے میں اگرچہ حکم یہی جان کے احترام کی طرح ہے لیکن ہم میں سے اکثر کا طرز عمل احترام کے حکم کے یکسر منافی رہتا ہے۔

اور آج کے حالات میں تو ایک قدم اور ہم آگے رہتے ہیں یعنی مال کے علاوہ جان پر بھی حملہ آور ہوتے رہتے ہیں بے شک؛ شخص کے قتل سے ہاتھ آلودہ کم ہوتے ہیں لیکن شخصیت کے قتل میں ہم کس قدر بے باک ہو چکے ہیں۔ یہ جو بے بنیاد باتیں دوسرے قابل ذکر اشتیاق کے سلسلے میں کسی غلط فہمی کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض بدنام کرنے کی نیت سے ہم اڑاتے پھرتے ہیں یہی تو شخصیت کا قتل ہے اصطلاحی معنوں میں خون ریزی نہ سہی لیکن عملاً دوسروں کی جان کی بے حرمتی کا ارتکاب تو سراسر ہے۔

اپنی ہی حالت پر غور کرتے ہیں تو اس "خون ریزی" کا سینکڑوں بار ارتکاب کر چکے ہوں گے۔ تو جس ذات گرامی کے حکم کی تعمیل میں لکھنؤ سے دوڑ کر عرفات تک آئے ہیں اس کے اس ایک حکم کو جو اس عرفات میں اس نے بر ملا دیا تھا کہاں تک ہم نے مانا ہے؟

یاد آنے لگا کہ عرفات میں جب حضور انورؐ نے ہم گنہگاروں کی مغفرت اور نجات مانگی تھی تو پھر ردگار نے اپنے حقوق کے سلسلے میں ہماری کوتاہیوں اور نافرمانیوں سے ہرگز فرمانے کا مددہ فرمایا تھا، لیکن حقوق العباد کے سلسلے میں کوتاہیوں



غفلتوں اور زیادتیوں کی معافی کا اعلان یہاں نہیں، مزدلفہ کے قیام کے وقت ہوا تھا۔

بڑی تسلی ہونے لگی اور دن گزرنے کا انتظار کرنے لگے کہ مغرب ہو جائے تو عرفات سے مدائن ہو کر مزدلفہ پہنچیں جہاں رحمت عام کا اعلان عام ہوا تھا۔

عصر کی نماز تو پڑھ چکے تھے مسجد نمرہ میں مغرب کی نماز آج عرفات میں پڑھنا نہیں ہے، چاہے وقت ہو جائے چاہے وقت گزر جائے، جب مزدلفہ میں قیام کرینگے تو مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں گے چاہے آدھی رات کیوں نہ ہو جائے عرفات میں تو بس مانگے جائیے، دیئے والا دینے پر تلا ہوا ہے۔

ہمیں جب نہ پھیلا لیں دامن ملے کیا؟

اُدھر سے تو ہر دم گنہگاریاں ہیں

بھینے غلطہ مبارکباد بلند ہوا، باہر ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں شمع مبارک حج مبارک اتنے میں معلوم ہوا کہ ہمارے معلم مولانا عبداللہ علی سکندر عرفات کی غامیہ پڑھائے آئے ہیں۔ ان کے تمام حاجی خیموں، ویڑوں سے نکل کر کھلیں آگئے اور معلم صاحب نے بڑے پرائیوٹ انداز میں دعا لیں بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا اور ہم سب نے دہرائنا۔ ان پر بھی رات کی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور دہرائنے والوں میں ہمتوں کا حال دیکھا ہی تھا چلنے، وقوف، جس رحمت کی کوتاہی کی غامی ہمارے معلم کی پرائیوٹ دعا سے پیدا ہونے والے خشوع و خضوع سے کسی نہ کسی حد تک ہو گئی مگر شرعاً یہ کوتاہی نہیں ہے۔ علوانے تو لکھ دیا ہے کہ میدان عرفات میں کہیں بھی قیام ہو وہ وقوف ہے، ہم حصول سعادت کے لحاظ سے کوتاہی کہنے پر مجبور ہوئے۔

گرمی تو سخت تھی ہی، پانی کا بھی قحط ہمارے لئے تھا، یعنی ہمارے ایسے لوگ اس جگہ سے پانی نہیں لاسکتے تھے جہاں حاجوں کے لئے سینکڑوں ٹن لگے ہوئے تھے اور دلا فر پانی حاصل کیا جاسکتا تھا۔ اس جگہ ایسی بھیڑ مستقل رہتی تھی کہ اسی میں غایت نظر آئی کہ پانی خرید لیا جائے ایک کنسٹر پانی پانچ پیالے میں بک رہا تھا۔ لوگ خرید بھی رہے تھے لیکن اکثریت اس خریداری کی تھیں نہیں نظر آ رہی تھی اور شدت پیاس سے بے تراری سب کی یکساں اس وقت اپنا خرید ہوا پانی جو اپنے ہی لئے ناکافی نظر آ رہا تھا دوسروں کو دینا واقعی اٹیسا تھا۔ یہ واقعی اٹھارہ لاکھ روپے کی روایت کے مطابق بھیڑ خیرین کے ایک محترم زادے کا حاج محمد یوسف جی ہمارے لئے کیا کہ پانچ پانچ پیالے دے دے کہ کنسٹر خریدتے جاتے تھے اور بطلب گار کو بے دست و پا دیتے جاتے تھے۔ رات بھی منگا کر ایک منگل میں ڈال دی تھی کہ جی بھر کر پیاسے سیراب ہوں۔

خود ہم نے حاجی فقیر محمد کو دیکھا کہ انھوں نے خیمے کے سامنے ٹھنڈی بوتلوں کی اور چائے کی پیس لگا رکھی تھی۔ یہ معمولی خرچ دہائیوں اور سینکڑوں کا نہیں ہزاروں کا تھا۔ پھر اجر و ثواب بھی بے حساب! جو آئے بلا تکلف پیاس بجھائے۔ ہم نے تو اس وقت حاجی صاحب کے یہاں چلے پی، سر میں ہلکا ہلکا دور دورہ ہوا تھا۔ اور پورے سفر میں بس وہیں یہ ہلکا سا درد سر ہوا تھا۔ درد نہ آتے جاتے کہیں جو کوئی مرض لاحق ہوا ہو۔۔۔ سو اے حلق کی تکلیف کے سوا اپنے ہاتھوں تھا، سگریٹ پینے میں ہم نے کوئی کسر کب اٹھا رکھی تھی؟

مغرب کا وقت ہو گیا مگر نماز مغرب سے آج چھٹی تھی روایتی میں دلائل

نے جو ٹیکسی لے کر دیا تھا۔ تاخیر کی ٹریفک کا رش نکل جائے غریب کے ذریعہ  
اور گھنٹے کے بعد ہماری روانگی ہوئی ہمارے سامنے غیسے ڈیرے اکھڑے  
اور منی کے لئے روانہ ہو گئے۔

میدان میں چاند کی ہلکی روشنی میں اپنی روانگی کا انتظار کرتے رہے مغرب  
سے پہلے جب رحمت کی آڑ سے ابو کا ایک کنڈا نمودار ہوا اور رحمت کا سایہ ڈالتا ہوا  
گزر گیا برسا نہیں۔ البتہ ایک دن منی میں چند ہی منٹ زور کی بوندیں پڑیں کہ  
خیبر پٹنکے لگا تھا۔

روانہ ہو کر مزدلفہ آئے یہاں رات بھر قیام کرنا تھا یہاں قیام کے لئے غیسے  
ڈیرے نہیں گئے۔ جہاں جگہ لے ٹھہر جائیے۔ ہم ناواقف تھے، یہ بھی معلوم نہ تھا  
کہ مشعر احرام کہاں ہے، ذرا بوسے ایک جگہ سڑک کے کنارے ٹیکسی اکھڑی  
کر دی۔ اترے، ادبھی بجی پتھر ملی زمین پر دی بکھائی تین آدمی تھے  
ہی جماعت سے مغرب اور عشا کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں اور ذرا یور کے  
حکم کے مطابق فجر کی نماز اول وقت پڑھ کر منی کی طرف چل کھڑے ہوئے، رکے  
تو پھر ٹریفک کے جھوم میں پہنتے، پہنتے ہی نہیں ذرا یور کی صلو اتیں، بھی  
سننے۔ اس وقت بھی ٹریفک کافی تھی۔ پانچ چار میل کی مسافت تین گھنٹے میں  
سے کر پائے اور دن نکلنے کے بعد منی میں اپنے غیسے میں ہم آگئے۔

عرفات میں نوپن ڈی ابچھ (ایوم الحج) کا سارا دن گزار کر رات کو مزدلفہ  
میں قیام کر کے دو ستر دن دسویں ڈی ابچھ کو دن چڑھے ہم لوگ منی واپس  
آگئے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا، ہا کہ سارا دھیان عرفات کی طرف رہے۔

جہاں سے دھل دھلا کر پاک صاف ہو کر اور ایسے معصوم ہو کر جیسے نور و نور پجہ معصوم ہو جائے۔ تمام لوگ واپس آ رہے تھے۔ اب تک سب لازم حج کے ذمے میں تھے، اب حاجیوں کے مبارک دائرے میں داخل ہو چکے تھے۔ ایک دوسرے کو حج کی مبارک باد و تعزفات ہی میں دسی جا چکی تھی اب باضابطہ ایک دوسرے کو حاجی صاحب کھد کر پکارنے کا موقعہ بھی ہاتھ آ گیا اور لفظی طور پر من ترا حاجی گویم تو مر حاجی گو" کا دور چلنے لگا تھا۔

عرفات سے ایک ہی دن رہ کر چلے تو آئے لیکن جن جن برکتوں اور سعادتوں کی بشارتیں اس مقام میں قیام کرنے والوں کے لئے زبان نبوت سے صادر ہوئی تھیں ان کی سرسری یاد آ کر مزہ دے رہی تھیں۔

یاد آئے کہ عرفات ہی میں، قرب مغرب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا تھا کہ جمعے سے خاموش ہونے کو کہو۔ حضرت بلالؓ نے پکار کر کہا۔ "لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اے ارشاد سننے کے لئے خاموش ہو جاؤ۔"

جب سارا جمعہ گوش بردار مبارک ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا "لوگو! ابھی ابھی جبریلؑ میرے پاس آئے تھے، انہوں نے میرے پروردگار کا سلام مجھے پہنچایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے عرفات میں قیام کرنے والوں اور مزدلفہ منبر اکرامؐ میں قیام کرنے والوں کی مغفرت فرمادی ہے۔"

عام خیال یہی ہو سکتا تھا کہ یہ عام مغفرت جو پروردگار عالم نے مرحمت فرمائی ہے، حضرت انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور ہمراہی کا صدقہ ہو اور صرف انہیں سعادت مندوں کے حصے میں یہ صدقہ آیا ہے، جو نبی الرحمة علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصیحت کے

ہم رکاب تھے، خود صحابہ کرامؓ کو یہی خیال گزرا اور حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر دینیت بھی کر لیا۔

”اے اللہ کے رسول! یہ نفست صرف ہم ہی لوگوں کے لئے خاص ہے؟“  
اللہ کے رسول نے: آپ پر آپ کی آل (اولاد) پر آپ کے اصحاب پر رحمت کی بارش ہو، ارشاد فرمایا۔

تم لوگوں کے لئے بھی اور ان لوگوں کے لئے جو تمہارے بعد قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ حضرت عمرؓ نے سنا کہ انہیں ہمارے پروردگار کی رحمت اور خیر و برکت کس قدر زیادہ اور کتنی خوشگوار ہے۔

جو سب سے زیادہ مغفرت کے حاجت مند تھے ان کی حاجت دانا کے شعلِ خورشید (رسول مولا) کے گل کے حضور میں پوری کیسے نہ ہوتی؟ سب کے لئے جنت کی بشارت!

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس بڑ

کہ مستحقِ محرابست گنہگار مانند

بہر عرفات ہی کی تودہ مقدس دادی ہے جہاں تکمیل دین کا اعلان ہوا  
تھا، اور آیت نازل ہوئی تھی۔

اليوم اكملت لک دینکے و اتممت علیک نعمتی

اور اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے دین کی

تکمیل کر دی اور اپنی نعمتوں کا تمہارے اوپر اتمام کر دیا

یہ عظیم الشان آیت نازل ہوئی تھی اسی عرفات میں، ایک دفعہ یہودیوں

نے مکمل دین کے متم بالشان اعلان کے وقت و تارخ کے بارے میں حضرت عمرؓ سے استفسار کیا انہوں نے تعین وقت و تارخ کے ساتھ اس آیت کے نزول کی وضاحت فرمائی تو یہودیوں نے کہا: اگر ایسا شمار داتھ ہمارے یہاں پیش آتا تو ہم اس ماؤ کا بدن کو عید اور خوشی کا دن بنا لیتے :

تو عرفات سے اس دفعہ کوئی جدہ لاکھ انسان پروردہ نجات لے کر بعد مغرب و آٹھ ہوئے تھے اور مزدلفہ میں رات بھر شہر کر اور شیطان کو مارنے کے لئے کنکریاں مزدلفہ ہی سے جن کر دو ستر دن دسویں ذی الحجہ کو نئی داپس آئے تھے۔

ان سب کو مسرت اور شادمانی کیا کچھ ہوگی اس کا نقشہ الفاظ میں کوئی کیا کھینچ پائے گا خوشی اور شادمانی دل کا معاملہ ہے، کچھ اندازہ چروں سے کیا جاسکتا ہے وہ بھی کچھ اصلی حال تو دہی جالے جس کا حال ہے یا وہ خود لوں کا حال تک جانا ہو اور اس کے سوا کوئی دوسرا لوں کا حال جان نہیں سکتا۔

بہر حال ہر ایک اپنی حیثیت اور صلاحیت کے موافق خوش تھا

اک ہو گیا دیوانہ اک بن گیا سوداؤ

تھا جتنا جظرت اس میں اتنی ہی شراب کی

کیا خوب کہا ہمارے سید اکرام الحق صاحب دکنھو نے کہ حج کیا ہے؟ پس چند عاشقانہ حرکتوں کا نام ہے، اپنے محبوب کے حکم پر جگر کاٹ رہے ہیں (خاندان کعبہ کا) دوزے چلے جا رہے ہیں (صفا مردہ کے درمیان لباس اور دھان و گربان سے بے نیاز لپکے چلے جا رہے ہیں) عرفات مزدلفہ اور منی کی طرف اور جن جن عشق کی آخری حد یہ کہ پتھر مار رہے ہیں (خیطوں کی علامتوں کو کیا شک ہے اس میں

کڑھ جوائے محبوب کی مرضی اور منشا سمجھ کر دیوانہ وار کام کر رہا ہے ان فرناؤں سے  
بدرجہا بہتر ہے جو ہر کام نفع و نقصان کی میزان پر تول کر کرتے ہیں۔  
بختہ ہوتی ہے، اگر مصلحت، اندیش ہو عقل  
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام بھی

خیر منی آگے، تین دن یا چار دن یہاں غموں کی زندگی گزارنا ہے پہلے ہیں  
دسویں ذی الحجہ کو — اگر گھر پر ہوتے تو آج بقرعید ہوتی، نہا لے، کپڑے بدلے  
نماز عید پڑھے عزیزوں اور دوستوں سے گلے ملے یہاں منی میں تو نماز عید بھی منع  
ہے اس لئے کہ ہم سب مسافریں اور مسافر کے لئے نماز عید نہیں ہے چنانچہ ہم نے زندگی  
میں پہلی بار عرفات میں عصر کا وقت ہرنے سے پہلے ہی عصر کی نماز امام حج کی اقتداء میں  
پڑھ لی تھی جس طرح عرفات میں غریب کا وقت آجیلنے کے باوجود نماز مغرب سے  
بچھنی رہی اگر پڑھ لیتے تو غریب کی نماز ہی نہ ہوتی، مزدلفہ میں پہنچ کر پھر ایک  
ساتھ مغرب اور عشا کی نمازیں بلا وقفہ پڑھنا پڑتیں۔

ظہر اور عصر کو جمع کر کے قبل عصر پڑھنا جمع تقدیم ہے اور مغرب اور عشا کو ملا کر  
بعد مغرب پڑھنا جمع تاخیر ہے۔ یہ دونوں حین حج کی رعایتیں ہیں سفر کی نہیں  
اس کے برعکس عرفات میں تقیم کے لئے پوری نماز پڑھنا اور ساد کے لئے قصر کرنا  
سفر کی رعایت ہے حج کی رعایت نہیں ہے۔

منی میں آج دسویں ذی الحجہ کو پہلا کام یہ کرنا تھا کہ آخری شیطان دججرہ عقبہ  
کو سات کنکریاں ماریں، اس کے لئے منوں وقت قبل زوال ہے اور ساج وقت تا  
مغرب ہے اور بعد مغرب بھی آخری شیطان کو کنکریاں ماریں گے اگر پہلے موقع نہیں

۸۴ سفر کی تاریخ ۱۲/۱۲/۱۴۳۸ھ

ٹاپے مگر مغرب کے بعد کا وقت فقہانے مکروہ وقت بتایا ہے۔  
فقہا کا کتنا ٹھیک ہی ہے لیکن اگر وہ چودہ لاکھ حاجیوں کے درمیان ہوتے  
تو انہیں کراہت و استحباب کے اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کرنا پڑتی۔

ام قیون جوڑھے نئی پہنچ گئے تھے۔ جی چاہتا ہے کہ اپنے ڈائریکٹر کا جس  
سے عزت جاتے، اسے سخت شکایت پیدا ہو گئی تھی اب شکریہ ادا کریں  
اس نے بڑا کام کیا کہ ٹھنڈے ٹھنڈے ہنسٹے آیا، بعد میں آنے والوں کا حال  
کیا بتایا جائے۔ کیسے آئے اور کب آئے؟

روایہ کہ مزدلفہ سے جو ریلا چلا تو ساری ٹریفک جام ہو کر رہ گئی اور بھر جام ہی  
رہی۔ دو ایک گھنٹے کی بات نہ تھی، عورتیں بچے جوڑھے سب لاجا ہو کر ٹریفکیوں  
کو وہ ہیں چھوڑ کر پیدل منی تک چند یا تو تادینے والی دھوپ میں آئے کہ کسی  
کنکریاں مارنے کا مسنون وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ مگر وہ انزافری تھی کہ  
کوئی بھی پیدل آنے والا، اول — مسنون وقت — سے پہلے نہ پہنچ سکا۔

بہو بچے اس دور اس کے عالم میں کو کسی سے بات نہیں کی جاتی تھی۔ مولانا اویس  
مدنی اپنی بنائیں بتانا بڑی کے ساتھ آدھے رات سے نیکی کو خیر باد کہہ کر پیدل  
منی پہنچے تو ان کی صورت نہیں دیکھی جاتی تھی، کیسے کیسے ناز و نعم میں پلے  
اور بسم اللہ کے گنبد میں پروان چڑھے آج ہر سختی جھیلنے نظر آ رہے تھے۔  
ہمارے گھنٹوں کی بعض خواتین مروج جسٹس غلام حسن بٹ کی بوی جن کے پٹوں  
میں تکلیف بھی تھی۔ رانی صاحبہ سر دھمی اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ بیگم اختر  
اختیاق عباسی ڈی آئی جی مسٹر اسلام احمد کی اطمینان، بچاریوں نے کلب کو بھی یہ



کڑیاں جھیلی ہوں گی۔ مگر آج اپنے مالک اور مالک کے محبوب بلکہ اپنے محبوب کے حکم پر سب کچھ جھیلنا چاہتا تھا اور پوری خندہ پیشانی کے ساتھ۔

وہ لوگ پھر بھی اچھے رہے جو زوال کے بعد ہی سہی۔ پوچھ تو گئے: یہ دوسری بات ہے کہ ان کے بستر جن کو مزدلفہ میں آدم سے وات گزارنے کے لئے ساتھ لے گئے تھے ان سواروں پر ہی چھوٹ گئے جو راتے میں پھنسی پڑی تھیں ان بچاروں کو دو پہر کو پاؤں پھیلا کر بستروں پر سونے کا موقع تو نہیں ملا مگر صبح وقت میں کنکریاں مارنے کا موقع مل گیا۔

مسرت جنت کا دل قد والی بہت گھبرائے نظر آئے بغیر کی نماز کا وقت قرب تھا۔ پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ ان کے فرسٹ سکرٹری مسٹر شہاب الدین ابھی تک مزدلفہ سے واپس نہیں آئے ہیں۔ بہت سے ایسے ہوں گے جو اس وقت تک مزدلفہ سے واپس نہیں ہوئے تھے۔ گھبراہٹ کی بات یہ تھی کہ مسٹر شہاب الدین کے ساتھ ان کے بیوی بچے بھی تھے جن میں ایک شیرخوار بچہ بھی تھا۔

تو ٹریفک کی بد نظمی کا اندازہ کیجئے کہ یہ تین چار میں کی مسافت دس دس گھنٹے گزر جائے پر بھی ملے نہ ہو پائی۔ شہاب الدین صاحب اپنے ذاتی موٹر پر تھے وہ دور دورہ کا چکر کاٹ کر کسی نہ کسی طرح بس سٹوڈنٹ ڈسٹے پہنچے۔ اب ان سے کوئی اگر کہے کہ جناب! کنکریاں مارنے کا افضل اور مباح وقت تو کوئی گنا اب کروہ وقت میں آپ کو کنکریاں مارنا ہوں گی۔ تو بتائیے وہ کیا جواب دیں گے؟

ایسے سنگدل ہزاروں حاجی تھے جن پر یہی جتنی بعد کو معلوم ہوا کہ یہ صیبت

اسی سال کی خصوصیت تھی اس سے قبل ایسا کبھی نہیں ہوا۔  
 وہ کیا تھی؟ پتہ چلا کہ اس سال مشرق وسطیٰ کے اکثر ملکوں کے حجاج خاص کر  
 ترک حجاج اپنی آرام دہ و نگہداشتی ہوسوں پر آئے تھے، پہلے بھی ایسا ہوتا تھا لیکن  
 یہ بیس مکہ معظمہ کے باہر ایک مقام پر قیام کرتی تھیں اور ان کے مسافر سعودی  
 حکومت کی فراہم کردہ بسوں یا ٹیکسیوں سے مکہ معظمہ سے منیٰ منیٰ سے عرفات۔  
 عرفات سے مزدلفہ۔ مزدلفہ سے منیٰ پھر منیٰ سے مکہ معظمہ جاتے تھے، اب کی سوئی  
 حکومت نے یہ رعایت دے دی کہ حجاج انھیں ہوسوں پر جاسکتے ہیں جن پر وہ  
 آئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان راستوں پر بسوں کی ریل پیل ہو گئی حجازی ڈرائیوئرز  
 عادی ہوتے ہیں وہ اپنی گاڑیوں کو اس انداز سے چلتے ہیں جو ان کے  
 قدیم تجربوں نے انھیں سمجھا رکھا ہے۔ دوسرے ڈرائیوئرز کو ایسے سابقہ کہا  
 پڑے ہوں گے وہ اس بل جل میں آتے ہی ہوش و حواس بھی کھو بیٹھتے ہوں  
 گئے، بہر حال ان کو گاڑیاں پھینسی تھیں اور حجازی ڈرائیوئرز کو پھانسی  
 لیتی تھیں۔

خیر، میں رمی جمار کرتا تھا اور منوں وقت میں موقع مل رہا تھا لیکن نئے  
 ہم سب تانے والے نے حاجی اس لئے ایک پرانے حاجی شیخ ذوالفقار اللہ صاحب  
 سابق میٹر (آباد) کے ساتھ قبل نوال آخری شیطان کو (جو منیٰ سے آنے والوں  
 کے لئے آخری اور مکہ معظمہ سے آنے والوں کے لئے پہلا پڑتا ہے) کنکریاں  
 مارنے چلے۔

ماری قیام گاہ سے جرہ عقبہ تک جے آج کنکریاں مارنا ہیں، جانے کا

سیدھا راستہ تھا۔ کوئی دوفر لاٹنگ کی سافٹ ہوگی، جاتے ہوئے پہلے مسجد خیف پڑتی تھوڑی دیر آگے چل کر ہمارا سفارت خانہ جس سے چند گز آگے جا کر پہلا شیطان (دجبرہ اولیٰ) کچھ آگے بڑھ کر دوسرا (عمرہ وسطیٰ) اور قدس آگے جا کر تیسرا شیطان (دجبرہ عقبیٰ) تھا آج دسویں ذی الحجہ کو پہلے اور دوسرے کو پھیرنا نہ تھا صرف تیسرا شیطان آج حاجیوں کا نشانہ ہے

ایک ہی سیدھی سڑک ہے، مین پیس فٹ چوڑی بغیر فٹ پاتھ کے سڑک کے دونوں طرف عمارتیں مکان ہوئے اللہ دکائیں ہیں۔ سڑک کے کنارے بھی پھیری دالوں کی دوکانیں ہیں۔ اب اس سڑک پر ایک ساتھ لاکھوں انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہو رہا ہے۔ گالو حال کیا ہو گا؟

ٹھاٹھیں مارتا ہے شک پنجابی محاورہ ہے جو جوش و خروش کے مراد ہے۔ مگر بیاں دانت ٹھاٹھیں مارتا سمندر اس لئے لکھا گیا کہ شیطان کو کنکریاں مارنے کے سلسلہ میں حاجیوں میں جو جوش و خروش ہوتا ہے اس کا کسی اور طرح جینہ اظہار ممکن نہیں، کوئی اندازہ نہیں کر سکتا ہے کہ اس وقت حاجیوں کا کیا عالم ہوتا ہے؟ کنکریاں مارتے اوتے چپلیں پیروں سے اتار داتا کرکٹیں لگتے ہیں۔ چپلوں اور جوتوں کے ڈھیر لگ جایا کرتے ہیں، ہمارے مذاق کھانے کے فرسٹ سکرٹری سٹر شہاب الدین جو کئی سال سے جدے میں تھیں ہیں کہتے تھے کہ رمی جاو کے موقع پر حاجیوں کے جوش و غضب کی کیفیت جو ہوتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مناسک حج میں سب سے زیادہ اٹھا ک حاجیوں کو کسی رمی جاو میں ہوتا ہے۔

پھر انسانوں کے اس سمندر میں دنیا بھر سے آئے ہوئے انسان پائے جلتے ہیں جن کی توانائیاں اور برداشتیں باہم متفاوت، جن کے چلنے اور راہ طے کرنے کی عادتیں الگ الگ۔ کیسے دیکھ نہیں رہے کہ ہر کیس نے کچھ بچا کر چناؤ ستور زندگی کیسوں میں صنفِ نازک سمجھی جاتی ہیں۔ کیس وہ دیسی صنف قوی میں کہ ہم اودھ کے رہنے والے مردوں سے زیادہ قوی ہو سکیں اور زور آدر، اس طرح کا غلط جمع، جو ایسے متفاوت القوی افراد سے مرکب ہو دنیا میں کہاں ہوتا ہوگا؟ — اقوام متحدہ میں بھی جہاں دنیا جہاں کے نمائندے رہتے ہیں مختلف نسل اور مختلف المراج افراد اکٹھا مل ضرور جائیں گے۔ مگر ہوں گے وہ سب ایک ہی دستور کے پابند یعنی مغربی تہذیب کے ماننے والے بلا استثناء سب ہی ہوتے ہیں تو ان کا رہن سہن اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سب ایک ضابطے کے تحت ہونے ہے، خلاف ضابطہ اگر کوئی چلے گا تو ایسی کیسٹ (آداب کی خلاف ورزی کرنے والا قرار پائے گا۔

یہاں جو یہ عظیم الشان مجمع ہے اس میں ہر ایک فرد اپنی وضع پر پہننے میں آزاد ہے۔ اور آزادوں کے رسم غیر میں نازک مزاجان لکھتے بھی ہیں جو پہلے آپ پہلے آپ کہنے پر اسی خیال سے عامل ہیں کہ وہ اپنی اسی کشمکش کا بھی اپنے کو عادی نہیں بنا پائے ہیں۔

ایک بات تو ہم نے طے کر لی تھی کہ امی اور پھوپھو جان وغیرہ کو مسنون وقت میں نرمی جمار کے لئے جا کر خطرہ ہرگز مول نہ لیں گے۔ بلکہ وقت میں جمع کم ہو تو غیر ورنہ بدعرب لے جائیں گے نقما کے نزدیک وہ وقت کردہ ہی ہے،

حاجی شیخ ذوالفقار شاہ الہ آبادی، اور ان کے داماد مسٹر فرحت علی  
 رائے ایس کے ہمراہ ہم زوال سے پہلے کسی نہ کسی طرح قیسرے شیطان تک  
 پہنچ گئے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ ہماری چلیں، جمع میں چھوٹیں اور نہ احرام  
 کی بندش اپنی جگہ سے کھسکی جب کہ بہتوں کو دیکھا کہ نہ صرف جوتے گنوا کر بلکہ  
 دو ایک زخم بھی کھا کر واپس لوٹے ہیں۔

ملاوہ حاجیوں کے جوش و خروش کے رمی جمار کے موقع پر تنگی راہ سے  
 بھی بڑی سخت زحمت ہوتی ہے۔ یہ مرکز کے دونوں طرف جواد بچی اور بچی عمارتیں  
 کھڑی ہو گئی ہیں وہ انسانوں کے سمندر کو پھیلے نہیں دیتیں۔ حضرت صلی اللہ  
 علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ میں تعمیر کی رائے کو مسترد فرما دیا تھا۔ صحابہؓ نے عرض کیا  
 ”آپ کے لئے یہاں ایک مکان نہ ہم لوگ بنا دیں؟“ آپ نے فرمایا ”نہیں! منیٰ  
 تو پہلے پہنچ جانے والوں کے اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے۔“ حدیث میں  
 آپ کے اس ارشاد کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ منیٰ  
 قربانی رمی جمار اور حلق کے مناسب اور کرنے کی جگہ ہے اور اس مقام پر ہفتا  
 میں سب بار بار ہیں اگر یہاں تعمیر ہوئی تو پھر اس کی دیکھا دیکھی بہت سی تعمیریں  
 ہو جائیں گی۔ تحقیق علی الناس یعنی یہ جگہ لوگوں کے لئے تنگ ہو کر رہ  
 جائے گی (طیسی) اور امام ابو حنیفہ کا کہنا ہے کہ حضرت نے حرم کی ساری زمین  
 کو موقوف قرار دیا ہے۔ خلا یہود ذات یکتھا احسن یعنی کسی کو جاؤ نہیں چھ  
 کہ اس پر ملکیت کا تصرف کرے۔ مگر یہ سب حدیثیں اس کی توہمیں اور اس سے  
 منبذ مسائل ایک طرف اور منیٰ میں مکانوں اور مکانوں کی کثرت دوسری طرف

حتیٰ کہ کرایہ پر یہ مکانات چلائے جاتے ہیں۔

ادھر رمی جاری کیجئے اور ہر جا توقف دہاں سے چل دیجئے دہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں بنایا ہے فقہانے (دہلی کنکری پھینکنے کے ساتھ تلبیہ ترک کر دیجئے یعنی ۱۰۰ ذی الحجہ کو احرام باندھ کر مکہ معظمہ سے روانہ ہوتے وقت سے جو بیک اللہ بیک اللہ اب تک کہتے رہے تھے وہ بلی کنکری مارتے ہی بند کر دیا جائے گا اس کے بعد دوسرا کام ہے قربانی کرنا۔ قربان گاہ تک خود جانا اور دہاں جانور کی خریداری کرنا افضل اور ادنیٰ ہے مگر ہر ایک کے بس کی بات نہیں اس لئے معلم صاحبان کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

اس سلسلے میں عام طور پر لوگ بعلین پر عبود اور بھروسہ کرتے بعلین کا جو عمومی رویہ اپنے حاجیوں کے ساتھ ”نا خدا ترسی“ کا رہا کیا ہے اس کے پیش نظر ان پر نہ اطمینان کرنا ہی حق یہ جانب معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے معلم مولانا عبداللہادی سکندر قربانی کے لئے حاجیوں سے روپیہ لینے میں اس سے بھی زیادہ محتاط تھے۔ جتنے حاجی روپیہ دینے میں ہو سکتے ہوں گے۔ انھوں نے کسی ایک سے بھی روپیہ لے کر قربانی کرنے کی ہامی نہیں بھری، ہم اپنے دیرینہ تعلقات کی بنیاد پر ان کے سر ہو گئے پھر بھی وہ آمادہ نہ ہوئے۔ ان کے بیٹے عبدالوہابی کو گھیرا وہ اپنے باپ کے تعلقات کا لحاظ کر کے تیار ہو گئے۔ وہ بھی احرام باندھے ہوئے تھے انہیں بھی اپنی طرف سے اندگھروالوں کی طرف سے قربانی کرنے جانا تھا۔ یہاں حوالے کر دے کہ سات قربانیاں کر دیں۔ ایک بھیڑ و سور یاں میں پڑی اور فی جافور ایک رپالی ذبح کرنے والے کا ہوا۔

خود ہم مذبح تک نہیں گئے اس لئے دہان کا چشم دید حال نہیں کہہ سکے۔ عمارت  
خیر آبادی عورت لایاں دوسرے کے ذریعہ قربانی کرنے کو مدد نہ سمجھتے ہوئے خود گئے  
اصغر علی صاحب انصاری اور سید اکرام الحق صاحب کو بھی ہمراہ لے گئے تھے اور سب  
نیریت کے ساتھ قربانیاں کر کے واپس آگئے، اور نہ ہم سن چکے تھے کہ گڑی کا دبیر  
میں جب پہاڑی پتھر انگارہ ہوتے ہیں ان پر جب جانوروں کا خون مبتلا ہے تو  
جو بخارات ننگن سے اٹھتے ہیں ان کی تاب لانا آسان نہیں ہے جیسا کہ چاہاں  
قبلہ ہمارے عزیز اور مفتی اعظم میاں (کھٹو) کے پھوپھو زاد بھائی تھوڑیاں کا ہوا  
وہ مذبح ہی میں تورا کر گر پڑے تھے، وہ بھی خود قربانی کرنے کی انصاف حاصل  
کرنے دہان پہنچ گئے تھے۔

قربانی ہو جانے کی اطلاع ملنے کے بعد اب تیسرا کام یہ تھا کہ سر کے بال کوٹیں  
یا منڈوائیں۔ جس طرح ہمارے یہاں سرکوں پر گئے والے حجام نظر آتے ہیں  
بالکل اسی طرح منی کی سڑک پر بہت سے حجام بیٹھے تھے اور گاؤں کا ہجوم بھی  
بیٹھا تھا۔ نوک اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ ہم بھی اس فکر میں تھے کہ جلد از جلد  
سبک سڑ ہو کر اس تیسرے فریضے سے بھی سبکدوش ہو جائیں، دہان ایک حجام آؤ  
ہزار طلبگار کا حساب تھا۔ یہ بھی خیال آتا تھا کہ سڑک پر گئے پرہیز کر آج تک تو عجیب  
بزدلی نہیں بلکہ جلنے بوجھے حجام کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ سر بھی کبھی نہیں جھکایا ہے  
پھر بال ترشوانے اور منڈوانے کے درمیان بھی ذاتی طور پر ہم مذہب  
تھے یہ جانتے ہوئے کہ انفس حلق (منڈانا) ہے سوچ رہے تھے کہ اس سڑ سے  
سابقہ پڑنا، پھران جانے ہاتھوں کے ذریعہ، خطرے سے خالی نہ ہوگا، گو ہم پھر کہ

دیکھا ایک صاحبِ خلق کر رہے تھے اور اس نے کی تکلیف سے طرح طرح کے منہ بھی بنادے تھے اور وحشت جوئے لگی۔

اچانک متین میاں ایک ادیبِ عمر کے آدمی کو لئے خیمے کی طرف آتے نظر گئے ان کو کہیں سے اُردو بولنے والا صاف ستھرا احجام ہاتھ آگیا تھا اسے وہ لئے اُپر سے یہ لائل بجا کر پہنے والا تھا۔

ہماری والدہ وغیرہ تو عرفات سے واپس آکر خیمہ ہی منٹ خیمے میں ٹھہری تھیں کہ مدد بھائی بن کو اپنے یہاں سفارت خانے لئے گئے غلیم بھائی کی بیوی کچھ بیاہ گئی تھیں اس لئے وہ بھی ان کی تیارداری کے خیال سے سفارت خانے ہی چلے گئے خیمے میں ہم اور متین میاں سامان کی دیکھ بھال کے لئے تھے خیمے کے اندر ہی جھلم کو بلالیا۔ پہلے متین میاں نے خلق کرایا اور اپنا تجربہ بتایا کہ اس کا ماتہ بہت ہلکا اور اس کا ستر بہت رعاں ہے، ہماری بھی ہمت بندھی خلق کرایا اور خدا کے فضل سے کسی قسم کے خطرے سے دوچار نہیں ہوئے ہمارے عزیز شیخ ظہیر حسین دکنڈو بھی آگے انھوں نے بھی خلق کرایا۔ وہیں پانی خرید کر باقیوں میں بھرا اور احرام کی زبند باندھے باندھے ہم تینوں نہائے عرفات کی طرح منی میں بھی پانی کے ٹل گئے ہوئے ہیں جس کا جی چاہے پانی بھر لائے مگر دیکھا کہ ہر ایسی جگہ پر جو رخاہ عام کے لئے بوٹسٹنڈوں کی چند ٹویروں کا مستقل قبضہ رہتا ہے برکس و ناگس کی ہمت کہاں کہ ان کو بے دخل کر کے قبضہ حاصل کرے، وہی قابض رہتے ہیں یہاں بھی وہی نلوں پر قابض نظر آتے تھے۔ اس لئے عموماً لوگوں کو پانی خریدنا ہی پڑتا ہے۔ یہاں منی میں ترغ کم تھا عرفات میں پانچ دیال فی کنسٹر میاں دو دیال یا ڈھائی دیال ہیں، — یہ خیموں اور



ش میاؤں میں رہنے والوں کی شکل تھی، عمارتوں میں رہنے والوں کو غل غلا  
میں لگے ہوئے نلوں سے کم و بیش پانی ملتا رہتا تھا۔

خیر نہادھو کر احسرام اتار کر تاپا کجامہ پہنا اور ٹوبی —؛

انتظامات میں جزئی جزئی باتوں کا خیال نہ رکھنے کا ایک دلچسپ تجربہ  
نئی میں اس وقت ہوا جب نہا کر کپڑے پہننے لگے، احرام باندھ کر مکہ معظمہ  
سے چلے تھے ڈھائی دن ۸۔۵۔ اور ارذی الحجہ کو جب تک حلق نہ کرالیں احرام  
ہی باندھے رہنا تھا اس کے بعد کپڑے پہننا تھے ارذی الحجہ کو طواف زیارت  
کے لئے مکہ معظمہ آنا تھا ہی، صرف ایک جوڑا کپڑا لے لیا کہ دوسری کی دہر سے  
گیا دھوئیں تک چل جائے گا پھر مکہ معظمہ آکر کپڑے بدل لیں گے کپڑے بدلنے  
چلے تو بیکجامہ دہا ساتھ لائے تھے جس میں ازار بند ہی نہ تھا، بیکجامہ پہنے ہوئے  
تو اس کا ازار بند کام آجاتا اب کیا کریں، تہ بند نہانے میں بھگو چکے تھے، تو یہ  
باندھے باندھے یہ دن رات کیسے کاٹیں؟ دیکھا تو ٹوبی بھی ساتھ نہیں آئی تھی  
اس لئے کہ احسرام کی حالت میں سر ڈھانکنے مردوں کو منع ہے ٹوبی کی ضرورت  
ہی نہ تھی وہ بھی مکہ معظمہ میں چھوڑ آئے تھے۔ ٹوپیاں تو بازار میں یک ہی  
میں ازار بند کا میاں چلن نہیں معلوم ہو تلبے لے کر تے کے نیچے عموماً تہ بند باندھے  
جاتے ہیں یا فوجان عرب ہینٹ اور قمیص میں نظر آتے ہیں، پندوس کے چیمے میں  
بیگم اختر خستیاں عباسی قمیص ان کے پاس ایک ڈوری نکل آئی اس سے ہم نے  
ازار بند کا کام لیا۔

کپڑے پہن کر ننگے سر ٹوبی خریدنے بازو لگے ایک دیال میں کپڑے کی ایک

سکول ٹربی خریدی جسے ہم عربی ٹربی سمجھ رہے تھے معلوم ہوا کہ وہ ہندستان کے شہر سورت سے درآمد ہوئی ہیں۔ اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں۔

آج کے تینوں کاموں سے فرصت ہو چکی تھی اب لنے لانے اور باتیں کرنے کی گنجائش بخوبی تھی اچھی چاہے بازار گھومیں ہر طرح کا سودا بیاں مل رہا تھا منی قبیلہ کو آج توڑے سے بڑا شہر ہے۔ مکہ معظمہ میں اگر کوئی چاہے تو سارا وقت حرم کے اندر گزار سکتا ہے۔ منی میں مسجد خیف سے ضرور گزروں تو سڑک ہے وہاں ایک سوئی سے کوئی چند منٹ بھی بیٹھ نہیں سکتا۔ زیارت کرنے میں مسجد خیف جا سکے اور دو رکعت نفل پڑھ کر چلے آئے۔

سوائے طواف زیارت کے لئے مکہ معظمہ جانے اور منے کے باقی تین دن منی ہی میں رہنا اور روزانہ رمی جمار کرنا ہے۔ رمی جمار میں روزانہ کتنا وقت لگے گا؟ یہی گھنٹہ دیر گھنٹہ باقی وقت لوگ عبادت و تلاوت وغیرہ میں گزارتے ہیں اور خسریا رمی کرنے میں بھی،

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج بیاں زیر دست خطبہ دیا تھا حاضرین سے دریافت فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟

صحابہ جواب میں کہہ سکتے تھے ذی الحجہ کا مہینہ، مگر ایک طرف اس ادب کہ حضور کے سامنے اپنی واقفیت، جو آپ کے علم و واقفیت کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی ظاہر کرنے اپنے کو واقفکار جتنا مناسب نہیں دوسری طرف ایک بدیہی امر کے بارے میں حضور کا سوال ہے جس کا جواب سب پر عیاں ہے۔ یقیناً یہ استفسار جواب کے لئے نہ ہوگا بلکہ اس میں کوئی کھٹک ہوگی۔

بہر حال صحابہ نے ادب و حکمت کا خیال کرتے ہوئے وہی جواب دیا جو عموماً حضور انورؐ کے استفسار کا دیا کرتے تھے۔ یعنی ہم جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اللہ اور اس کا رسول بہتر جاننے والا ہے۔

ارشاد فرمایا: کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟

صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں؟

حضرت تھوڑی دیر خاموش رہے یہاں تک کہ صحابہ کو خیال ہونے لگا کہ شاید اس مہینے کا کوئی دوسرا نام حضورؐ تجویز فرمانے والے ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا: یہ شہر کون سا ہے؟

صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جاننے والا ہے۔

حضرت نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا کہ صحابہ کو خیال ہونے لگا کہ شاید مکہ معظمہ کا دوسرا نام تجویز فرمانے والے ہیں۔

ارشاد ہوا: کیا یہ مکہ معظمہ نہیں ہے؟

صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں؟

ارشاد ہوا: آج کا دن کون سا دن ہے؟

وہی جواب صحابہ نے دیا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جاننے والا ہے۔

پھر حضورؐ نے سکوت اختیار فرمایا کہ صحابہ سمجھے کہ شاید آج کے دن کا کوئی

اور نام تجویز ہونے والا ہے۔

ارشاد فرمایا: کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟

صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں ہے؟

جب اس قدر اہتمام کے ساتھ پہنچے شہر اور دن کے بارے میں آپ نے  
استفسار فرما کر ذی ابھو کے پہنچنے کا منظرہ کے شہر اور یوم النحر (قربانی کے دن)  
کی اہمیت کا احساس پوری طرح ذہنوں میں بیدار فرمادیا تو ارشاد فرمایا۔

”تو سنو! جس طرح اس شہر کے اندر اس پہنچنے میں یہ دن محترم و عظیم ہے اسی  
طرح تمہاری جانیں تمہارے ال اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے کے لئے  
قابلِ حشرم و عظیم میں وہ وقت آنے والا ہے جب تم اپنے پروردگار کے  
حضور میں حاضر ہو گئے دو تمہارے اعمال کے بارے میں تم سے باز پرس کرے گا  
دیکھو! ایسا نہ ہونے پائے کہ میسر بعد تم لوگ گراہی میں مبتلا ہو کر ایک دوسرے  
کی گردنیں کٹنے لگو!“

پھر ان ہی حاضرین سے اپنے فریضہ تبلیغ ادا کرنے کا اقرار لیتے ہوئے  
دیانت فرمایا کیا میں نے تبلیغ کا فرض کماحقہ ادا کر دیا ہے؟

سب صحابہ نے ایک زبان ہو کر اقرار کیا ”جی ہاں! بے شک۔“  
آپ نے پروردگار کی طرف رجوع ہوتے ہوئے کہا ”اے پروردگار تو گواہ  
دہنا! (ان لوگوں کے اقرار پر)“

کیسا تبلیغ انداز خطابت اختیار فرمایا آپ نے اس موقع پر! اور کس طرح ان کی  
نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کھلے ڈالے امور کے بارے میں سوالات فرما کر ذہنوں  
کو نئے جواب سننے کے لئے بے چین کر دیا!

جیسا کہ روایتوں میں ملتا ہے کہ صحابہ سرالبا انتظار ہو گئے جواب سننے کے لئے،  
ایسی بات جو شدید انتظار کی حالت میں گوش گزار ہو وہ کس حد تک جاگزیں ہوتی تھی؟

اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہو گا۔ علم بلاغت کا ہی نہیں علم نفسیات کا بھی سارا پنچوڑ اس ایک انداز خطابت میں سمویا ہوا ہے

بھرا ارشاد ہونے والی بات بھی تو نوع انسان کی حیات کے لئے کس قدر اہم ہے اس کے لئے اگر ایسا نازک اور دلوں میں اتر جانے والا انداز اختیار نہ کیا جاتا تو کب اختیار کیا جاتا؟

بات یہیں پر تمام نہیں فرمادی آپ نے بات اگرچہ اس میں ادنیٰ سا شبہ بھی نہ تھا کہ جو بھی ارشاد ہو گا وہ سب حاضرین گروہ میں بانٹ لیں گے۔

سب نے کرلی حسن و جلال در زبان

بات جو محلی لب انجائے سے

لیکن بات اور پیغام کی اہمیت کے پیش نظر حضور انورؐ نے صراحت کے ساتھ حکم دیا ہے

”حاضرین کو لازم ہے کہ وہ اس پیغام کو غیر حاضر افراد تک پہنچا دیں اس لئے کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ براہ راست سننے والے سے وہ بیاد یاد رکھنے اور سمجھنے والا ہوتا ہے جسے سن کر بات سنائی جائے“

تو ایک درس کی جان والی ادیب کے تسلیم کا پیغام اتنا اہم پیغام تھا کہ حضور انورؐ نے کنایتاً نہیں صراحتاً اس پیغام کو عام کرنے کا حکم دینا ضروری سمجھا!

کسی پیغام کو عام کرنے یا اس کو بار بار یاد دلانے کی ضرورت کبھی اس پہلو سے بھی ضروری ہوتی ہے کہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اسی معاملے میں لوگوں سے بے احتیاجی

زیادہ ہو گئی حضور انورؐ پر بلاشبہ انسانی ذہن کے سارے پہنچ و خم مختلف تھے عجب نہیں کہ بعد میں پیش آنے والے قتل و غارت و گری کے تاریخی واقعات کی کثرت کے تحت جان و مال و آبرو کے احترام کی غیر معمولی اہمیت جٹائی گئی ہو اور آج بھی اس کی ضرورت باقی ہے کہ جو اس پیغام کو حدیث و سنت سے جانتا ہے وہ نہ جانے والوں تک پہنچا کر فرمان نبویؐ کی تعمیل بجالاے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خطبہ یوم النحر در سوین ذی الحجہ کو سن چڑھے دیا تھا آپ اس وقت ایک سفید پتھر پر سوار تھے۔ حاضرین میں کچھ بیٹھے تھے اور کچھ کھڑے تھے۔ اور حضرت علیؓ ارشادات نبویؐ کو دہراتے جاتے تھے کہ جو دور پر کھڑے یا بیٹھے ہیں وہ بھی سن لیں اور محبت تمام ہو جاوے بھت بے شک تمام ہو گئی جن سب لوگوں تک براہ راست پیغام مبارک پہنچ گیا انھوں نے اس کا پوری طرح پاس بھی کیا لیکن جن تک وہ پہنچ نہ سکا یہ اہم پیغام پہنچا ان کا علیؓ در آمد معلوم کیا ان سے پروردگار عالم کی باز پرس کا انجام بھی مستتب و محض نہیں۔ مگر یہ کہ پیغام شانے والا ہی وہاں شفیق بن کر اپنے لطف و کرم سے نجات دلائے۔

دیورہ زن در کس نفس و ہوا عدلے دیں  
 زیں ہمہ با سایہ طفت پسر آورده ام  
 داناں نمی گویم کہ بودم سالبا در راہ تو  
 ہستم آں گرہ کہ آنوں رو برزہ آورده ام  
 تیسرے شیطان کو کنکریاں مارنے قربانی کرنے اور حلق کرانے کے بعد

چوں کہ کوئی خاص کام آج کے لئے نہیں تھا اس لئے باہم ایک دوسرے سے عرفاتِ دینی کی وارداتیں کیسے پہنچے کیسے آئے کیا گزری وغیرہ وغیرہ بیان ہونے لگیں۔

جن لوگوں کو مسئلے مسائل سے کچھ واسطہ ہے ان کے سامنے لوگوں کی گفتگوں بھی پیش ہونے لگیں۔ مناسک حج میں یوں کر کیا ٹھیک ہوا یا نہیں؟ ظاں بات رہ گئی اب کیا کیا جائے؟ یہ غلطی ہو گئی اس کا تدارک کیسے ہو؟ وغیرہ وغیرہ یہ صورت حال اتنے برسے مجمع میں ہمیشہ پیش آتی ہوگی، مناسک حج سے ہر ایک کی واقفیت یکساں درجے کی کہاں ہو سکتی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جب کہ آپ حج کے ہر دکن کو اس نماہاں طور پر انجام دے رہے تھے کہ حاضرین میں سے ہر ایک بآسانی اسے دیکھ سکے صحابہ سے ہمسر پھیر ہو گیا اور حضور انورؐ کو منیٰ ہی میں لوگوں کی اکٹھنوں کو رفع کرنے کے لئے وقت نکالنے کی ضرورت پیش آئی۔ ایک صاحب آئے عرض کیا "مجھے معلوم نہ تھا میں نے قربانی سے پہلے صلی کر لیا۔"

ارشاد فرمایا: اب قربانی کر ڈالو کوئی حرج نہیں۔  
دوسرے نے دریافت کیا: مجھے علم نہ تھا، رمی حرام سے پہلے ہی میں نے قربانی کر ڈالی۔

ارشاد فرمایا: اب رمی کر لو۔ کوئی حرج نہیں۔  
احادیث کے مطابق ارکان حج میں تقدیم تاخیر کے بارے میں کسی نے

بھی کچھ دریافت کیا آپ نے ہی جواب دیا۔ اب کر لو کوئی حرج نہیں ہوا۔  
 ائمہ اربعہ میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ رمی جمار قربانی اور حلق  
 میں ترتیب جو حضور انورؐ نے ملحوظ رکھی وہ سنت ہے جس میں رد و بدل سے  
 کوئی تاوان لازم نہیں آتا یا دوا جب ہے کہ اول بدل سے دم دینا پڑے گا۔  
 ہمارے امام ابو حنیفہؒ وجوب مانتے ہیں اور امام مالکؒ بھی ان کا کندیہ  
 ہے کہ حضرتؑ کے ارشاد کوئی حرج نہیں کا مطلب یہ ہے کہ کوئی گناہ نہیں  
 ہے اس لئے کہ نادانستہ ہوا لیکن دم واجب ہے اگر ہیر پھیر ہو گیا۔  
 میں تو حنفی کی حیثیت سے امام ابو حنیفہؒ کی رائے مانتا ہے۔ لیکن ایک  
 بات کتنا ضروری ہے وہ یہ کہ مناسک حج میں عام لوگوں سے بہت سی ایسی  
 غلطیاں ہو جاتی ہیں جو دم واجب کر دیتی ہیں۔ ایک دم دینے کا مطلب یہ  
 کہ چالیس ریال کے قریب کا خرچہ کئی ہوئے تو سو ڈیڑھ سو تک یہ خرچہ  
 پہنچ سکتا ہے۔

ایسی صورت میں جب اتنی محدود رقم سے جس کے پورے دوران قیام کے  
 لئے کافی ہونے پر اتفاق رائے نہیں ہے اور جس سے زیادہ لئے کوئی حاجی  
 جانیں سکتا اگر غایتوں کے دم پر اخراجات ہوئے تو حاجی بہت پریشانی میں  
 مبتلا ہو سکتا ہے۔ یہ سوچنے اور سوچ کر طے کرنے کا معاملہ ہے کہ موجودہ حالات  
 میں کیا مناسب نہ ہو گا کہ کوئی حنفی غیر حنفی مسلک پر مجبوراً عمل کرے۔  
 سب کاموں سے فراغت پا کر لوگ اپنی اپنی قیام گاہوں میں آگئے  
 اور اپنے اپنے اشغال و اعمال میں مشغول ہو گئے۔



تین روزہ قیام منیٰ میں ہر روز رمی جمار کے علاوہ کوئی اور پروگرام حج سے متعلق نہ تھا سوائے طواف زیارت کے لئے مکہ معظمہ جانے اور آنے کے جانے آنے کے سلسلے میں ٹریفک کی افزائش سے ہر روز انگی کے بعد اچھا خاصہ سابقہ پڑتا رہا تھا، ایسا کوئی انتظام سوچ رہے تھے کہ پھر ایسا سابقہ نہ پڑے

مکہ سے منیٰ اور عرفات جانے کے لئے اور تین روزہ قیام منیٰ کے بعد آپس کے مکہ معظمہ آنے کے لئے ہم سات عرب الدیار بڑی سپر چٹنی اور اولو العزمی سے جو سات سو دیال میں ایک ٹیکسی کر چکے تھے، وہ از روئے معاہدہ طواف زیارت کے لئے منیٰ سے مکہ معظمہ پہنچانے اور واپس لانے کی ذمہ دار نہ تھی، اس کے لئے از سر نو انتظام کرنا تھا — معلوم ہوا کہ ٹیکسی والوں کا یہ عام قاعدہ ہے کہ وہ طواف زیارت کے لئے لانے لے جانے کو معاہدہ میں شامل نہیں کرتے۔ دوسرے دن دار الذی ابھ کی طواف کے لئے مکہ معظمہ جانا تھا صلاح و مشورہ کے بعد طے پایا کہ ٹھیک دو پہر کو یہاں سے چلیں اس وقت سوار یوں کا ہجوم کم ہو گا اس لئے کہ بیشتر افراد ٹھنڈے ٹھنڈے یہاں سے روانہ ہو چائیں گے اور وہ پرتک شاید واپس بھی آجائیں کہ آج رمی جمار الشیطان کو کھکریاں مارنے کا وقت زوال کے بعد سے مغرب تک ہے۔

چودہ لاکھ حاجیوں میں اکیلے ہم بھی ہو تیار و عاقل نہ تھے دوسروں نے بھی اسی رخ سے سوچا، اسی لئے جب دو پہر کی دھوپ میں ہم لوگ سوا دی کی تلاش میں نکلے تو حاجیوں کی وہی چل پھل نظر آئی گو یا چودہ لاکھ کے

بعدہ لاکھ اسی دقت روانہ ہونے کے لئے نکلے ہیں۔

برہمچالی دودھریالی فی سواری کے حساب سے ہیں اور اسٹیشن دکن میں نئی سے مکہ پہنچا رہی تھیں ایک اسٹیشن دکن ہم لوگوں کے حصے میں بھی آئی ہے۔ تجارت خانے کے بالکل قریب ہی سواریاں مل رہی تھیں اسی دیر میں سفارحہ کا کام تھیں دہاں سے ان کو لے کر سواریوں کے اڈے تک آئے۔ اڈے تک آتے آتے چودھری غلام الدین اشرف صاحب ادران کی اہلیہ کا ساتھ چھوٹ گیا۔ کھڑے ان کا انتظار کرتے رہے آخر میں وہاں سے چلنے پر مجبور ہو گئے غلام بھائی بھی ہمارا راستہ دیکھتے دیکھتے تھک کر اپنی بیوی کے ہمراہ چل پڑے۔

مکہ میں انھوں نے اپنی دلدل دسائی کہ ایک ٹیکسی پر چوتین ریال فی سواری کے حساب سے سواریاں لے رہی تھی یہ دونوں میاں بیوی سوار ہو گئے اس کے بعد کچھ سواریاں اور آئیں ڈرائیور سے کرایہ چکایا اور بیچہ دگنیس ان سواریوں کو کچھ پہلے اترنا تھا انھوں نے جو کرایہ دیا اس پر ڈرائیور سے کڑاڑ منے لگی جو ماہر پیٹ کی حرکت پہنچ جانے والی تھی کہ وہ سواریاں جو عربی النسل معلوم ہوتی تھیں بغیر کرایہ ادا کے چلیں، ڈرائیور بھی ان کے پیچھے کرایہ کا تقاضا کرتا چلا گیا غلام بھائی ادران کی بیوی ٹیکسی میں ڈرائیور کی واپسی کی منتظر — آدھ گھنٹے تک تودہ واپس نہ آیا، مجبوراً دونوں میاں بیوی ٹیکسی سے اترے اب کرایہ کس کو دیں ڈرائیور تو تقاضے کے لئے گیا ہوا تھا، عاجز آ کر ٹیکسی کا نمبر نوٹ کیا اور کرایہ ادا کرنے کی صدق دل سے نیت کر کے وہاں سے پیدل مکہ منظر آئے، قریب ہی آچکے تھے — پھر نہ اس نمبر کی ٹیکسی نظر پڑی نہ وہ

ذرا نمود ہی کرایہ وصول کرنے کی فکر میں ان کو کہیں تلاش کرتا نظر آیا۔ خدا جانے اس کا کیا حشر ہوا؟۔ اگر ان عرب سواروں سے بھی کرایہ نہ وصول کر سکا تو اس کی ابھی دلیل ہوئی۔

مکہ معظمہ پہنچتے ہی ہم باپنجوں، امی، بھوپھو جان مانی تین میاں اور ہم سیدھے حرم شریف حاضر ہوئے کہ پہلے طواف اور صفا و مردہ کے درمیان سہی کر لیں پھر اپنی قیام گاہ، بوہرہ رباط، جا کر کھانا کھائیں گے۔

ٹھیک دو پہر کا وقت تھا مطاف میں پہنچے ہوئے سنگ مرمر سیاہ و سفید خوب تپ رہے تھے اور طواف کرنے والوں کا مجمع بھی خوب تھا۔ ننگے پاؤں طواف کرنا اس وقت کا رے دارو تھا۔ لیکن کرنا تھا ہم نے امی کا ہاتھ پکڑا انھیں نے بھوپھو جان کا بھوپھو جان نے مانی کا آخر میں تین میاں ہوئے۔ اس دفعہ یہ تہیہ کر کے طواف شروع کیا تھا کہ ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھٹنے دیں گے مگر دو ہی تین چکروں میں ہمارے ساتھ صرف امی اور بھوپھو جان طواف کرتی نظر آئیں مانی اور تین میاں غول میں فائب ہو گئے۔

طواف تو خیر ہو جاتا ہے یعنی خانہ کعبہ کے گرد کسی نہ کسی طرح گھوم لیا جاتا ہے مگر حجر اسود کا جو نما کسی طرح ممکن نہیں ہوتا، ایسی کوئی مشکل بات نہ ہو اگر لوگ آنے جائیں اور ہستلام کر کے دباں سے پتہ جائیں۔ یہاں بھی مہی ہوتا ہو کہ دس بارہ آدمیوں کی فولی خانہ کعبہ کے اس گوشے کو گھیرے دہتی ہو جو دھر حجر اسود نصب ہے خانہ کعبہ کے دربان کپڑے کے بٹن جوئے کوڑے زیادہ دیر تک حجر اسود سے چمے رہنے والے یا دھکم پیل کرنے والے پر پرستے

رہتے ہیں مگر کسی پر کوئی اثر نہیں ہوتا وہ اپنی کے اجاتے ہیں یہ اپنی، اسی  
 مصیبت سے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرا سو دو کو جو مٹا لازم نہیں فرمایا  
 موقع ہو چھے نہ موقع ہو تو صرف تھیلیوں سے اشارہ کر کے اپنی ہتھیلیاں  
 چوم لے۔ ہم لوگ بھی اپنی ہتھیلیاں ہی ہر شیط (چکر) میں چومتے رہے۔  
 بجوم دیکھ کے کثرت سے سنگ اسود پر  
 کبھی اشارے سے بھی استلام ہوتا ہے

طواف پورا کرنے کے بعد زمزم پر گئے۔ لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ چاہ  
 زمزم سے خود رسی ڈول کے ذریعہ زمزم نکال کر پیئیں اور نہائیں۔ لیکن اب  
 وہ خوب دین ہے، پائپ کے ذریعہ زمزم ابٹن ہے پائپ کے سرے خدام کے  
 ہاتھوں میں ہوتے ہیں وہی پلاتے ہیں اور بوتلہ بوتلہ سے انعام بھی مانگتے جاتے  
 ہیں کسی نے کچھ دیدیا یا دینے والا نظر آیا اُسے پلاتے بھی ہیں نہلا بھی دیتے  
 ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی ٹونٹیاں بھی لگی ہوئی ہیں اسی طرح جس طرح  
 مسجدوں میں وضو کرنے کے لئے ایک قطار میں لگی ہوتی ہیں ایک سمت مرداؤ  
 دوسری سمت عورتیں ٹونٹیاں کھولیں اور خوب چھک کر بلی لیں چاہیں تو  
 نہا بھی لیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب زمزم پر تشریف لائے تھے تو آپ نے  
 چلانے والوں سے، یعنی ان لوگوں سے جن کے سپرد ستایہ رکھ تھا۔ یعنی حضرت  
 عباسؓ حضور انورؐ کے گئے چچا، اور ان کی اولاد سے زمزم مانگا تھا۔  
 حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے فضل بن عباسؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی

کے پاس سے زمزم ٹاکر حضور انورؐ کو پیش کریں۔

حضور انورؐ نے فرمایا: ”یہی زمزم چلاؤ۔“

عباسؓ نے عرض کیا: ”اس میں تو لوگوں کے ہاتھ پڑتے رہتے ہیں؛

آپؐ نے فرمایا: ”اسی سے چلاؤ“ اور اسی زمزم سے آنحضرتؐ نے نوش فرمایا  
اس کے بعد چاہ زمزم تک حضور انور تشریف لائے اور دیکھا کہ حضرت عباسؓ

اور ان کی اولاد جدوجہد کر کے زمزم نکال رہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ”تم لوگ  
نیک کام کر رہے ہو اور یہ بھی فرمایا کہ: ”اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میری دیکھا دیکھی  
اور لوگ بھی ٹوٹ پڑیں گے تو میں ادنیٰ سے انہوں سے انہوں کے اپنے کندھے پر دسی  
رکھ کر زمزم خود نکالتا۔“ مطلب یہ کہ یہ عمل نیک ہے جس کو انجام دینے کی

خواہش ہوتی ہے لیکن اندیشہ ہے کہ لوگ میرے اس فعل کو سخت قرار دے کر  
اس کی اتباع کرنا چاہیں گے تو ستائش کا سارا نظام دہم برہم ہو جائے گا۔ آنحضرتؐ  
اس وقت ادنیٰ پر سوار تھے تاکہ اعمال حج حاضرین بخوبی دیکھ سکیں۔

”چاہ زمزم“ سے چل کر صفا اور مردہ کی پہاڑیوں پر سعی کرنے یعنی دوڑنے  
یا تیز چلنے کے لئے آتا تھا۔ چاہ زمزم سے پہ چلے قدم کا فاصلہ تھا پہلے یہ سعی بھی  
خاصی سعی و کوشش جانتی ہوگی جب دونوں پہاڑیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اب  
پہاڑیاں اور سعی (دوڑنے کی جگہ) مسقف (سایہ دار) اور زمین بالکل ہموار  
کر دی گئی ہے۔ پہاڑیاں بھی بڑی حد تک زمین دوز ہو چکی ہیں صرف اوپریں  
معلوم ہوتے ہیں۔

صفا سے سعی شروع کر کے اور سعی کے درمیان سعی کی ابتدا ادا تھا۔

کمرنے کے لئے دو پتھر لگے ہوئے ہیں، دوڑ کر مردہ پر جانا ایک چکر ہے پھر مردہ سے صفا تک دی طرح آنا دوسرا چکر ہے اس طرح سات دنوں آنا جانا ہوتا ہے اور مردہ پر سچی تمام ہوتی ہے۔

آج کے دن سچی میں بھی بڑا جھوم ہوتا ہے کاڈھے سے کاڈھا اھلتا ہو جانے اور آنے کے راستے بیچ میں بھی منڈیری سی قائم کر کے متعین کر دئے گئے ہیں لیکن جگہ ہی مختصر ہے۔

ہم تینوں، امی بھو بھو جان اور ہم سچی سے فارغ ہو کر یعنی تقریباً سو ادھل چل کر اود دوڑ کر داپس بوہرہ دباط آگئے۔ یہاں تین میاں اور مانی کا انتظار کرنے لگے جب کافی دیر ہو گئی تو وحشت ہونے لگی ان کی تلاش میں حرم تریف گئے جس دروازے سے ہم لوگ طوان زیارت کے لئے داخل ہوئے تھے وہیں چلیں جاتے رکھ دیئے تھے آئے تو دیکھا کہ مانی اور تین میاں کی چیلیں رکھی ہوئی ہیں یعنی وہ توں بھی یہیں تھیں تلاش کیا تو صفا مردہ کے درمیان دونوں سچی کر رہے تھے پوچھا کہ کتنی سچی باقی رہ گئی ہے؟ تین میاں نے بتایا کہ ایک چکر اور کرنا ہے ہم بھی ساتھ ساتھ چلنے لگے، مردہ سے صفا کی طرف آ رہے تھے یعنی اب صرف صفا سے مردہ تک جانا باقی تھا۔

جب مردہ تک آئے کے بعد بھی تین میاں کو سچی تمام کرنے پر آمادہ نہ پایا تو بڑھاکہ کیا ابھی ایک چکر اندباتی ہے؟ کہنے لگے: "جی نہیں آخری چکر ابھی پورا کمال" "کیسے؟"

کہنے لگے "صفا پر پہنچ کر ہی پورا ہوگا۔"

”تو کیا آپ نے صفا سے مردہ بھر مردہ سے صفا تک آنے کو ایک چکر قرار دیا ہے؟“

انہوں نے کہا: اور نہیں تو کیا؟

”غضب کر دیا آپ نے بچاری مانی کو جن کے پاؤں میں تکلیف یوں ہی؟ چودہ چکر کرادیئے یعنی ساڑھے چار میل دوڑایا۔“

ہماری مانی اتنی دیر تک سعی کو کہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ آج پوری طرح سعی ہوئی پہلے دن (عمرہ کی ادائیگی کے وقت) تو معلم صاحب کے ہندسے نے کتنی جلدی کر دیا تھا۔

اس بچارے نے سات چکر کر کے تھے چودہ چکر تین میان لے گھاتے میں کرادیئے۔

خیرابنی قیام گاہ آئے۔ عظیم بھائی دوران کی بیوی بھی آچکی تھیں مدہ پہر کا کھانا بازار سے خرید کر آیا اور سہ پہر سے قبل یعنی نماز عصر سے پہلے منی کے لئے روانہ ہو گئے کہ قبل مغرب برمی جمار کرنے کا موقع مل جائے۔ دو میل فی سواری والی ایشن دین بھر مل گئی اس پر ساتوں کو جگہ بھی مل گئی ادہم لوگ روانہ ہو گئے۔

آج پہلی بار مکہ معظمہ میں سناٹا دیکھا تھا بازار میں بھی خالی اور حرم بھی خالی خالی تھا۔ حاجیوں کی اصل تعداد تو منی میں قیام پذیر تھی پھر بھی دوکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ یہ وہ دوکاندار تھے جنہوں نے اس سال حج کرنا ضرور نہیں سمجھا تھا۔

تجب ہو گا یہ جان کر کہ کچھ ایسے بھی ہیں جو کہ مظہ میں رہتے ہیں اور  
 حج نہیں کرتے۔ جب کہ چودہ لاکھ آدمی در در دور سے آکر خاکسک حج ادا  
 کر رہے ہیں۔

کہ مظہ سے منی داپس ہونے میں پھر ٹریفک جام ہوئی یہ تین چار میل کی  
 مسافت طے ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ ڈرائیور نے عام راستے سے  
 ہٹ کر چکر کا راستہ بکڑا اور اس طرف سے منی میں داخل ہوا جدھر قربان گاہ  
 تھی۔ یہاں پہنچ کر اس کی گاڑی قطار میں پھنس گئی اور ایک ہی جگہ ٹنک کر  
 رہ گئی شرمی بھی سخت ہو رہی تھی ہم سب پریشان ہو گئے۔ عظیم بھائی اتر کر یہ  
 دیکھنے چلے گئے کہ ٹریفک کیوں جام ہے۔ کالی دیر کے بعد عتین نیاں اترے  
 اور عظیم بھائی کو ڈھونڈنے چلے گئے اور ہم خواتین کی معیت میں رہے اور  
 اینٹن دیگن ہماری معیت میں عصر کا وقت تنگ ہونے لگا اور یہ اندازہ ہوا  
 کہ اگر راستہ صاف ہونے کے انتظار میں رہے تو نماز عصر بھی جا لے گی اور رمی  
 کاسنوں دستب وقت بھی۔ کوئی پون میل دودھ ہماری گاڑی کھڑی تھی،  
 اتنے میں مولانا علی میاں اور شاہ جعفر میاں پھلوا ری ہمارے پاس سے  
 پیدل گزرے ان کی ٹیکسی بھی پھنس گئی تھی وہ بھی اسے چھوڑ کر رمی جمار  
 کے لئے وقت پر پہنچ جانے کے خیال سے پیدل چل دئے تھے جہاں وہ  
 طے تھے وہاں سے جمرہ ادا کی تک پہنچتے پہنچتے یقیناً سورج غروب ہو گیا  
 ہو گا اور انہوں نے بھی بعد مغرب ہی رمی جمار کیا ہو گا۔

ہم بھی خواتین کو لے کر پیدل چل دیے۔ جب اپنے خیمے میں پہنچے ہیں تو



صرف اس کی گنجائش تھی کہ بھٹ پٹ وضو کر کے عصر کی دو رکعتیں پڑھ لیں  
غروب آفتاب کے بعد وقت کردہ میں رمی جمار کے لئے جا سکے۔ یہ عظیم بھائی  
اور متین میاں جو یکے بعد دیگرے گاڑی سے اتر گئے تھے ٹریفک جام ہونے  
کا سبب دریافت کرنے کی غرض سے ان دونوں نے لپک کر قبل مغرب ہی  
رمی جمار کر لیا اور ہم خواتین کے ساتھ بعد مغرب جا سکے۔

اندازہ ہوا کہ رمی جمار کا کام حاجیوں کے لئے بڑا مشکل ہوتا ہے۔ لوگ اس  
نکد میں رہتے ہیں کہ ان کی طرف سے کوئی کنکریاں مارنے کی ذمہ داری قبول  
کرے، حالانکہ سوائے معذوروں، بیماروں کے اور کسی کی طرف سے نیا ہٹا کنکریاں مارنا  
درست نہیں ہے۔

شیخ ظہور الرحمن صاحب (رینارڈ سکریٹری محکمہ مال یو پی) نے اس سلسلے میں  
تازہ ترین واردات سنائی۔ کہنے لگے: "منا آپ نے مولانا محمد اویس صاحب  
نگرامی کے پاس ایک ان کے شناسا دیہاتی ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے آئے اور  
ایک پوٹلی ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولے کہ مولوی صاحب ہم لوگوں کی  
طرف سے بھی آپ ہی کنکریاں مار دیجئے گا۔ آپ تو جا ہی رہے ہیں!"

مولانا اویس نے مسئلہ بتایا کہ سوائے معذور کے اور کسی کی طرف سے کوئی  
دوسرا کنکریاں نہیں مار سکتا ہے۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا اویس نے  
کہا کہ "مذہوری کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے!"

پھر اس سے پوچھا کہ جن جن کی یہ کنکریاں ہیں وہ کھڑے ہو کر نماز نہیں  
پڑھ سکتے ہیں؟

اس نے بوجہ جواب دیا: جی! وہ لوگ نماز ہی نہیں پڑھتے ہیں۔ مولانا اویس صاحب ہیں، ملکا کر رہ گئے۔

میکہ معظمہ سے اس دفعہ جو نئی واپس آئے تو ایک نئی صورت حال سے سابقہ پڑا، قربانی کا دن ایک روز پہلے تھا ہی، بڑی پابندی ہے کہ سو اے قربان گاہ کے اور کہیں جانور ذبح نہ کیا جائے لیکن لوگ جہن ٹھہرے ہوئے ہیں وہیں جانور کا ذبح کر دیتے ہیں۔ بلکہ میں آپ کے خیمے کے سامنے آکر ذبح کر کے ادھر ہی وغیرہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں پھر جو تعفن ہوتی ہے تو ایک منٹ ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے امی وغیرہ تو حسب معمول سفارت خانے چلی گئیں ہم اور تین میاں خیمے میں رہنے والے تھے مگر مارے بدلو کے وہاں ٹک نہ سکے اور سامان وغیرہ چھوڑ پھاڑ سفارت خانے چلے گئے رات وہیں بسر کی۔

سرمدت کامل قدوائی جن کی سفارت میں اس سال پہلا حج ہو رہا تھا رواج کے موافق دوران قیام منی میں ایک دن شاہ فیصل کو حج کی مبارکباد دینے گئے اور اپنے ساتھ کچھ معزز ہندوستانی حاجیوں کو بھی لے گئے۔ یہاں سفیر کا دستہ ہے کہ وہ شاہ کو خیریت کے ساتھ حج ہو جانے کی مبارکباد دیتے ہیں اور شاہ ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

بحیثیت سلطان نجد و حجاز شاہ فیصل کا بھی یہ پہلا حج تھا ہم تو مبارکباد دینے گئے نہیں، خدا معلوم کسی ہندوستانی یا پاکستانی یا کسی اور ملک کے حاجی نے بڑی فک کر پریشانیوں کی طرف بھی شاہ فیصل کو توجہ دلائی یا نہیں، یا خالی مبارکباد کے چلے آئے۔

ہمارے سفر نے یہ بھی اپنے ذمے لیا ہے کہ ہندوستانی حاجیوں کی قیام گاہوں میں کم از کم ایک دفعہ ضرور جائیں اور ان کی خیریت پوچھ لیں۔ ورنہ دور تک یہ قیام گاہیں پھلی ہول نہیں۔ صبح سویرا اور رات کے اوقات میں سفیر صاحب اپنے حاجیوں کی خیریت پوچھنے کے لئے نگشت پر نکلتے تھے۔ رات چھ دہیں آکر بستر پر پڑتے تھے۔

ایک دفعہ نگشت کر کے واپس آئے تو کہنے لگے: ایک تم مووی ہو یہاں لکھے کے بیچ آرام سے بیٹھے ہو۔ مولانا علی میاں کو دیکھو کہ دوسو آدمیوں کے درمیان بستر ڈالے ایک شامیانے میں پڑے ہیں۔ بھی ہمارے دل میں تو ان کی بہت قدر ہو گئی۔

پھر انھوں نے جس تلقین کرتے ہوئے کہا: معمولی آدمی نہ سمجھنا علی میاں کو! رابطہ عالم اسلامی کے وہ نائب صدر ہیں اور جب صدر صاحب دوسوی عرب کے مفتی اعظم نہیں ہوتے ہیں تو رابطہ عالم اسلامی کے جلسوں کی صدارت علی میاں ہی کرتے ہیں۔ اتنا بڑا آدمی اور اس طرح عام آدمیوں کی طرح رہ رہا ہو اصلی اسلامی زندگی تو یہی ہے۔

ان سے تو نہیں کہا کہ اس تلقین کا استعمال ہمارے حق میں یہ عمل نہیں کہ ہم ان کو جس برس سے قرب سے جانتے ہیں اور پشتوں سے ہمارے ان کے عزیزانہ قسم کے مراسم ہیں اور دیکھا جائے تو پورے دوسو برس ہوئے جب رائے بریلی کے اس خاندان سے فرنگی محل کے خاندان کے روابط قائم ہوئے تھے ہمارے اجداد میں مولانا ازہار الحق صاحب تو رائے بریلی میں ہی پیدا

اصل نقش بندی سے بیعت کر کے وہیں مقیم ہو گئے تھے۔

یہاں سوال آ رہا کہ اور تکلیف اٹھانے کا تو واقعہ یہ ہے کہ آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے اور حج حج میں فرق ہوتا ہے۔

حج دیارت کردن خسانہ بود

حج رب البیت مردانہ بود

بعض حاجی واقعی مردانہ طور پر حج کرتے ہیں باقی سب زیارت خانہ

کعبہ کے آگے کی نمائندگی کرتے

مولانا علی میاں، مولانا منظور نعمانی اور دوسرے مندوبین کو مراسلا بھیجا

یہاں تھے سب کو بڑی بڑی موٹریں جن کی پلیٹ نمبروں پر رابطہ الاسلامی لکھا ہوا تھا، سواری میں دی گئی تھیں اور قیام کا ہتھکڑی بہتر انتظام مکہ معظمہ اور منی میں کیا گیا تھا۔ علی میاں اور منظور صاحب کے لئے بھی یہی انتظام تھا مگر ان دونوں نے عام حاجیوں کے ساتھ رہنا پسند کیا۔

ہم نے علی میاں سے کہ معظمہ میں اپنے سفر کا یہ تاثر نقل بھی کر دیا۔ انھوں نے اپنے عام وسیع کے مطابق آنکھیں جھکا کر اور قدر سے مسکرا کر بس اتنا کہا: جی! کچھ جماعت سے متعلق امور ہیں جن کے سلسلے میں ہمیں الگ نمبر سے میں رحمت مہدی منی کے یہ تین دن اور اس سے ایک دن قبل عرفات کا پیش اور وصول کھانے

کے دن ہیں۔ ان دنوں کے بعد یا اسی دوران عام طور پر حاجی بیمار ہو جایا کرتے ہیں۔ بخار، پیچش، حلق کی خرابی وغیرہ کی بیماریاں ہوجاتی ہیں۔ ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ زیادہ تر بازار سے کھانا خرید کر سب کھاتے ہیں۔

ان بیماریوں کا نام ہی دہاں بعد اچھے ہے یعنی وہ بیماریاں جو حج کے بعد  
عموماً حاجیوں کو ہوتی ہیں

خدا کے فضل سے ہمارے ساتھیوں میں سے کوئی "بعد اچھے" والی بیماری میں مبتلا نہیں ہوا، مسرت و راحت علی را آئی رہے۔ ایسا جو اپنے خسر شیخ ذوالفقار اللہ صاحب کے ساتھ تھے بہت تیز بخار میں مبتلا ہو گئے اور ان کی حالت غشی کی وجہ سے دیکھنے میں تشویش ناک معلوم ہونے لگی تھی۔ علاج وغیرہ سے قدرے بہتر ہوئی مگر حرارت کا سلسلہ قائم رہا۔ جہاز پر بھی وہ بخار میں مبتلا رہے۔ بمبئی پہنچنے پر ان کی طبیعت ٹھیک ہوئی۔

ہمارے عزیز شیخ ظہیر حسین (لکھنؤ) توفیق حج ہی بیمار ہو گئے تھے اسی حالت میں انھوں نے ناسک حج ادا کئے جو ادا کر سکتے تھے پھر دوسرے چلے گئے۔ جمال باقاعدہ علاج کے بعد وہ بھی چھوٹ گئے۔

سنا ہوا تھا کہ ذوق و شوق سے جانے والے حاجی حج کے بعد اسی قدر بے چینی اور بے تابی سے واپسی کے خواہش مند ہو جاتے ہیں۔ منیٰ میں ہوتے ہیں کم سفارت خانے کے (انٹرن) سے اپنے جلد واپس ہونے کے وجود و اسباب بتا کر توجہ حاصل کرنے کے لئے سعی شروع کر دیتے ہیں۔ منیٰ میں ہمارا بیشتر وقت سفارت خانے میں گزرا اس لئے اپنی آنکھوں سے واپسی کے لئے اضطراب کے مناظر دیکھنے کیسے کیسے لاطائف اعداد و گ پیش کرتے تھے کہ ہنسی آ جاتی تھی۔ سفارت خانہ میں ملنے میں سختی کر رہا تھا، سو اے ان لوگوں کے جو بیمار ہیں یا جو ملازم ہیں اور چھٹی لے کر حج کرنے آئے ہیں کسی اور کو اس کی مابری سے پہلے جانے کے لئے تڑپھی پڑا نہیں

دے رہا تھا اگر دینا خسر مرع ہو جائے تو سب ہی درخود ست لئے کھڑے نظر آئیں  
 بہر حال تین دن مٹی میں قیام کر کے بارہویں ذی الحجہ کو رات کو ایک بجے اپنی  
 سات سو ریال والی ٹیکسی کے ذریعہ مکہ معظمہ واپس آ گئے۔ چونکہ ہم آخری جہاز سے  
 آئے تھے اس لئے ہمیں کم و بیش ڈیڑھ گھنٹے مکہ معظمہ میں رہنا تھا اس کے بعد  
 دس دن کے لئے مدینہ منورہ جاتے اور وہاں سے واپس جدہ آ کر کہیں دست بوجہ  
 میں بیٹھنے کے لئے روادہ ہوتے لیکن معاملات کی رفتار کہ معظمہ پہنچ کر کچھ مختلف ہو گئی۔

---

## حج کے بعد مکہ معظمہ میں

مکہ معظمہ واپس آ گئے، اب یہاں صرف قیام کرنا تھا، حج کی تکمیل ہو چکی تھی حاجیوں کی بڑی تعداد جن میں سعودی باشندے اور وہ حاجی شامل تھے جن کے کھول اور سعودی ملک کے درمیان ویزا پاسپورٹ کا کوئی جھگڑا نہ تھا، واپس ہونا ضرور ہو گئی تھی کوئی دس لاکھ حاجی دیکھتے دیکھتے مکہ معظمہ سے رخصت ہو گئے، یادہ چہل پہل تھی کہ حرم شریف کے اندر کیا حرم کے آس پاس جگہ ملنے میں زحمت ہوتی تھی یا اب کتنی ہی تاخیر سے کوئی پہنچے حرم ہی میں اسے صاف بتا ہونے کی سعادت نصیب ہو جاتی تھی۔

تین دن کے اندر مقامی باشندے یہاں سے کوچ کر گئے اور پہننے کے آخر تک غیر مقامی باشندوں کے دینے بھی رخت سفر باندھتے نظر آئے۔ یہ اس وقت ہوا جب سعودی حکومت کی طرف سے "کوس ریل" بن چکا تھا۔

معلوم ہوا کہ حج کے بعد پاسپورٹ اور ویزا کے اسیر حاجی، اس وقت تک مکہ نظر سے ہل نہیں سکتے جب تک سعودی حکومت کی طرف سے "لائسنس"۔

دراستہ صاف ہے کہ اعلان (انہ ہو جائے عموماً حج کے اختتام کے ایک ہفتے کے اندر ہی اندر) پر بندید مہلبا کی صدائے جس فریاد یا مژدہ بن کر گونجنے لگتی ہے۔

کچھ تو وطن واپس ہونے لگتے ہیں، یہ وہ حاجی ہیں جو قبل رمضان آئے تھے اور سارے تین مہینے عجیبی طور پر جوار رسولؐ اور جوار کعبہ میں گزار چکے تھے، واپس جہاز انہیں حاجیلوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ ۴۰ مارچ کو مارک حج پاؤں تکمیل کو پہنچے تھے، شاید، ۴۰ مارچ کو کوس رحیل، "بجاذ کوئی نہ سمجھنے کے واقعی کوئی سائرین غیرہ" بجایا گیا، اور ۴۰ مارچ کو ہندستانی حاجیل کا پہلا دستہ رخصتی طواف کر کے اپنے پاؤں واپس حبشے روانہ ہو گیا۔

خانہ کعبہ کا رخصتی طواف یا طواف وداع کر کے اپنے پاؤں ہی واپس ہوا جاتا ہے اس طرح کہ منہ کعبہ شریف کی طرف رہے اور پیٹھ دروازے کی طرف اور اپنے لیے باب الوداع تک آیا جائے یعنی رخ برا بھلا کعبہ کی طرف رہے اسے رجعت تمغہ پوری کہتے ہیں۔

تمام فقہاء طواف وداع کے بعد رجعت تمغہ پوری کو مستحسن بتاتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ اس رجعت تمغہ پوری کے سلسلے میں کوئی مرنوع یا موقوف حدیث نہیں پائی جاتی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا صحابہ کرامؓ سے اس بار میں کوئی حکم یا اور شرع مروی نہیں ہے مگر تمام فقہانے احترام خانہ کعبہ کے خیال سے اس کی طرف پیٹھ نہ کرنے (اور اپنے پاؤں واپس ہونے کو طواف وداع میں مستحسن قرار دیا ہے اور وہ بات جس کی کوئی شرعی سند نہیں اور عام لفظوں میں جسے بدعت کہتے ہیں اسے سب سے قبل کر لیا ہے۔



جو لوگ دین میں نئی بات کو بدعت کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں وہ اس بدعت  
 فقہری پر علماء کے اجماع کو خدا جانے کیا کہیں گے۔ بات یہ ہے کہ اگر بدعت کی  
 تعریف کرنے میں کوئی غلطی کر جائے تو وہ خود ہی اپنی غلطی کا شکار بن جاتا ہے  
 "کل بدعت ضلالت" اسی حدیث کی تشریح میں کسی بھی نئی بات کو پہلے بدعت  
 قرار دیا پھر بعض نئی باتوں کو ضروریات دین میں سے پا کر بدعت کی فہم کی کہ اس  
 بدعت کو وہ بدعت مستحسنہ بدعت مباحہ حتیٰ کہ بدعت واجبہ تک کی قسم نکل آتی پھر  
 "کل بدعتہ" میں استثناء کی ضرورت لاحق ہوئی۔

بحث کا یہ محل تو نہیں لیکن انٹادی دینی مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ  
 فرمائی علیٰ مظلہ العالی نے بدعت کی جو جامع تعریف کی ہے اس کو نقل کر دینا ضروری  
 معلوم ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں "اولہ شرعیہ (کتاب سنت رجوع و قیاس) سے جس  
 فعل یا اعتقاد یا حکم کا رضی عمل، عقیدہ، جواز، استحباب، وجوب، فرضیت، حرمت  
 کراہت، ثواب (و رخصت) و غیرہ کا شرعی اور دینی ہونا ثابت نہ ہو اُسے  
 شرعی اور دینی سمجھنا یا شرعی اور دینی سمجھ کر اسے برتن بدعت ہے اس کو  
 احداث فی الدین کہتے ہیں اور اس تشریح کے محاذ سے کل بدعت ضلالت  
 میں کوئی استثناء نہیں جن امور کو بدعت مباحہ یا مستحبہ یا واجبہ یا مکروہہ وغیرہ کہتے  
 ہیں وہ اس تشریح کی بنا پر سب سے شرعاً بدعت ہی نہیں کیونکہ ان کے جواز  
 یا وجوب یا استحباب یا کراہت وغیرہ کا اولہ شرعیہ میں سے کسی نہ کسی دلیل سے  
 ثبوت ہوتا ہے اگر ان کو قیاس سے تو ضرور ثبوت ہوتا ہی شرع مقدم شیخ مدظلہ  
 برہانی کچھ لوگ وطن کی طرف چل پڑے اور کچھ دینہ شریف کے عازم ہو گئے

ان لوگوں کے لئے ہدائے جس واقعی مژدہ تھی۔

حج کے بعد اچانک مدینہ منورہ میں آتا ہوا اجتماع ہو جاتا ہے کہ حدود مدینہ منورہ میں سانس پاتا، مقامی باشندے اور وہ جن پر دیزا پاسپورٹ کا نفاذ نہیں تین دن کے اندر مدینہ شریف زیارت کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ سچہ یہ کہ وہاں جگہ کی قلت کے علاوہ پانی تک کی قلت ہو جاتی ہے اس لئے دیزا پاسپورٹ دے دے حاجیوں کو، جو جمع مدینہ شریف کی حاضر کے لئے، تیار ہوئے ہیں، روک روک کر رکھا جاتا ہے اور بالاتفاق روزانگی کی اجازت دی جاتی ہے اور آٹھ دس روز سے زیادہ وہاں قیام کی اجازت یا موقوفہ نہیں ملتا یعنی ایسے وقت حاجی کو مکہ معظمہ سے جانے کو ملتا ہے کہ اس کے جہاز کے چھٹنے میں ۱۵-۱۶ دن باقی ہوتے ہیں۔ چاہے بھی تو مدینہ شریف میں دس دن سے زیادہ وہ ٹھہر نہیں سکتا۔

موالی جہاز سے آنے والے حاجیوں پر پابندیاں ڈھیلی ہوتی ہیں پھر بھی حج کے بعد مولانا حبیب الرحمن عظمیٰ محدث کو مکہ معظمہ سے مدینہ شریف جانے کی اجازت ایک ہفتے تک نہیں ملی جب کہ ان کے موالی جہاز کی روزانگی کو دس ہی دن رہ گئے تھے یہی معلوم ہوا کہ مدینہ شریف میں کثرتِ زائرین سے پانی کی قلت ہو گئی ہے۔

ہمارے ایسوں کے لئے جو آخری جہاز سے حج سے صحت پانچ روز پہلے پہنچے تھے کہ مکہ معظمہ سے جانے کا خواب بھی دیکھنا اس وقت غلط تھا اس لئے اب گھر کے خواب دیکھنے لگے۔

گھر پر پڑھے نماز کیجئے نیاز آدمی چاہے کرے کچھ تو!

گھر سے روانہ ہوئے پورا ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ حج سے پہلے تو امتحانات حج میں انہماک رہتا ہے گھر کی خبر سلا کا پس یوں ہی سادھیان آجاتا تھا، اب خطوں کا بے چینی سے انتظار ہونے لگا۔

یہاں گھر سے آئے ہوئے خطوں کا دل جانا دشوار سہی پر اتنا دشوار نہیں جتنا کہ معظمہ سے خط کی روانگی مشکل بلکہ مذاب ہے۔ خط لکھے سادہ لفظ بازار سے خریدے چہ کہ لکھا کر ڈاک خانے جیسے جہاں ہزاروں آپس کی طرح پتہ لکھے لفظانے باتوں میں لئے کھڑے ہوں گے خدا جانے آپ کا نمبر کب آئے۔ انتظار کیے جائے جب نمبر آئے ٹکٹ بابو کو لفظ دیدیکھے وہ دیکھ کر بتائے گاتے کا ٹکٹ ہو دم بجے ٹکٹ لیجئے لفظانے پر چپاں کر کے لفظ پھر انھیں بابو کے حورے کر دیجئے۔ اب جب پھر لفظ بیسٹیس سے بھر ہی سب کچھ کرنا ہو گا۔ یہ نہیں کہ ایک دفعہ تو پوسٹ معلوم ہو گیا اتنے کا ٹکٹ لفظ میں لگا اسے سپرد ڈاک کر دیا۔ نہ جانے اس میں کیا تباہت ہے کہ ٹکٹ خریدنے والوں کو ان کے حسب نشان ٹکٹ دیدیئے جائیں وہ خط لکھ کر اور ٹکٹ لگا لگا کر روانہ کرتے رہیں۔

ہماری تیام گاہ سے ملا ہی ہوا ڈاک خانہ تھا مگر جب خط لکھنا چاہتے تھے تو سوچنا پڑتا تھا کہ اتنا وقت بھی ہے کہ خط سپرد ڈاک کرنے کے مراحل پورے ہو جائیں۔

اتفاق سے ہمارے ساتھ ہندوستانی لفظانے اور پوسٹ کارڈ بھی تھے ہیں یہ آسانی ہوئی کہ ہوائی جہاز سے واپس ہونے والے شناساؤں کو پوسٹ کارڈ یا لفظ دے دیا کہ آپ کل میٹنگ پہنچ جائیں گے وہاں ڈاک میں ڈال دیئے گئے گا۔

گھر کے خط و نحوٰ ما معلم صاحب کے پتے پر آتے ہیں وہاں خطوط کے انبار میں اپنے نام کے خط جا کر تلاش کرنا ہوتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ سینکڑوں خطوط پڑے کے پڑے رہ جاتے ہیں۔ یعنی مکتوب الیہم کو انبار میں ڈھونڈھے نہیں ملے۔

اب اس کا موقع بھی بخوبی تھا کہ زیادہ سے زیادہ وقت حرم شریف میں گزرے اور زیادہ سے زیادہ خانہ کعبہ کا طواف کیا جائے۔ طواف ہر وقت کیا جاسکتا ہو اور ہر وقت کیا جاتا رہتا ہے۔ کسی وقت مطاف کو خالی نہیں دیکھا ٹھیک دوپہر کی دھوپ میں بھی طواف کرنے والے بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ مگر یہ زیادہ ترجفا کش نسل کے یا گرم خطوں سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں کہ جن کے لئے یہاں کی دھوپ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوتی۔

ہم نے طواف کا وقت ٹھنڈے ٹھنڈے دکھا یعنی عصر کے بعد سے بعد نماز عشا تک کا وقت اس وقت طواف کرنے والوں کا بہت ہی سخت ہجوم دہتا ہو، ہجوم سے کوئی بچنا چاہے اور ٹھنڈا وقت بھی چاہے تو آدھی رات سے نماز تہجد تک طواف کر سکتا ہے۔

امداد والوں کے نزدیک حرم شریف میں نفل نماز سے انفل ہے طواف کرنا اگرچہ یہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ملتا ہے چونکہ احناف کے نزدیک عصر اور مغرب کے درمیان نفل پڑھی نہیں جاتی ہے اس لئے حرم شریف میں ہر نو طواف ہی کرے۔ نہ کر سکے تو ٹکٹا لگائے خانہ کعبہ کو دیکھتا رہے۔ یہ بھی عبادت ہے۔ اور نفل کا وقت ہوتا ہے بھی طواف کو ترجیح دے تو اچھا ہے۔

طواف کے لئے سینکڑوں دعائیں معلین پڑھاتے ہیں اور فقہانے کہی  
 بھی ہیں لیکن کوئی خاص دعا لازمی و ضروری نہیں ہے۔

مسنون دعائیں بے شک ہیں۔ مگر وہ بھی چند ہیں اور مختصر۔ بہت  
 سے لوگ طواف میں تامل صرف اس غلط فہمی میں کرنے لگتے ہیں کہ جو دعائیں  
 معلین نے طواف کے وقت پڑھائی تھیں وہ سب یاد کہاں ہیں اور بغیر ان  
 کے طواف ہو گا نہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ کوئی دعا اور کسی زبان میں دعا کرتے  
 ہوئے طواف کیا جاسکتا ہے۔ سب سے بہتر اور مسنون دعا ربنا اتنا فی الدنیا  
 حسنة الخ ہے اگر صرف یہی پڑھتا رہے تو کافی ہے۔ لوگ اپنے  
 اپنے ذوق کے مطابق دعائیں منتخب بھی کر لیتے ہیں اور طواف میں پڑھتے  
 رہتے ہیں۔ جیسا ساز کی کتاب میں بھی دعاؤں والی ملتی ہیں۔ ان کو ہاتھ میں  
 لئے پڑھتے جاتے ہیں اور طواف کرتے جاتے ہیں۔

— شیخ تلموز حسن صاحب نے بتایا کہ وہ طواف کے دوران فلاں

فلاں آیتیں اور دعائیں پڑھتے ہیں۔ ان میں سورہ قریش بھی انھوں نے  
 شامل کر لی تھی۔

مولانا ادیس صاحب ندوی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑی بے جینی سے لہجے  
 ان میں دود شریف کو بھی شامل کر لیجئے۔ اس کے بعد انٹر پلکارنے والی تمیالی  
 کے ساتھ کتاھنود صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا حق ہے آپ کا بہت بڑا حق است پر تو  
 اس طرح انھوں نے کہا کہ سننے والوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔  
 بے شک با کوئی عبادت بلکہ کوئی دعا بغیر دود شریف کے اہم اور ابرہو۔

اپنی نجات کے لئے یا ثواب کے لئے عبادت کرنا اور جس ہستی نے نجات کی راہ دکھائی اس پر درود و شریف پڑھنا بھول جانا سخت نا انصافی، بدترین بخل اور شدید احسان فراہم فرمائی ہے۔

بعض اولیوں میں ہے کہ درود و شریف پڑھنے کی برکتوں اور منفعتوں کا شاہدہ کر لینے والوں نے تو پورے طواف میں سوائے درود و شریف کے اور کچھ نہیں پڑھا۔

ہوں تو حرم شریف کے اندر بھی لوگ جوتے بغل میں دبائے پہلے جاتے ہیں اور اپنے پاس رکھ کر نماز میں یا تلاوت میں یا کسی عبادت میں لگ جاتے ہیں مگر یہ چھان نہیں معلوم ہوتا۔ جب ہر دروازے پر ثواب رہتے ہیں ان کے پاس اللہ کی برکتی ہیں جن میں وہ نمازیوں کے جوتے حفاظت سے رکھ لیتے ہیں اور وہ ایسی بڑی کمال کر دے دیتے ہیں تو حرم شریف کے اندر جوتے جانے اور کبھی کبھی ترکان شریف کی الماریوں کے پاس انھیں رکھنے کا سوا ادب کیوں سرزد ہو۔ ثواب بچارے کچھ طلب گار بھی نہیں ہوتے۔ دے دیجئے تو قبول، نہ دیجئے تو مطالبہ نہیں۔ اس ذمہ میں کہ جوتے کہیں کھو جائیں سب ہی لوگ درود و شریف کی چپیں ہل استعمال کرتے ہیں کہ اگر کھو بھی گئیں تو زیادہ خسارہ نہیں کھوتی تو کم ہیں بدلتی خوب ہیں۔ سب پیپیں ملتی جلتی کسی کا تسمیہ بچان کے لئے نیا ہے ایسے لئے کسی ہزار چپیں موجود ہیں۔ لوگ مزید بچان کے لئے کوئی نشان بھی بنا دیتے ہیں مگر بچان کا نشان تو نشان بنانے والے کے فائدے کی چیز ہے جو دوسرے کے میں آپ کی چپ لے گیا۔ وہ نہایت دیکھ لینا تو کیوں لے جانا ہاں آپ چپوں کے ڈھبر میں نشان سے اچھی چپ بچان

سکتے ہیں کچھ لوگ جیل کے قفسے میں کیڑے باندھ لیتے ہیں یہ پہچان ہوتی ہے تو اس کی کیا ضمانت کہ  
 وہ بھی کہیں کھل کر گر جائے گی۔ پھر قہر پ بھی اس طرح اپنی چل کو دیکھیں گے کہ پہچانی نہیں جاسکتی  
 ہم لوگوں کی چپلوں کے ساتھ بارہا یہی ہوا کہیں کوئی چل وہ ایسی میں ملی کہیں  
 دوسری قسم کی، یعنی ہم سے پہلے جانے والا غلطی سے ہماری چل لے گیا اپنی چھوڑ  
 گیا اب ہم اس کی چل استعمال کریں یا نہ کریں۔ ایک مسئلہ سامنے آ گیا۔ تقمانے  
 حرم شریف میں جوتوں کے اول بدل کو دیکھ کر یہ جزئیہ لکھ دیا ہے کہ اگر بدلے کا جوتا  
 یا لیت یا حقیقت میں اپنے جوتے سے کم یا برابر برابر ہو تو اس کا استعمال جائز ہے  
 اور بدلتا گھٹیا تھا اور بدلے میں ملنے والا عمدہ (مذہبی) ہے تو اس کی حیثیت لفظ  
 بڑی پانی چیز کی ہوگی یعنی اعلان کیجئے کہ یہ کس کی ہے وغیرہ وغیرہ۔

مردانہ محمدیاں صاحب فاء دق آبادی نے ہماری چلیں بدلنے کے روز  
 روزے سن کر کہا یہ تو ہوگا، دیکھئے ہمارا جوتا ایک دفعہ بھی نہیں بدلا :

مطلب یہ کہ ایک ہی قسم کی سینکڑوں ہزاروں چپلوں میں بدل جانا نہ بھی  
 عجیب نہیں۔ جوتا (خصوصاً جب وہ کاد خانے کا نہ ہو بلکہ کاری کر کا بنایا ہوا ہو اپنی  
 الگ پہچان رکھتا ہے اسے کوئی دھوکے سے اٹھا نہیں لے جاتا ہاں چر کر لے جاسکتا ہے  
 بات بڑے بچے کی معلوم ہوئی۔ حالانکہ اب غور کرتے ہیں تو کسی بدیہی بات تھی

## مؤتمرِ عالمِ اسلامی

ہمارے قیام مکہ معظمہ کے دوران وہاں رابطہ عالم اسلامی کی دوسری مؤتمرِ اسلامی کا انعقاد ہوا، ایک شاہی محل تھا جسے معزول شاہ سعود نے رابطہ عالم اسلامی کو دے دیا تھا۔ وہیں رابطہ کا سکرٹریٹ ہے اور یہیں مؤتمرِ اسلامی ہوئی۔ مؤتمر کے مندوبین تمام اسلامی آبادیوں سے آئے تھے۔ اور وہی مؤتمر میں سرپرک ہر سکتے تھے، رابطہ عالم اسلامی کے نائب صدر مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے ہمارے لئے بھی مندوب کا ٹکٹ داخلہ بغیر ہمارے کہے دھکا کر ہمیں دیا جس میں ہمیں صحیفہ صوت الشعب (دعا و قوی) اور انداز کا مندوب لکھا گیا تھا۔ مؤتمر کے کھلے اجلاس وہی تین ہوئے البتہ مختلف سب کمیٹیوں کے جلسے بار بار اور کئی روز تک ہوتے سب تقریباً ایک ہفتہ مؤتمرِ عالمِ اسلامی کی سرگرمیوں میں صرف ہوا ہندستان سے تین سرکاری ڈیلی گیٹ گئے تھے۔ مشرف الدین احمد شیردہا، مشرف بن سلیم ایڈووکیٹ احمد آباد اور مولوی عبدالعلی برکاتی (مدیر عالمی کلکتہ) ان کے علاوہ ہندستان کی مسلم تنظیموں کے نمائندے بھی سعودی حکومت کی



دعوت پر گئے تھے۔ ان میں مفتی محمد تقی الرحمن عثمانی (دہلی)، مولانا یونس شاہ رحمانی (امیر شریعت، ایماں بھی تھے مولانا یونس کو کونابھائی صاحب دہلی نے ممبروں میں ہیں۔ مولانا محمد منظور رحمانی (امیر انفرمکن) بھی رابطہ کے بنیادی ممبروں میں ہیں۔ دونوں ممبر کی حیثیت سے تھے۔ مولانا محمد میاں فاوڑی (اداریہ) کو کوئٹہ کے جنرل سکریٹری نے مخصوص نمائندے کی حیثیت سے وہیں دعوت دی تھی۔ مولانا معین الدین ندوی بھی مولانا علی میاں کے ہمراہ گئے تھے اور سندھ تھے اس کے علاوہ کشمیری لیڈر شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ بھی کوئٹہ کے مندوبین میں تھے۔ پھر ہندستان کی نمائندگی ہم مولانا ابو الیث ندوی، مسٹر محمد اسماعیل (مدیر اس) مولوی محمد سلیم (مدیر روزنامہ دعوت)، اور مسٹر غلام سرور (مدیر عدلیہ عام بنٹہ) بھی تو کر رہے تھے!

مؤتمر اسلامی کا اجلاس ۱۸ اپریل سے شروع ہوا۔ یہ مجلس رابطہ العالم الاسلامی کا دوسرا دور یعنی دوسرا اجلاس تھا جو تین سال کے بعد ہوا تھا۔ مؤتمر کا پہلا اجلاس یاد دہر مئی ۱۹۷۷ء (ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ) میں ہوا تھا۔

رابطہ العالم الاسلامی کا ذکر کئی سال پہلے ہندستان میں ہم اخباروں میں پڑھ چکے تھے اور اس کے فرائض کے بارے میں کوئی واضح تصور قائم کرنے میں ہیں اس وقت بھی کامیابی نہیں ہوئی تھی

میاں آکر آیا تا زہ ہو گئی ۱۹۷۷ء کو جب سلطان ابن سعود نے ہاشمی لندن کے حکمران شریف مکہ سے بندہ شمشیر حماد کی سلطنت چھینی تھی جس وقت یہ جنگ حجاز میں چل رہی تھی ہندستان میں مسلمان دو بڑے گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ ابن سعود کے طرفداروں کا تھا جو شریف مکہ سے اس لئے ناراض تھا کہ اس نے ایک

طرف تو انگریزوں کی خیر پیکرین اس وقت جب خلافت عثمانیہ (ترکی حکومت) پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں سے ہمدردی نہ کر سکی تھی تو اس کی سلطنت کے خلاف بغاوت کر کے خطہ حجاز میں اپنی حکمرانی اور مطلق العنانی کا اعلان کر دیا تھا۔ دوسری طرف حجاز میں امن و امان اور سلامتی راہ کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا جس کے نتیجہ میں حاجیوں کو بددول کی ناخوشی اور شب فزون سے آئے دن سابقہ پر اڑتا تھا۔

سلطان ابن سعود سے ہمدردی کی ایک وجہ ہندوستانی مسلمانوں کو یہ تھی کہ وہ انگریزوں کے انزواء کو حجاز سے ختم کروینے کا مدعی تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کا جو کردہ ابن سعود کا مخالف تھا وہ بھی سیاسی پہلو سے نہ تھا بلکہ اعتقادی پہلو سے اسے اختلاف تھا بہت سے وہ حلقے جو اعتقادی اعتبار سے ابن سعود کے مسلک سے اختلاف رکھتے تھے سیاسی اعتبار سے وہ بھی سلطان کے طرفدار تھے جن میں اہل احرار مولانا محمد علی مرحوم (امان کے بڑے بھائی) مولانا شوکت علی مرحوم بھی تھے جنہوں نے اپنے پیرو مشد مولانا عبدالباقی (زرنگی علی) سے جو سلطان ابن سعود کے شدید مخالفوں میں تھے جھگڑا تک کر لیا تھا۔

سعودی اقتدار حجاز میں قائم ہو جانے کے بعد مولانا محمد علی مرحوم کو جو انگریزوں کے سخت ترین مخالف تھے بڑی قوتوں نے حکومت سے قائم ہو گئی تھیں انھیں سلطان ابن سعود کی سادہ زندگی نیز سلطنت سے بے رغبتی کی روایات سن سن کر اپنے اس قدم خیال کے علی جامہ پہننے کے امکانات روشن نظر آنے لگے کہ حمین شریفین میں کسی بادشاہ کا حکم نہیں چلے گا یہ خطہ آزاد ہو گا مولانا مرحوم اس سلسلے میں اتنے پرامید تھے کہ جب سلطان ابن سعود نے جون ۱۹۱۶ء میں مسلمانوں کی

ایک بین الاقوامی مؤتمر بلانے پر آمادگی ظاہر کی جس کی تحریک ہندستان کے سعودی طرفدار ملہ جانے کی تھی، تو مولانا محمد علی مرحوم اس میں شرکت کرنے اس غرض سے گئے تھے کہ سلطان ابن سعود کو ترغیب دینے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ حجاز کا انتظام ایک بین الاقوامی اسلامی مجلس کے حوالے کر دیا جائے اور اس مقدس خطے کو جس میں حرمین شریفین واقع ہیں حکمرانوں کی کشاکش سے باہر رکھا جائے مرکز خلافت کینی نے بھی اسی مضمون کی قرارداد منظور کر کے اس کی نقل سلطان ابن سعود کو بھیج دی تھی۔ اس زمانے میں خلافت کینی کا اعلیٰ مکان زور خود سے سلطان کی حمایت کر رہا تھا۔

سلطان ابن سعود کسی بین الاقوامی اسلامی مجلس کے خیال سے اتفاق نہ کر سکا، اس کا کہنا تھا کہ عالم اسلامی کے بعض خطے مثلاً ہندستان، مصر وغیرہ اجنبیوں کے تابع ہیں (مگریزوں کے) ایسے مسلمان جو آزاد نہیں ہیں ایک آزاد خطے کا انتظام سنبھالنے یا اس انتظام میں شریک ہونے کے اہل نہیں ہیں۔

پھر بھی سلطان نے طرف دار ہندستانی مسلمانوں کی تجویز کا پاس کرتے ہوئے اس پر آمادگی ظاہر کر دی تھی کہ حج کے انتظام اور حجاج کی سہولتوں کے سلسلے میں دنیا بھر کے مسلمان اگر کوئی مجلس بنائے تو اس کے مناسب مخدروں کو بھی جانہ بنانے کی کوشش ضرور کی جائے گی اور سعودی حکومت اس مجلس سے پورا تعاون کرے گی۔

مولانا محمد علی مرحوم اور مولانا ظفر علی خاں مرحوم جو سلطان کی حمایت میں رفیق شریک تھے اس اہم سوال پر مختلف صنفیں قائم کرتے نظر آئے۔ مولانا ظفر علی خاں آخوندک سلطان کی ہمدردی کا دم بھرتے رہے اور مولانا محمد علی مرحوم کو اپنی

امیدیں جب خاک میں ملتی نظر آئیں تو وہ اتنے ہی شدید مخالفت ہو گئے جتنے شدید اس کے حامی رہ چکے تھے۔

سلطان ابن سعود کی بلائی ہوئی اس نوٹمر میں جو عربین شریفین کے انتظام کے بارے میں غور و غرض کرنے والی تھی ہندوستانی مسلمانوں کا یا خلافت کمیٹی کا جو دند شریک ہوا تھا اس میں مولانا محمد علی مولانا شوکت علی مولانا محمد عرفان اور مشر شعیب قریشی وغیرہ تھے۔ مشہور ہے کہ مولانا محمد علی مرحوم نے اپنی عادت کے موافق جب سلطان ابن سعود سے حجاز کو خط لکھا تو زیادہ رکھنے پر بے طرح اصرار جاری رکھا تو نجدی سلطان نجدی مزا جا درشت اور نڈر کہلاتے ہیں اپنی کمر سے بندھی ہوئی شمشیر کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر یوں گویا ہوا کہ سنئے صاحب اس شمشیر کے بل پر میں نے حجاز کی حکومت حاصل کی ہے کسی کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ میری مفتوحہ زمین کے انتظام کے بارے میں ادنیٰ داخل دے جو دخل لینے کا حوصلہ رکھتا ہے اسے پہلے بزرگ شمشیر مجھ سے اس حکومت کو پھینکتے کا حوصلہ کرنا ہو گا۔

ہندوستانی مسلمانوں کے مدبر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم بھی سلطان کے حامی تھے اور نوٹمر کے انعقاد کے فی الجملہ موافق لیکن اپنی عادت کے موافق وہ کسی معاملہ میں اس وقت تک حصہ نہیں لیتے تھے جب تک اس کے تمام پہلوؤں کا تمام جزئیات کے ساتھ جائزہ نہ لے لیں۔ نوٹمر اسلامی کے بارے میں بھی وہ اس کے دائرہ بحث کی مزید وضاحت چاہتے تھے اور سلطان کی بلائی ہوئی نوٹمر کو جس اس پہلو سے اہم سمجھتے تھے کہ یہ ابتدائی کانفرنس ہو جس میں بڑا نوٹمر کے

اتفاقاً دکا باضابطہ فیصلہ کیا جائے اور ایک مجلس قائمہ ڈائریکٹنگ کمیٹی بنائی جائے جو آئندہ سال حج کے موقعہ پر مطلوبہ درجہ اہمیت و اجتماع کی کانفرنس کو مؤثر منعقد کرنے کا انتظام کرے۔ مولانا آزاد کا خیال تھا کہ اسلام کی بین الاقوامی مؤتمر بجائے خود اس درجہ اہم معاملہ ہے کہ اچانک اس کا وجود میں آجانا ممکن نہیں بلکہ درجہ و ترتیب ناگزیر ہے۔

ادھر سلطان ابن سعود نے حجاز پر تسلط قائم ہوتے ہی بحلت تمام حجاز میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا اور حرمین شریفین میں اس کی بادشاہی کی بیعت بھی ہو گئی۔

یقیناً جو اس قدر تفصیل سے یہاں بیان ہوا ہے پورے اسی سال میں جو مؤتمر ہونا ہے مگر معلوم آیا ہو رہا ہے کہ جیسے اسی سال اپریل ۱۹۶۵ء میں جو مؤتمر عالم اسلامی مکہ معظمہ میں منعقد ہوئی وہ تمام تر اس اچھاؤں میں رہی۔ (حکامی اتحاد کے واضح نہ ہونے اور دائرہ بحث کے صحیح طور پر متعین نہ ہو سکنے کے علاوہ مؤتمر عالم اسلامی کو ایسے اختلافات کا شکار بنایا جس کو حجاز و نجد کی مطلق العنان بادشاہی بھی بچا نہ سکی اس کے برعکس وہ خود انہی عزت بخشی نظر آئی۔

ہوا یہ کہ اسلامی ملکوں سے رابطہ عالم اسلامی نے جس کے زیر اہتمام مؤتمر اسلامی منعقد ہوتی ہے) وہ خود طلب کئے اس سلسلے میں اسلامی حکومتوں کو دعوت نامے بھیجے گئے غیر اسلامی ملکوں سے بھی وہ خود طلب کئے گئے اور دعوت نامے بھیجے گئے پہلے تو حکومت عراق نے وہ خود بھیجنے سے انکار کیا اور معقول بات یہ کہ کسی غیر سرکاری ادارے کو (رابطہ عالم اسلامی غیر سرکاری ادارہ ہے) یہ حق نہیں

پہنچتا کہ وہ کسی سرکار کو دعوت دے۔ مصر کی حکومت کو دعوت ہی نہیں بھیجی گئی کیونکہ نو مسلم بنیادی خیال افغان مسلمان کی نمائندہ شخصیتوں کا دیا ہوا تھا اور مصر کی موجودہ حکومت افغان مسلمان کی جانی دشمن کہی جاتی ہے۔ تو خاص دو اسلامی حکومتیں نو مسلم سے انگڑی رہیں۔ حبش کی عیسائی حکومت میں بھی مسلمانوں کی دافرا آبادی ہے وہاں سے بھی سرکاری وفد مدعو کیا گیا تھا اور وہ ابھی گیا آگیا تو بعض اسلامی وفد نے اس کی شرکت پر اعتراض کیا کہ غیر اسلامی حکومت سے سرکاری وفد آنے کے کیا معنی؟ — غیر اسلامی حکومتوں سے اسلامی امدادوں کے نمائندے ہی اور دے خابطہ ترکیب ہو سکتے ہیں۔ کافی ابھن اس اعتراض نے شروع ہی میں پیدا کر دی۔

ہندستان سے بھی سرکاری وفد دعوت نامہ بکرا گیا تھا۔ حبش کے سرکاری وفد کو اگر شرکت سے روک دینے کی کوشش کامیاب ہو گئی تو اس نظیر کی بنیاد ہندستان کے سرکاری وفد کو بھی شرکت سے روک دیا جائے گا۔ پاکستان کا وفد اس تاہم میں بیٹھا ہی ہوا تھا۔

جب حبش کے سرکاری وفد کی شرکت کا معاملہ نو مسلم کی اعلیٰ کمیٹی میں اٹھا تو اس کے ساتھ ہندستان کا معاملہ بھی اٹھا دیا گیا۔ مگر شام کے ایک سوچو بچہ رکھنے والے نمائندے نے چوہدرت کے خلاف انجام دے رہا تھا روٹنگ دے کہ حبش اور ہندستان کے معاملوں کو مختلف قرار دیا۔ اس کی روٹنگ یہ تھی کہ حبش عیسائی حکومت ہے جہاں مسلمان آبادی کا حکومت سے خیر اور بنیادی حقوق کے سوال پر جھگڑا چل رہا ہے۔ ہندستان کی حکومت مذہبی حکومت نہیں ہو

وہاں کے تمام شہری آئین کی نظر میں سادی ہیں۔ اس لئے ہندستان کے سرکاری وفد کو مؤخر میں سرکاری حیثیت سے شرکت سے روکا نہیں جاسکتا۔

اس مؤخر میں ۲۷ ملکوں سے نمایندے آئے تھے جن میں ۳۵ سرکاری وفد تھے۔ مؤتمر اسلامی کی صدارت مجلس رابطہ عالم اسلامی کے منتقل صدر مملکت عربیہ سعودیہ کے مفتی اکبر شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ کر رہے تھے۔ یہ پیدائشی نابینا ہیں، مجلس کے تاسیسی ممبروں میں جن کی تعداد ۱۲ بتائی جاتی ہے ایک تو ہمارے محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ہیں جو اس سال بھی شریک اجلاس تھے۔

دوسرے ڈاکٹر سعید رمضان تھے جو کھٹو آچکے ہیں۔ ان سے ملاقات ہو چکی تھی۔ فلسطین کے مفتی اعظم سید امین العینی بھی تاسیسی ممبروں میں ہیں اور فلسطین

نیز عرب ملکوں کی سیاست میں ایک زمانے میں ان کا بڑا نام رہا ہے۔ مفتی اعظم صاحب تیس سال قبل کھٹو آئے تھے۔ اس وقت ان کو فرنگی علی میں مولانا قطب میاں صاحب مرحوم سے بات چیت کرتے دیکھا تھا۔ ان کو ایک نظر میں پہچان لیا۔ اس میں تعجب کی بات نہ تھی۔ اس لئے کہ ان کی تصویریں اخبارات میں پراپر آتی رہی ہیں غالباً انھیں کی دود سے پہچانا اور جب فرنگی علی کا حوالہ دیا تو ان کو سب کچھ یاد تھا یہ ضرور تعجب کی بات تھی۔ قطب میاں صاحب مرحوم کا ذکر کیا اور بڑی دلچسپی سے کھٹو کی دوپٹی ٹوپی کو یاد کیا جو لاتاق کے وقت قطب میاں صاحب کو پہنے اٹھوں نے دیکھا تھا۔ کہتے تھے کہ کھٹو ہلکی پھلکی ٹوپیاں وہاں پہنی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس عرب ٹوپی کے مقابلے میں جو فلسطین عراق شام اور مصر میں پہنی جاتی ہے۔ گول ٹوپی جس پر پگڑی

بٹھی ہوتی ہے۔ کھٹو کی دوپٹا روپے میں ایک پیسے کا وزن رکھتی ہوگی !  
 گوتم کا افتتاح جلالتہ الملک (ہر مجی) شاہ فیصل کی تقریر سے ہوا جو مطالبات  
 کے لحاظ سے معتدل اور خطابت کے اعتبار سے کامیاب ترین تھی، (ایسا معلوم  
 ہوتا تھا کہ ایک بے حس و حرکت مجسمہ کھڑا ہے جس کے، ہن سے ایک مربوط  
 اور مسلسل سلسلہ تقریر کا نکل رہا ہے، نہ ہاتھ چلاتا نہ سر ہلاتا نہ ادھر دیکھتا نہ  
 ادھر دیکھتا دونوں ہاتھوں سے وہ اپنی زریں عبا کے سامنے کے حصے کو ہر  
 طرح کبڑے تھے جیسے کوئی غاڑ کی نیت باندھتا ہے اور تقریر کر رہے تھے  
 کوئی ایک گھنٹے انھوں نے پر مغز تقریر کی۔

انھوں نے اسلامی حکومتوں کے نایندوں کو یقین کی کہ وہ انہی حکومتوں  
 کے آئین کتاب (قرآن) و سنت (سیرت نبوی) کے مطابق بنانے کی کوشش  
 کریں۔ ان مسلمان نایندوں کو جو غیر اسلامی حکومتوں کے نایندہ بن کر آئے تھے  
 یعنی اپنے وطن میں اقلیت میں ہیں جلالتہ الملک نے نصیحت کی کہ وہ خوب  
 اہم بنیادوں کرنے سے پرہیز کریں اور اپنی نجی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے  
 مطابق بنانے کی کوشش کریں۔

حالانکہ گوتم کا ہیجان ماحول اس نصیحت کے لئے سازگار نہ تھا وہاں تو جو  
 دندہ آیا تھا وہ کسی نہ کسی ملک کے خلاف کوئی نہ کوئی مورچہ کھولنے کے دھن  
 میں معلوم ہوتا تھا۔

عالم ہے کدھر کوئی دل صاف نہیں ہے  
 اس ہمد میں سب کچھ ہے پر انھان نہیں ہے



جہاں تک مجلس رابطہ عالم اسلامی کے بنیادی مقاصد کا تعلق ہے وہ بلاشبہ بے خطر اور مفید ہیں یعنی تبلیغ اسلام کا ذریعہ جو ہم مسلمانوں پر عائد ہوتا ہو اس کو انجام دینا اسلام کے بنیادی مسائل اور اس کی تعلیمات کی تشریح و توضیح کرنا اور ان شبہات کا جواب دینا جو دشمنان اسلام کی طرف سے اس غرض سے پیدا کئے جاتے ہیں کہ مسلمان اپنے دین سے متنفر ہو جائیں اور ان کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے۔

یہ مقاصد یقیناً ایسے ہیں جن سے ہر مسلمان پوری طرح متفق ہے لیکن ایک مقصد جو اس کے آگے بیان ہوا ہے وہ ہم اور شیعہ یعنی مسلمانوں کے مسائل پر غور کرنا اور ان مشکلات کو دور کرنے کی تدبیروں پر غور کرنا اور ان کے مقاصد کی تکمیل کے لئے کوشش کرنا۔

یہ مقصد اپنے اندر سیاست کی پوری سمیت رکھتا ہے اس لئے کہ مسائل کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اغلب یہ ہے کہ یہ وسعت جان بوجھ کر دکھی گئی ہو تاکہ سیاسی شافروں کو اس سے نفع اٹھانے کا پورا پورا موقع حاصل ہے پھر یہ دیکھ کر یک گونہ تسلی ہو جاتی ہے کہ مجلس رابطہ عالم اسلامی کے اس منشور کے ساتھ ایک عہد و عتیاق بھی ہے اور بہت صاف و صریح الفاظ میں جن میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور وہ یہ کہ :-

اور ہم خدا کے عز و جل کو گواہ بنا کر اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد بگاڑ یا فتنہ پروری نہیں ہے اور نہ کسی کی مخالفت مقصود ہے نہ ہم کسی اپنا نفوذ پیدا کرنا چاہتے ہیں اور نہ کسی پر قبضہ و تسلط کی طمع رکھتے ہیں

ہم نے اپنے مقاصد کے پیش نظر طے کیا ہے کہ ہمارا طریقہ کار یہ ہو گا اتحاد  
بین المسلمین کے لئے رہی پوری کوشش صرف کرنا اور ان رکاوٹوں کو  
دور کرنا جو عالم اسلام کے لئے ایک مرکز بنانے کی راہ میں حائل ہوں گے  
”بگاڑ“ اور فتنہ پردازی جس سے برأت کا ضائع عزوجل کو گواہ  
کر کے پوری قوت سے اعلان کیا گیا ہے آخر میں کیا چیز کسی مسئلے کو جو  
سیاسی طور پر الجھا ہوا جو حل کرنے کی کوشش کرنا رابطہ کی نظر میں ”مصلح“  
اور اتحاد کی حامل ہو سکتی ہے لیکن یہی کوشش ”بگاڑ“ اور فتنہ پردازی کے  
مرادف بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ رابطہ کے بنیادی اہلکین میں ایسے لوگ بھی  
ہیں جن کا مزاج خالص مذہبی اور تبلیغی ہے اور وہ پوری یکجہتی سے  
اسلام کے بنیادی مسائل اور اس کی تعلیمات کی تشریح و توضیح کرنے کے  
جذبے کے تحت اس کے مہربنے ہیں لیکن ایسے لوگ بھی ان میں ہیں جن کا  
ادب ہٹا چھوٹا یا سست رہا ہے اور یہی وہی دہشت یا نادانستہ بگاڑ اور  
فتنہ پردازی کا باعث بنتے ہیں۔

محسوس یہ ہوا کہ نو عمر میں جن میں اسلامی ملکوں کے نمائندوں کی غائب  
اکثریت تھی، ان مسلمانوں کے اقوال و افعال کو بے وقعت سمجھا گیا جو  
کسی غیر اسلامی ملک کے نمائندے تھے، یہ نہ تو بہت سہل ہے کہ یہ غائب  
انجناح حکومت کے دباؤ میں ہیں۔ اس لئے صحیح صورت حال پیش نہیں کر سکتے  
— تو پھر نو عمر نے ان کو ذمہ ہی کیوں دی؟ اگر دن کی بات میں کوئی

ذہن اور صداقت نہیں ہے؟

دن غیر اسلامی ملکوں کے مسلمانوں کے مسائل سے بحث صرف دن کے حریف اسلامی ملکوں کی خاطر کر لی جاتی ہے۔ فیصلے بھی کر لئے جاتے ہیں جن کے ذریعہ غیر اسلامی ملکوں کو دھمکایا بھی جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو تمام اسلامی ملک سیاسی و رابطہ منقطع کر لیں گے۔ وغیرہ وغیرہ اس کے پورے سبب ہنس خوشی اپنے وطن واپس چلے جاتے ہیں وہاں پہنچ کر اپنی حکومتوں کا اپنے اغراض و مفادات کے تحت مقرر کردہ خارجہ پالیسی کا دم بھرنے لگتے ہیں،

غایت تھلیے میں بزم میں نا آشنا ہونا

غضب ہیں یہ ادائیں بدم ہی بھر میں کیا سے کیا ہونا

کس اسلامی ملک کا وفد اپنے مطلق العنان حکمران کی نمائندگی کے علاوہ اپنے مہبود کی بھی نمائندگی کر رہا ہے؟ اس پہلو سے جائزہ لینے کے لئے ہمیں خود دہین کی ضرورت محسوس ہوئی جو بدقسمتی سے ہمارے پاس نہ تھی۔

مؤخر سے ہیں ایک ہفتے کے اندر چھٹی ہو گئی اور اس احساس کے ساتھ چھٹی ہوئی کہ اگر کوئی یہ امید لے کر یہاں آتا ہے کہ "اسلام کے بنیادی مسائل اور اس کے تعلیمات کی تشریح و توضیح" امت کے اس نمایندہ اجتماع میں ممکن ہو سکے گی تو وہ قطعاً حق بہ جانب ہے۔ لیکن جو اس غام خیالی میں مبتلا ہو کر آنا چاہتا ہے کہ یہاں "مسلمانوں کے مسائل پر اس طرح غور و خوض ہو گا کہ بگاڑ و فتنہ پر دہائی کا شائبہ بھی نہ آنے پائے تو اس کی غام خیالی ہو گئی۔

اب جوفضت ہوئی تو دیکھا کہ بہت سے ہمارے ہم وطن رخصت ہو چکے ہیں جو مدینہ سے پہلے آئے تھے وہ تو وطن کی طرف اور جد مدینہ کے بعد مگر حج سے بہت پہلے آئے تھے (اور اب تک مدینہ منورہ نہیں گئے تھے وہ مدینہ شریف کی طرف روانہ ہو گئے۔

حج کے بعد مکہ معظمہ میں ٹھہرنا سب ہی کو کھلتا ہے جو مدینہ شریف پر آچکے ہوتے ہیں ان کو گھر کی یاد بڑی طرح تھانے لگتی ہے (اور جو نہیں گئے ہیں جیسے ہم لوگ انھیں مدینہ شریف کی حاضری کا شوق ہے جن گئے رہتا ہے۔

ایسے بھی ضرور ہوتے ہیں جن کا دل مکہ معظمہ ہی میں غیب آسودہ ہوتا ہے یہ وہ ہیں جن پر نسبت توحید غالب ہوتی ہے اور حقیقت کی منزل کے آتشا ہوتے ہیں لیکن جن کی براہ راست رسائی منزل حقیقت تک نہیں ہو سکتی وہ کسی دلیے یا سہارے کے طلبکار ہوتے ہیں ان کا دل دلیے میں اٹکا ہونا ہی چاہیے۔

ایک نقش بندی بزرگ جن کا چند سال ہوئے انتقال ہوا ہے) علانا شاہ ہدایت علی صاحب مرحوم جے پوری نے ایک دفعہ ایک نجی صحبت میں اپنے ایک پڑھے لکھے مرید سے فرمایا تھا: بعض حضرات پر نسبت توحید غالب ہوتی ہے مگر مولوی صاحب! اس میں خطر ہے ہمارا واسطہ تو حضرت رسولؐ سے ہے۔ بعد کوئی رات خطرات سے خالی نہیں۔

ہم ان نقش بندی بزرگ کے ارشاد کا اپنے کو تابع پاتے تھے۔ اور

بڑی بے چینی سے حضورِ انورؐ کے دربار میں حاضری کے متمنی تھے۔  
مگر ضابطے کے اعتبار سے اس قدر منقطع سے مکمل کی ابھی اجازت ہی نہیں  
مل سکتی تھی اور لا طائل اعداد کرتے اپنے سفارت خانے سے ہم ترجیح حاصل  
کرنا بھی نہیں چاہتے۔ سفارت خانے والوں کا پریشانی اپنی آنکھوں سے  
دیکھ رہے تھے۔

لیکن ہندوستان سے روانگی سے قبل ہی ہمارے ایڈیٹر حیات اللہ صاحب  
انصاری نے نائب وزیر خارجہ شری دیش سنگھ کو ہمیں ترجیح دینے کے لئے  
لکھ دیا تھا انھوں نے سفارت خانے کو لکھ دیا تھا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ ہم ضابطے  
کی خانہ پری کے لئے اب ایک درخواست دے دیں تو کافی ہے چنانچہ درخواست  
دے دی ۲۲ مارچ کو درخواست دی تھی فوراً منظور ہو گئی اور مرہٹی کے  
جہاز سے جہاز سے ہمارا روانگی کا حکم ہو گیا۔

اس حکم کو دکھا کر جس اعلیٰ کے یہاں سے ہمارے علم نے کہ منقطع  
سے مدینہ شریف کے لئے روانگی کا پر وازہ ہو گیا۔ یہ وازہ نہ تھا تو حدودِ مکہ سے  
نہایت ہی پہلی جہاز پر ہم سب دھرائے جاتے۔

بیت سے ہوائی جہاز سے آئے تھے جن کے پاس اتنا وقت تھا کہ بحری  
جہاز میں آئے جانے میں ۱۵-۲۰ دن صرت کریں اور پاری کے انتظار میں  
ہینے ڈیڑھ ہینے پڑے۔ ہمیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہیں بحری جہاز میں  
جگہ نہیں ملی تھی مجھ کو ہوائی جہاز سے آئے تھے۔ یہاں ٹھہرنا چاہتے تھے۔  
واپسی کا ٹکٹ ہونے کی وجہ سے واپس انھیں اپنے ہوائی جہاز ہی سے ہونا تھا

ان اگر کوئی ہوائی مسافر پہلے جانے کا خواہشمند ہو تو وہ اپنی جگہ کو آنے والی باری نہہرنے کے بغیر ہش مند کو دے کر اس کی باری میں پہنچا۔ روانہ ہو سکتا تھا۔

ہوائی جہاز کے مسافروں کی باری میں۔ دو بدل کرنے کا کام حج کمیٹی کے چیرمین سر مصطفیٰ فقیر ایم ایل اے (بمبئی) کے سپرد تھا اور وہ اسی بڑے بڑے واپس تھے انھیں کے ساتھ مولانا محمد میاں صاحب فادوقتی بھی نہہرنے ہوئے تھے ہم اکثر ان کے کمرے میں جا کر دو بدل کی درخواستوں پر کارروائیاں ہوتے دیکھا کرتے تھے۔

ایک دن ہمارے کمرے پر کسی نے دستک دی دیکھا تو ہمارے شہر کے مجتہد مولانا محمد سعید صاحب کھڑے ہیں، خوشی ہوئی کہ انھوں نے ہم وطنی اور امرِ ام دیرینہ کا اتنا پاس کیا کہ باوجود بڑے ہونے کے خود ملاقات کے لئے زحمت کی۔

وہ بھی ہوائی جہاز سے آئے تھے اور سیدھے واپس جانے کے بجائے مقامات مقدسہ ہو کر جانے کا پروگرام بنائے تھے۔ کچھ گئے ہوائی جہاز کا واپس کا ٹکٹ میرے پاس ہے۔ واپس کر دیں گا تو گیارہ سو کے بجائے صرف پندرہ سو روپے واپس ہوں گے آپ اپنے اخبار کی وجہ سے جلد جانا چاہتے ہوں گے آپ ہی اسے استعمال کریں جیسے میں نے استعمال کیا وہ لیے آپ نے۔

ممنونیت کا غیر معمولی جذبہ اس وقت ہمارے ادھی طاری ہو گیا تھوڑی دیر تو گزر گئی ان کے کلمات بھی زبان سے ادا نہ ہو پائے، پھر ہم نے بتایا کہ والدہ پھر بھوجان اور ماننی ہمارے ساتھ ہیں، معیہ ریل نے لہا پھر قاپ کے لئے ایک ٹکٹ بیکار ہو اتفاق سے ایک ایسے ان کو مل گئے جو بخری جہاز سے ملے تھے اور ہوائی جہاز سے جلد واپس جانا چاہتے تھے چٹک انھوں نے لیا اور وہ بھی ادا دیئے۔ معیہ میاں ہیں تو بے دام دے رہے تھے۔

## کوچ کی تیاریاں

تمام ملکوں کے سفارت خانے جن میں ہمارا سفارت خانہ بھی شامل ہے جڑے ہی ہیں۔ اگرچہ عام دستور یہ ہو کہ ملک کی راجدھانی میں سفارتی نمائندے ہوتے ہیں مگر سعودی حکومت کی راجدھانی ریاض میں نہیں بلکہ ساحلی مقام جدے میں تمام ملکوں کے سفراء قیام رکھتے ہیں۔

زمانہ حج میں سفارت خانوں کے عارضی وفاتر کہ منظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی کھل جاتے ہیں۔ جن کو ہر ملک اپنے حاجوں کے لئے مخصوص اور عام حاجوں کے لئے ’عموما‘ کہ ’منظمہ منی‘ اور مدینہ منورہ میں شفا خانے بھی کھولتا ہے۔ اور اس میں بھی خامی مابقت بھی ہر ملک کے پیش نظر ہوتا ہے۔ اس لئے سفارت خانے کے عارضی وفاتر بھی انہیں شفا خانوں میں قائم کر دیئے جلتے ہیں، ہمارے سفیر و ترجمہ کو حرم شریف میں نماز جمعہ ادا کرنے آتے ہیں۔ دوسرے ملکوں کے سفیر بھی یہی کرتے ہوں گے۔ نماز جمعہ کے بعد ہی ہمارے سفیر و مستغنی المندی تہہ ستانی شفا خانے میں اپنے عارضی دفتر میں چلے جاتے ہیں، اسپتال میں داخل مریضوں کی مزاج پر بھی غور

کے علاوہ حج کے بعد ان کا کام جلدی واپس جانے والوں کی درخواستوں پر غور کرنا بھی ہو جاتا ہے۔ اور یہ بڑا سخت کام ہوتا ہے!

ہزاروں درخواستیں آ جاتی ہیں بلکہ نئی ہی میں جب کہ ناسک حج کا سلسلہ ہنوز جاری ہوتا ہے خواہش مند حضرات درخواستیں پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ لوگ جو ملازم ہیں اور بھٹی سے حج کرنے گئے ہیں ان کی درخواستیں عموماً منظور ہو جاتی ہیں یا کوئی حاجی سخت بیمار ہو جائے تو اس کو واپسی میں ترمیم یا سہولت مل جاتی ہے لیکن زیادہ تر درخواست دینے والے وہ ہوتے ہیں جن کو ان دھنوں میں سے کوئی حذر نہیں ہوتا۔ بس جلدی واپس ہونا چاہتے ہیں اور اکثر حضرات غدر یہ کرتے ہیں کہ دو پیہ خرچ ہو گیا ہے یا جیب کٹ گئی ہے۔

سن کر تعجب ہو گا کہ کہ منظر میں بھی جب کترے ہوتے ہیں! جی نہیں۔ شام اگر وہ کٹ خطہ عرب کے نہیں ہوتے، باہر سے آئے ہوئے ہوتے ہیں جو حاجی کے بھیس میں گھومنے رہتے ہیں۔۔۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی کم اچھی اس قسم کے معاملات میں نہ تو ماغوذ ہوا اور نہ یہ شہرت سنی کہ ہندستان سے ایسے جرائم پیشہ آئے ہیں۔۔۔ ایک خاص ملک کے باشندوں کے بارے میں وہاں یہ شہرت عام تھی اس حال پر اسی ملک کے ایک باشندے کے قبضے کے ٹم والوں نے دس سیر کا بجا پرآمد کیا تھا۔ حاجیوں کی قیام گاہوں سے اسی ملک کی عورتیں مسلمان جمعی کرتے پائی گئیں۔ اور اسی ملک کے ایک گردہ کے بارے میں سننے میں آیا کہ وہ عرفات اور منی کے راستے میں گم کردہ راہ حابیوں کو لوٹنے اور قتل کرنے کا بھی ذمہ دار ہے۔ واللہ اعلم



یہ ضرور ہو اگر بعض حاجی عرفات کے بعد لا پتہ ہو گئے۔ لا پتہ حاجیوں کو عام طور پر استنبابی میں دھونڈا جاتا ہے کہ شاید راستے میں پیار ہو گئے ہوں اور ایببولنسنگڈیوں نے انھیں کسی اسپتال میں پونچھا دیا ہو۔ یا راستے میں کوئی حاجی فوت ہو گیا ہو، بہر حال اسپتال میں داخل یا راستے میں وفات پانے والے تشریف راجیوں کے نوٹ اخباروں میں شائع کر دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح ان کا سرغ مل جاتا ہے۔ یہ عرفات سے گھر موڑنے والے سات آنے حاجی، نہ اسپتال میں ملے نہ ان کی لاشیں ملیں۔ ان کے مسلم نے بڑی جستجو کی، بالآخر ان میں کا ایک حاجی عرفات سے منہ آنے والی عام شاہراہ سے دور ایک سنان راستے پر زخمی ملا اور اس نے بتایا کہ خوں ملک کے ایک گروہ نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو گمراہ کر کے عام راستے سے الگ لے جا کر لوٹ مار کی اور حاجیوں کے پسرے ڈالنے پر ان کو قاتلہ حکم کیا ایک زخمی مل گیا باقی خدا جانے کیا ہوئے۔ جب تک ہم لوگ کوٹھلہ میں رہے ان بیچاروں کا سرغ نہیں مل پایا تھا۔

ایک دن اپنی آنکھوں سے ایک مشتاک منظور کچھ لیاد حرم شریف میں ظہر کی نماز سے ایک گھنٹہ قبل اتفاق سے پہنچ گئے تھے اور خانہ کعبہ کی طرف جانا چاہتے تھے مگر وہاں صفات معمول بڑا مجمع نظر آیا مجمع کا اندازہ دینا تھا جیسے کسی حادثے کے وقت اکٹھا ہو جانے والوں کا ہوتا ہے ہم دور ہی ٹھہر گئے دیکھا کہ وہی مجمع ایک شخص کے پیچھے پیچھے ایک سمت چلا جا رہا ہے۔ جیسے کسی ہجر کے ساتھ تماشائی ہوتے ہیں۔ بعض تماشائیوں سے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ ایک آدمی نے طواف کرتے کرتے اچانک خانہ کعبہ کے دروازے پر جھپٹا مارا اور چاندی کا درزی قفل جو دروازے میں لگا ہوا تھا

کمال لے بھاگا اس کی اس حرکت کو جن حایوں نے دیکھا انہوں نے اسے پکڑ لیا  
پھر وہ حوالہ لے لیس کر دیا گیا۔

بڑا دھوکا تھا نفس لعین کو جو مقبول اور پسندیدہ ہوتا ہے وہی بلایا جاتا  
ہے! یہ اور اپنے ہی دوسرے واقعات ہوش کی آنکھیں کھول دیتے ہیں کہ  
مے پر خود غلط شخص اس پر اتارنے لگتا کہ اتنے بڑے دربار میں مجھے رسائی  
حاصل ہو گئی ہے تو کم از کم اس سے ضرور انصاف اور برتر ہے جنہیں یہ سعادت  
حاصل نہیں ہو پائی ہے۔ دیکھئے اسے فریب میں مبتلا بندے! کہ یہاں دربار  
عام ہو، ہر اچھے برے کو بار ملی۔ اسے مجھے حق نہیں پہنچتا کہ یہاں پہنچ جانے  
کو اپنی ذاتی فضیلت سمجھے کہ دوسروں کو اس فضیلت کی بنیاد پر حقیر سمجھنے لگے!!  
البتہ یہ فرق جو نتیجہ نصیب ہوا ہے۔ جلائے دے گئے پائیاں کرم اور بے حجاب  
بخشنشوں کی ایک نمود ہے اور اس کی غفاری کی ایک جھلک! یہ حیرانے کا نہیں ثابت  
اور استغفار کا ایک موقع بھی دیا گیا ہے۔ فکر ادا کر کہ کتنی بڑی بھوٹ اب تک ملی  
ہوئی تھی کہ نافرمانیوں اور مصیبتوں کے دہانے سے اب تک دوچار نہیں ہوا تھا اس کے  
فعل کو دیکھ کتنا بڑا موقعہ ہاتھ آ گیا۔ آج اپنی فزیشوں اور کونایوں پر گڑگڑا ہے۔  
یہ رحمۃ اللہ! میں اس کا صدقہ ہے کہ بھاگے ہوئے غلام کو لوٹ آنے کا ہنود فرقت  
دے رکھتا ہے، نوٹ کر آ جانے والا سو بار بلانے اور تہ زندہ ہو کر سو سو بار بوٹے تو بھی  
اسے معافی نصیب ہو گئی ہے

اب ہنگامہ اور گناہ صیدی نیرت  
صد بار اگر تو بہ نیکستی باز آ !

دعوتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا دامنِ کرم ہے جو حق تعالیٰ سے کیس زیادہ غامضی  
 اور گہرائی کا کو پناہ میں لینے کے لئے فضلِ خداوندی نے پہنچا رکھا ہے ایک خطا کار کے  
 لئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہوسٹ دین میں بہت بڑی پناہ ہے۔  
 دنیا کا دستور ہوگا کہ خطا کار کو ایسا ذلیل کر دے کہ وہ خود اپنی نظروں میں حقیر ہو جائے  
 جب وہ اپنی نظروں میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا۔ تو کیا اصلاح کی توقع  
 اس کے بارے میں رہ جائے گی؟ وہ تو سماج کا ٹھکرا یا ہوا  
 بن ہی چکا، اب اگر دوست ہو کر سماج کا سماج جزو بنے بھی تو دمِ نمبر کا فرد ہمیشہ  
 سمجھ جائے گا۔ لیکن اسلامی معاشرے میں جب بھی وہ درست ہو کر شامل ہو تو وہ باہر کا  
 بن کر شامل ہوگا، بلکہ سچی انابت کے ساتھ شامل ہونے والا اس کا خاصہ بہتر  
 ہوگا کہ وہ معصیت کی لذتوں سے آشنا ہو کر اس کا تارک ہو جائے۔ ہمارے معاشرے  
 میں یقیناً وہ اس سے افضل ہے۔ چوں اس لذت سے آشنا ہوئے بغیر اس کا تارک ہے۔  
 حضرت نظام الدین (دلیا) (رحمہ اللہ) کی محفلِ مبارک میں ایک دفعہ یہ بحث نکل  
 آئی کہ متنی افضل ہے کہ نائب (یعنی گنہگار جو توبہ کر کے نیک بن گیا ہے) بد دل  
 نے حضرت نظام الدین (رحمہ اللہ) سے فیصلہ کرنا چاہا، انھوں نے اپنے عام دستور کے  
 مطابق ایک حکایت بیان فرمادی کہ ایک دفعہ بنی اسرائیل کے ایک نبی کے  
 سامنے یہی سوال آیا اور وہ لوگوں نے ان کی رائے معلوم کرنا چاہی، نبی نے فرمایا کہ  
 خدا کی وحی سے اس نزاع کا نصف ہو سکتا ہے۔

نبی پر وحی نازل ہوئی کہ آج رات فلاں سرائے میں تم رہو اور پوچھنے ہو  
 پہلا شخص سرائے میں داخل ہوا اس سے یہ سوال پوچھو جو اس کا جواب ہوگا وہ ہمارا جواب ہو

حکم خداوند کے تحت بنی اسرائیل کے اس بنی نے سر اے میں دات گزادی صبح  
ہوتے ایک شخص کپڑوں کی گھڑی سہ ہزار دے سر اے میں داخل ہوا بنی نے اس سے  
پوچھا کہ منتی افسس ہے یا تائب؟ اس نے جواب دیا کہ میں تو ایک جلا ہوا آدمی  
مرد جلا ہوا ہستم اس قسم کے سوالات کا جواب کیا دے سکتا ہوں، البتہ اپنی دستکاری  
کے تجربے سے ایک بات کہتا ہوں کہ ہم دھاگے سے کپڑا بناتے ہیں اور اکثر  
دھاگا ٹوٹ جاتا کہنا ہے اور اس کو گھٹا لگا کر جوڑ دیتے ہیں۔ وہ دھاگا پھر اس  
جگہ سے کبھی نہیں ٹوٹتا دوسری جگہ ٹوٹے تو ٹوٹے۔

تو سچی تو یہ ایسی ہی مضبوط گھٹا ہوتی ہے وہ کبھی نہیں ٹوٹتی یہ افضل منفصل  
کی بحث یوں ہی کی بحث نہیں بلکہ ایک بڑا سنجیدہ نفسیاتی معاملہ ہے۔ اگر خطا کار  
یا غلط کار کو یہ سہارا دے دیا جائے کہ وہ اچھا بن کر اچھوں سے افضل ہو جائے گا  
تو اس کے کردار کا رخ ہی بدل جائے گا۔ برعکس اس کے کہ اسے یہ کہہ کہہ کر تو توبہ کا  
ہے: اور معصیت کے گڑھے میں ڈھکیل دیا جائے

نشہ چاکے گزانا تو سب کو آتا ہے مرزہ تو جب ہے کہ گز توں کو تھام لے ساتی  
تو یہ جو چھے برے جیب کرتے اور اچکے نظر آنے ہیں کسی کو حق نہیں کہ ان کو دزدنی  
ٹھہرائے۔ کیا معلوم کس کا گناہ کس طرح ہوتا ہو، دزدنی جتنی کا ذیصلہ تو حاتمہ برہی رکھا کرتا  
خدا معلوم پروردگار کی شہادت نے ایسا کو یہیں جا کر اپنے کرم سے نوازنا چاہا اور اور یا  
اس طرح فصحت کیا ہو جیسے ماں کے پیٹ سے بچہ معلوم اور بے گناہ پیدا ہوتا ہے۔

دافنی حرم کے اندر لوگوں کی جبین کئی نہیں بغض کی توجیب کٹنے کے بعد حیات برائی  
ہمارے منہ سے نکالنے کو ان کی مانی مدد کرنا پڑی۔ لہذا ان کے ان مستحقوں کو بھی ایسی میں توجیب دے دیتی

## کہا معطلہ سے رانگی

کہا معطلہ میں ہمارے سفارت خانے کا جو عارضی دفتر المستشفیٰ الدینی میں تھا۔ اس میں ہر جمعہ کو ہندوستانی قیصر اور ہر منگل کو سفارت خانے کے ڈسٹ سکریٹری سر شہاب الدین آتے تھے اور عرضیوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ سفیر صاحب نے اس سلسلے کا سارا کام ڈسٹ سکریٹری کے سپرد اس طرح کر رکھا ہے کہ نہ ابھی اس میں دخل نہیں دیتے جب تک خود شہاب الدین صاحب ان سے مشورہ نہ لیں۔

مثلاً میں ہم سفارت خانے میں قدم دہائی صاحب کے پاس تھے کہ شہاب الدین صاحب آئے اور کہنے لگے... شاہ صاحب کسی طرح نہیں آتے اب آپ سے ملنے جو اصرار کر رہے ہیں۔ انھوں نے ہم سے کہا کہ تم نہ بایستے رہنا شاہ صاحب کو نہیں بلایے لیتے ہیں۔

ایک شاہ صاحب پتیس چالیس کے درمیان نہ بیٹھ سکے ہوشی مظلوم صورت بنائے آئے۔ کہنے لگے: حضرت مجھے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے عرس

میں خسرک پہنچا ہوا ہے۔ کائنات جانے کا دیر بھی دلی ہی میں لے لیا ہے اگر جلدیاں سے  
 واپسی کا دیر نہ ملا تو وہ دیر کی نسل ہو جائے گا۔ پھر میں بڑی پریشانی میں پڑ جاؤں گا۔  
 یہ گیا وہ میں ذی الحجہ کو بات ہو رہی تھی۔ ابھی شاہ صاحب مدینہ شریف بھی حاضر  
 نہیں ہوئے تھے اور ہرمز کو حضرت بابا فرید گنج شکر کا عرس پاک پن شریف باکلا  
 غٹگری) میں ہونے والا تھا۔ مطلب یہ کہ اگر ان کو واپسی میں توجہ مل گئی تو مدینہ  
 شریف کی حاضری سے محرومی یا اتنی مختصر حاضری کا امکان ہو گا کہ میں گویا قسم پڑی  
 کرنے کے لئے حاضر ہو سکے اس لئے کہ اگر مدینہ شریف میں آؤں تو قیام کریں گے  
 تو پاک پن شریف میں نہیں پہنچ سکے۔ سفیر صاحب نے پہلے تو فرمایا تھا کہ شاہ صاحب  
 نے کئی طرح کے زور ڈالنے والی میں فلاں صاحب نے کہا تھا کہ تم سفیر صاحب سے  
 میرا نام لے کر کہہ دینا تھا کام ہو جائے گا۔

آخر میں کہنے لگے۔ بھئیے تو وہاں بتایا گیا تھا کہ بہت آسانی سے اجازت مل  
 جاتی ہے۔

اب مذاق کے انداز میں سفیر صاحب نے کہا "بھائی ہم حکومت کے ملازم ہیں  
 اس نے توجہ دینے کے کچھ قاعدے ہیں بتا دیئے ہیں۔ اگر ہم اس کی خلاف ورزی  
 کریں گے تو آپ کا تو کچھ نہ جائے گا، ہم سے باز پرس ہو گی۔"  
 شاہ صاحب بولے "جیسے یہ ملزم ہوتا تو میں شاستری جی ویرا غلم سے کھانا لیتا  
 ہوتا تو بڑی مشکل میں پڑ گیا ہوں۔"

اس وقت ایک ممبر پارلیمنٹ مشرید احمد ہوشنگ آباد آندھرا بھی بیٹھے  
 ہوئے تھے۔ انھوں نے بظاہر بگڑ کر کہا "شاستری جی بھی کوئی غلط بات کیسے لکھ دیتے

اگر وہ ایسا کرتے تو ہم پاہلی منٹ میں ان سے باز پرس کرتے۔  
شاہ صاحب جواب تک و دن کی دے رہے تھے خوشامد پر اتنے ہی کئے قدوائی  
صاحب! میرا بڑا نقصان ہو جائے گا اگر آپ کے لئے کوئی بات نہیں ہے نہ (سی  
توجہ فرمادیجئے۔

سفیر صاحب نے کہا جب سارا کام شہاب الدین صاحب کر رہے ہیں  
تو میں کیسے دخل دوں وہ برادران جائیں گے؟

شہاب الدین صاحب بھی خاصے مردم شناس معلوم ہوئے۔ بڑی سختی کے ساتھ  
درخواستوں پر حکم دیتے تھے لیکن کسی بھی ضرورت مند کو ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا۔  
ہمارا معاملہ ذرا مختلف تھا جس کی تفصیل اوپر گزر چکی جو اس لئے ہیں اور  
ہمارے ساتھ امی، بھوپو جان، ہمانی اور متین میاں سب کو اجازت مل گئی کہ  
آٹھویں مئی کو روانہ ہونے والے جہاز سے ہم دوپہر ہوں جبکہ ترتیب کے اعتبار  
سے ہیں ہارجون یا مہرجون کے جہاز سے دوپہر آنا تھا۔

اجازت مل جانے کے بعد ۴۴ ہزار پریل کو اجازت مل گئی، ہم نے، ہورڈیو جی کو  
کچھ غلطی سے دو انگلی کا پیر وگرام بنایا۔

سفارت خانے سے حاصل کردہ اجازت نامہ کو دکھا کر رئیس الطین سے  
سند مانگی حاصل کرنا جوتی ہے یعنی ان سے معلوم کرنا ہوتا ہے کہ کس زوج (یا کہیں)  
میں ہیں جانا ہوگا۔ کچھ غلطی سے مدینہ منورہ تک جانے کا بس کوکرا یہ (ایک سو ایک  
ریالی فی کس بھی داخل کرنا ہوتا ہے۔ پھر جس برس میں رئیس الطین حکم دیتا ہے  
اس میں جانا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بس سے نہ جانا چاہے تو جی ایس ایکٹ ایک سوایالی

- داخل کر کے اجازت حاصل کرنا ہوتی ہے کہ ہم اپنی ٹیکسی کر کے جائیں گے۔  
اسے تناؤ دل حاصل کرنا کہتے ہیں۔

مکہ معظمہ سے مدینہ شریف تک ساڑھے تین سو میل کی مسافت ہے۔ ایک بس  
میں ۵۴ کے قریب مسافر ہوتے ہیں، راستے میں کئی چوکیوں پر بندھ کر تھم ساڑھے  
کے کاغذات کی جانچ کرنا ہوتی ہے۔ اس طرح ہر چوکی پر کافی دقت صرف  
ہو جاتا ہے۔ راستے میں کم از کم ۱۲ منزلیں ہیں جہاں مسافر کھانے پینے کے لئے یا قافلہ  
اور مزدور بات کے لئے اترتے ہیں۔ بعض اوقات راستے کی کسی منزل پر پوری  
سات گرا کر رہ جاتی ہے۔ ان منزلوں میں مسافر اپنی وہی چٹائیاں جو بس میں لے گئے  
نے خریدی تھیں، بچھا لیتے ہیں اور پڑ رہتے ہیں۔ کر دیہ دے کر چٹانگ بھی حاصل  
کئے جا سکتے ہیں۔ اس طرح بس کے سفر میں ۱۶-۱۷ گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں  
ٹیکسی میں کہ معظمہ سے مدینہ شریف تک کا سفر آسانی یا بوجھ گھنٹے میں ہو جاتا  
ہے ہمارے ایسے لوگ جو ہر حال میں آسانی اور سہولت کے شائق رہے تھے  
مدینہ شریف کے سفر میں اس شوق سے کیوں دست بردار ہو جاتے، غرضی خوشی  
ہم نے ایک سو ایک ریال فی کس ادا کر کے تناؤ دل حاصل کیا یعنی یہ اجازت  
حاصل کی کہ اگرچہ ہم مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک آئے جانے کا کر دیہ دے  
سے ہیں، مگر اذراہ کرم یہ اجازت ہو جانے کہ ہم آپ کی بس سے نہ بائیں  
بلکہ مزید کر دیہ دے کر ٹیکسی کر لیں۔

ہمارا قافلہ اب پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ یعنی وہی لوگ جو پہلی بار  
جہاز پر ایک ساتھ سواری ہوئے تھے۔ امی، بھوپو جان، سمائی، تبین یاں اور ہم





کہلاتا ہے جس سے لپٹ کر (اور درود کر دعائیں کرنا قبولیت کی سند ہے) ہم دونوں کو اتنی جگہ مل گئی کہ دیوار سے لپٹ کر (اور جی کھول کر دعائیں مانگیں۔ اور خوش بختی سے وقت قلب بھی نصیب ہو گئی)۔

مترجم سے پلٹنے کا طریقہ فقہانہ یہ بتایا ہے کہ دونوں ہاتھ سر سے اونچے کر کے دیوار کے کعبہ پر پھیلادے جائیں اور اپنا سینہ اور پیٹ دیوار سے چمکادیا جائے پھر کبھی دائیں رخسار دیوار پر رکھا جائے اور کبھی بائیں اور رقت قلب سے دعا مانگی جائے۔ دس یاشت کی اس مختصر جگہ تک رسائی اتنی ہی دشوار ہے جتنی حجر اسود تک، حجر اسود جو منے کے شائقین ہی کا حرم مترجم شریف کو بھی گھیرے رہتا ہے۔ یہ قسمت کی رسائی تھی کہ ہم دونوں کی کوئی وہاں تک ہو گئی۔ حجر اسود کو جو منے میں، ہر لگائے یعنی نہاد و تبرک اس کو جو منے کو۔ ہاتھوں کے کوڑے برس گئے مگر مترجم شریف سے چھٹے برسے بزرگوں پر وقت کی کوئی قیددہانوں! نہیں لگائی ہے۔ دوسرے خواہش مندوں کا خیال کر کے خود ہی آپ، مترجم شریف سے الگ ہو جائیں تو ہو جائیں وہاں سے کھسکا تا کوئی نہیں ہے۔

اس طرح جو طواف نصیب ہوا طبیعت کی شادمانی کی کوئی انتہا نہیں رہی آج بھی وہی طواف اور اس کا سرور یاد ہے جو اس رات ہم ہر دو نے لے لیا تھا۔

ایک دفعہ اور بھی ہیں حجر اسود کو پہنچنے کا موقع نصیب ہوا تھا اگر مترجم شریف سے چھٹنے کی سعادت نہ ملتی تو آئی تھی مترجم شریف کے بعد نیز راجح

کے بالکل نیچے دو رکعت نفل پڑھنے اور دعا مانگنے کا بھی موقع اسی رات کو ملا — خاد اکعب کی شمالی دیوار پہ چھت پر ایک پرتالہ لگا ہوا ہے جو سونے کا تبا یا جاتا ہے چھت پر سے بارش کا پانی اسی پر نالے سے نیچے گرتا ہے بارش کے وقت ہزاروں کا ہجوم میزاب رحمت کے نیچے اس آسمان میں جمع ہو جاتا ہے کہ اس سے کچھ قطرے اس کے اوپر بھی ٹپک جائیں ہمارے سامنے بارش نہیں ہوئی۔ بہر حال میزاب رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر دعا مانگنے دے کو بھی قبولیت کا مزدہ ملنا یا گیا ہے۔ لیکن امارے خوشی کے اس یادگار رات کی تاریخ بھی یاد نہیں رہی ہے

ہا میں ہم کو بولیں، یاد آتا ہے کہ گلشن میں

گر بیاں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

جب کبھی امی حجر اسود کے چومنے کا شوق ظاہر کرتیں ہم انھیں نفی ملکہ بتا دیتے کہ چومنا ضروری کتب ہے۔ موقع ملے تو ہاتھ سے اس کو اٹھا کر کے ہاتھوں کو چوم لینے کا بھی یہی جواب ہے بلکہ اذحام میں گھسا اور اس طرح لوگوں کو تکلیف پہنچانا اس گناہ اپنے سر لیتا ہے۔

اب ہمیں جو یہ سعادت اس طرح حاصل ہو گئی تو ایک ذمہ داری بھی ہوئی ہونے لگی کہ کسی طرح امی وغیرہ کو بھی اسلام کرانا چاہیے۔ ورنہ سوچیں گی کہ ہمیں تو مسئلہ بتاتا رہتا ہے اور خود چوم آیا حجر اسود کو،

ردائگی سے ایک ماہ قبل بارہ ایک بچے اسی شوق میں حرم شریف میں

تھے کہ شاید آج بھی پوری طرح بار بار بی نصیب ہو جائے دیکھا امی پھوپھو جان

اور مانی بھی دہیں ہیں۔ اس وقت ایمانے کہا: ”بھلا کسی طرح جھراسود تک ایک دفعہ ہمیں پہنچا دو۔ حسرت رہ جائے گی کہ جھراسود کو چھو نہیں پائے۔“  
 کچھ دس طرح انھوں نے کہا کہ نفی ملکہ بتانے کی ہمت اس وقت ہم نے اپنے میں نہیں پائی اور جھراسود تک پہنچانے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی اس قسم کا مجمع اس کے ارد گرد تھا۔

عام طور پر لوگ یہ کرتے تھے کہ جھراسود کے پاسیانوں کو ایک دیال دو دیال تھمائے اور انھوں نے کوڑے پر سا کو چھٹے والوں کو ہٹایا اور دینے والے کو دھکا دے کر آگے کر دیا۔ اس کا دوبارہ طریقہ کو اختیار کرتے ہو کر طبیعت ایک دفعہ بھی مائل نہ ہوئی۔

یہ اندازہ ہوا کہ اس وقت جو آٹھ دس عورتیں ایک قطار میں کھڑی ہیں ان کے پیچھے اگر امی اور پھوپھو جان بھی لگ جائیں تو دس پندرہ منٹ میں وہاں تک پہنچ جائیں گی۔ ہم قطار کے قریب کھڑے ہو گئے کہ قطار کے باہر والی عورتوں کو آگے بڑھنے سے روکیں۔ قطار والی کوئی عورت بھی خایہ جھراسود تک نہ پہنچ سکی ہوتا یہ تھا کہ ایک آدمی جھراسود کو چھونے لگا چار اس کو گھبرے رہتے ہیں۔ اب اسے پیچھے ہٹنے کا بھی موقعہ نہیں اور تک چوم سکتا نہیں، ورنہ کوڑے برسے لگیں گے۔ پہلے تو وہ دب دبا کر واپس ہونے کی کوشش کرتا ہے اور چاروں طرف چھونے کے لئے بڑھنے والوں میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ ہماری طرف سے نہیں دوسرے کی طرف سے یہ نکلے نکلے کا ماتہ دینے کے لئے کسی ایک کو ہٹا کر دے گا تو وہ ہم کیوں ہوں۔

دوسرا کیوں نہ ہوا بالآخر جوم بچنے والا ایک دفعہ ہڑ ہڑا کے جو پیچھے مٹا ہے تو چاندوں وہ بھی اسی کی رو میں پیچھے ڈھکل جاتے ہیں اور حجر اسود سے دفعہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے جو ان چاندوں سے پیچھے تھے ان میں سے کوئی ایک اس ہل چل میں حجر اسود کو جو مٹا نظر آنے لگتا ہے۔

دیر تک بیش قدمی اور پسیائی کے یہ مناظر دیکھتے ہوئے اب ہیں پتھر کا ایک نیا راستہ سوچا۔ اور اس "حکمت علی" کے سوچ جانے سے یہی پوری کامیابی ہو گئی۔ یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ کے لئے یہی حکمت علی اقلید کرنا نوزد ہو گا اس وقت یہ ترکیب کامیاب ہو گئی تھی۔ اسی اور بھو بھو جان حجر اسود کو چوم کر بہت خوش ہوئیں مگر مانی کیوں ادھر ادھر ہو گئی تھیں شاید پہلے ہی انھیں یہ سعادت مل چکی تھی۔

ہر اپریل کو رات کے اٹھ بجے کوہ منظر میں داخل ہوئے تھے ۲۶ دن کے بعد، ہر اپریل (۵ ہر ذی الحجہ) کو اس شہر سے جس کے رہنے والوں نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رہنے نہیں دیا احسن قربت تک انتہی آخر جنتک لئے رسول! آپ کی اس بستی سے جمنے آپ کو فارغ کر دیا تھا اس شہر کی طرف جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترک وطن کے بعد ہمیشہ کے لئے قیام فرمایا اور جو ہمیشہ کے لئے آپ ہی کا شہر مینہ الرسول کہا جانے لگا ہمارا کوچ ہوا۔

گفت مشوئے باشت کائے فتن!

تو بزموت دیدہ بس شمس ہما

پس کد امی فہمہ ز آئنا خوشترست

گفت آن شہسہ کہ در دے دہرست

ردانگی کا وقت، چھاز کے موسم کے لحاظ سے، قبل طلوع صبح صادق مقرر ہوتا، گرمی کا زمانہ تھا دن کی دھوپ میں سفر کرنا، اس وقت گوارہ سفر کو کلفت میں تبدیل کر دینے کے مراد ہوتا ہے ٹک شوق کی رہنمائی میں کوئی کلفت محسوس نہ ہونا چاہیے مگر یہ دعویٰ بڑا دعویٰ ہو گا کہ شوق کی نعمت کی شکل میں نئے کال بانہ آگیا ہے ہاں یہ ضرور محسوس کرنا پڑتا ہے کہ

بچ کے بخوابشتن رہ ہمز بسوئے او

بکہ بیائے او در د ہر کہ دو کوئے دو

دوسروں میں پانچ سواریوں کے لئے ٹیکسی کرتی تھی جو رات ہی کو ہماری قیام گاہ پہنچ رہا تھا۔ رات کے گھٹ پر آکر کھڑی ہو گئی۔ — ردانگی سے قبل طواف و داغ، (خاندان کعبہ کا رخصتی طواف) کرنا تھا، یہ رات کے کھانے کے بعد ہی کر لیا، اور فقہا کی ہدایت کے مطابق خاندان کعبہ کا رخصتی طواف کر کے ہم پانچوں دای۔ پھر پھوپھاں، مانی جس میں اندھم، اٹنے پاؤں حرم شریف سے واپس ہوئے۔ یعنی اس طرح چلے کہ پیٹھ ہمارے حرم سے باہر جانے والے دروازے کی طرف اور منہ خاندان کعبہ کی طرف رہا۔ اگرچہ اس طرح جیسا بہت رحمت کی بات ہے راستہ بالکل ہموار ہو تو ضرور لیکن طواف طواف کرنے کی جگہ ہے پھر ایک ٹھوکرا دینا زمین ہے جو تھوڑی دیر کے بعد ایک پتلی کیس بن جاتی ہے جس کے دونوں طرف دو عین بالشت چمچی کھنکھریوں والی زمین ہے پھر حرم شریف کا دالان آتا جو اس کے بعد دروازہ باب الاول

جس سے آخری طواف کے بعد باہر جانا چاہیے۔ — واپس بوتے ہوئے دعا بھی مانگتے جاتے تھے کھانے، پانی، البیت، اتیرے گھر میں ہماری یہ حاضری آخری طوافی نہ ہو، ایسا ہوتا کہ جلد از جلد تیری چوکھٹ کو چومنے کے لئے ہم پھر پہنچ جاتے۔ — دعا مانگتے جاتے تھے اور اپنی حکومت کی لگائی ہوئی پابندی کو سوچتے جاتے تھے کہ پانچ برس تک تو اس دعا کے قبول ہونے کا کوئی نتیجہ ہا تھا نہ والائیں بقول زائر مرموعم حمید صدیقی کے

اب حج زیارت پہ بھی ہے قیدین

ہم، ہجر کے ماروں کو ہوا ایک یہ علم اور

تبدید نما نہ رہیں پانچ برس تک !

اور باب نما پہ ہے یہ تازہ ستم اور !!

بھر بھی دعا مانگتے جاتے تھے (امام مولانا محمد عتیق صاحب فرنگی علی کا قول) بھلنے والے کے یہاں کوئی قید سال و ماہ کی نہیں ہے۔ — ڈھارس دلاتا جاتا تھا۔ طواف و راع سے فارغ ہو کر بارہ بجے رات کو واپس قیام گاہ پر آئے وہ سونے کا وقت کہاں تھا تہجد کے وقت دعا لگی ہونے والی تھی۔ ہم نے موقع سے فائدہ اٹھایا کہ ہندوستانی پریسٹ کارڈوں پر دو ایک خط گھر والوں کے نام لکھ لیے اور عظیم بھائی (چچو دھری عظیم الدین اشرف) کے سپرد کر دیئے جو ہمارے ساتھ رہا طیس تقیم تھے اور مدینہ منورہ کی زیارت سے قبل حج ثمرت اخذ ہو چکے تھے۔ تین دن بعد (۳ مارچ) کو، جو ذی حجاز سے واپس پہلی جارہے تھے (اب ہماری دسویں کارڈ گرام قلمی ہو چکا تھا یعنی ۳ مارچ) کو مدینہ شریف جارہے ہیں آٹھ یا نو دن وہاں کی

بابرکت خضایں مدہ کرا اور جو سعادتیں ہمارے نصیب میں ہوں گی ان کو میٹ کر  
 واپس جڑے آئیں گے اور جدے سے ۸ مئی کے جہاز سے روانہ ہو کر ۱۹ مئی  
 کو بمبئی پہنچ جائیں گے۔ اس پروگرام کی اطلاع گھر والوں کو اور دختر کو کچھ بھیجی  
 یہ خطوط بمبئی میں عظیم بھائی کے سپرد ڈاک کرنے سے ۳ مئی تک وطن پہنچ  
 بھی گئے۔

ٹیکسی پر ہمارا مختصر سامان جب رکھا جانے لگا اباقی سامان مکہ معظمہ ہی میں  
 معلم مولانا عبداللہ سکنہ رکے حوالے کر دیا تھا کہ وہ بارہ ہمدانی کیے معارف ہم سے  
 لے کر اپنی ذمہ داری پر اسے جدہ بھجوا دیں، تو پتہ چلا کہ ہماری ایک جائے نماز نہیں  
 مل رہی ہے، ابھی تک ہماری کوئی چیز اس سفر میں نہیں کھوئی تھی، البتہ حرم  
 محترم میں چلیں کھوئی تھیں مگر وہ کھوئی نہیں بلکہ بدلی گئی تھیں، — بلکہ تیک  
 ہوا کہ ہم لوگ رباط میں اپنا کمرہ مقفل کر کے منی چلے گئے دو دن کے بعد طواف  
 زیارت کے لئے واپس مکہ معظمہ آئے اور اپنا کمرہ کھولنا چاہا تو اس کا قفل بالکل  
 ٹوٹا ہوا تھا، دھک سے ہو گئے کہ سامان سامان کمرے میں بند کر کے گئے تھے قفل شکنی  
 ہوئی ہے تو سرتہ بھی ہوا ہو گا، لیکن حیرت ہوئی کہ ایک چیز بھی جگہ سے بے جگہ  
 نہیں تھی، اگرچہ ان دنوں رباط میں کیا بورے مکہ میں سنا تھا سب ہی ننھی  
 چھپے تھے، چوری بہت آسان تھی — یہ بھی ملحوظ رہے کہ حرم محترم میں  
 مایچوں کے جیس کئی ہیں — لیکن ہمارا سامان جوں کا توں ملا — ہوا یہ کہ ہمارے  
 کمرے سے ملے ہوئے غسل خانہ کا نل کھلا رہ گیا تھا، ہمارے جانے کے بعد جب نل میں  
 پانی آیا تو بالٹی بھرنے لگا، اس کی آواز باہر چوکیدار کو سنائی دی وہ فکر مند ہوا کہ



رہاٹ کی ٹنٹی میں جو پانی ریزا نہ بھرا جا رہا ہے جس سے تمام کمرؤں کے غسل خانوں میں پانی آتا ہے ہمارے غسل خانے کے منی ہما سے بہہ جائے گا پانی کی قیمت زمانہ حج میں جو ہو جاتی ہے وہ ظاہری ہے، چونکہ ار کے ہی سمجھ میں آیا کہ ”رہاہ عام“ کی خاطر ہمارے کمرے کا نقل تو ذکر علی کو بند کر دے، اور اس نے یہی کیا۔ اب جب ہمارا غسل خانہ کھل گیا تو ہماری دو تین دن کی عدم موجودگی میں جو چند ازاد رہاٹ میں رہ گئے تھے انھوں نے غسل خانے کا بھی کھول کر استعمال کیا، نہ لکے، کپڑے دھوئے، کھانا پکایا۔ مگر کوئی چیز ہماری گڑبڑ نہیں ہوئی۔

جائے نماز کی گمشدگی ایسی کوئی خاص بات نہ ہوتی مگر اس کی کچھ اوجھٹ ہادی نظر میں تھی۔ ایک تو یہ کہ ہلدی جیوی نے اپنی چیز کی جائے نماز ہمارے ساتھ کی تھی تو کیا ایک امانت تھی ہمارے پاس دو دوسرے یہ کہ حرم شریف میں منی میں عرفات میں، ہر جگہ اسی جائے نماز کو پکھا کر ہم لوگوں نے نمازیں ادا کی تھیں، ایک تعلق اس ارض مقدس سے اس جائے نماز کو بھی ہو گیا تھا، سامان میں ڈھونڈھا محمد میاں صاحب امدادی سے پوچھا کہ عموماً وہ اور جنین میاں امداد اپنی اپنی جائے نماز پر لے کر ایک ساتھ حرم شریف جاتے تھے، کوئی صاحب دیوبند حرم میں لے کے ادھر ہماری جائے نماز ان ہی کے پیچھے ہوتی تو چھوڑ آئے کہ وہ آئیں گے تو لیتے آئیں گے، محمد میاں صاحب اکثر اپنی جائے نماز حرم شریف کے بواب ہی کے پاس رکھا آتے تھے اور جب جاتے تو اس سے کہتے ”سجادہ“ اور وہ ان کی جائے نماز الماری سے نکال کر دیتا۔ کہیں نہیں ملی۔ اب روانگی کا وقت آ گیا تھا۔ خیال آیا کہ چاہے بواب سے بھی پوچھ لیں شاید وہاں وہ گئی ہو، اور دھڑکتے ہوئے گئے تین بجے

رات کا وقت بوقت بھی سو رہا تھا اسے جگایا جو بچھا۔ سجادہ؟ اس نے الماری کھلو  
 کئی جانہزیریں دکھائیں ہماری کوئی نہ تھی اس نے کہا "تم خود ڈھونڈو" الماری  
 میں ہم نے تلاش کیا تو ہماری جائے نماز ہیں مل گئی بڑی خوشی ہوئی ہم نے بوقت  
 سے کہا "اس وقت ہم جا رہے ہیں" اس نے فوراً معافہ کیا اور دیر تک سینے سے  
 لگائے رہا پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعائیں دیں اور دوبارہ حاضری کے  
 لئے بار بار دعا کی ہم بھی ہاتھ اٹھائے زمین کہنے رہے۔ اس طرح طواف وداع  
 کے بعد بھی ایک بار اور زیارت خانہ کعبہ کا موقع مل گیا۔ اس فخریہ نگاہ خانہ کعبہ  
 پر پڑی تو ایسا محسوس ہوا کہ کسی نشا کو آخری بار دیکھ رہے ہیں اللہ اس پر  
 رخصتی نظر ڈال رہے ہیں۔ اکیلے بھی تھے اس وقت، دل بھرا یا ادا تھی بڑی  
 نعمت سے جو جمال کعبہ کی دیدار کی شکل میں نصیب تھی چند لمحوں کے بعد محسوس  
 ہو جانے کے تصور سے تکلیف ہونے لگی،

جلنے نماز کے کر دپس آئے اور ٹھیک تہجد کے وقت ٹیکسی پر سوار ہو کر رات  
 کے سائے اور برقی قمقموں کی روشنی میں مکہ معظمہ کی کشادہ سڑکوں پر چل پڑے  
 اچانک یہ خیال آیا کہ کس آرام اور سکون کے ساتھ اور منزل مقصود پر پہنچنے  
 کے کس یقین کے ساتھ آج مکہ معظمہ سے روانگی ہو رہی ہے۔ یادہ وقت جب  
 ختم ارسل پہلی! دما کی کدے مات کے منائے اور گھٹا نوپ اندھیارے میں شرب  
 مدینہ شریف کی طرف اپنے ایک دوست ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ  
 ہوا تھا پیدل چھریں اور رنگتانی راہوں پر اس طرح قطع مسافت کی جا رہی تھی  
 کہ نشان قدم بھی مٹا دیئے جاتے کہ دشمنوں میں ایسے ماہرین بھی تھے جو پیرن

کے نشان دیکھ کر جان لیتے تھے کہ کس قبیلے اور کس خاندان کے مسافر اس راہ سے گئے ہیں۔ دشمنوں نے اس رات درود لٹ کا محاصرہ کر لیا تھا اور قتل کرنے کی سازش بڑی ہوتی تھی۔ کیا ذکر کی تھی۔ یکوں؟ صرف اس لئے کہ وہ بزرگ ہستی ہماری نجات کی راہ بتانے میں اپنی جان تک کی قربان نہیں کر رہی تھی! بچپن میں حضور ربانی دالہ محترمہ حضرت بی بی آمنہؓ کے ہمراہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرب کا ناہی حال کا۔ سفر فرمایا تھا۔ لیکن بیوٹ ہونے کے بعد پہلی بار مدینہ شریف کے لئے حکم خداوندی حضور اکرمؐ کے لئے تھے اور اس طرح نکلے تھے کہ راستہ میں ہر موڑ پر دشمن کی خونخوار نگاہیں گورنے والوں کو گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں۔ اپنے گھر کے دروازے سے نہیں بچھوڑے سے آپ باہر تشریف لائے۔ پھر مکہ سے نکل کر تین دن تک ایک پناہ کے کھوہ میں (غار نور میں) دشمن کی جستجو سے پوشیدہ رہنا پڑا۔ یہ سب کس لئے؟ یہ غار حرا میں دیا ضتیں کیوں؟ یہ ہاتھ کا تکیہ خاک کا بستر کس کے واسطے؟ غار نور میں پوشیدگی کس کی خاطر؟ صرف اس واسطے کہ اس کی امت کو بعد میں کھفتیں نہ ہوں اس کی راہ کے کانٹے نہٹ جائیں اس کی قطع مسافت میں زحمتیں مدد داد نہ ہوں۔

بوریا منون خواب راقش تاج کسری زیر پائے امش

ماند شہنا چشم اور محروم نوم تابہ تخت خسروی خوابید قوم

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرانے کے بعد حضور انور تین دفعہ مکہ معظمہ تشریف لائے سب سے پہلی بار تشریف لائے تو دشمنوں نے آنے ہی نہیں دیا اور یہی مقام پر۔ جو اس وقت جدے اور مکہ معظمہ کی راہ پر تقریباً وسط میں ہے۔

حضور اقدس کو رکنا ہوا اور وہیں معاہدہ صلح ہوا جس کے تحت دوسرے سال حضورؐ اس طرح مکہ معظمہ میں عمرۃ القضا اور کرنے آئے کہ اذ روئے معاہدہ صرت تلواریں ساتھ تھیں اور وہ بھی نیام کے اندر اس طرح خون کے پیاسے دشمنوں کے درمیان آپ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف لائے اور اذ روئے معاہدہ تین دن سے زیادہ مکہ معظمہ میں قیام نہیں فرمایا اور وہاں مدینہ شریف پہنچے آئے۔ دوسری بار فتح مکہ کے سلسلہ میں تشریف آوری ہوئی اور کافی قیام بھی ہوا۔ تیسری بار حجۃ الوداع کے لئے تشریف لائے اور پانچ دن تک حج وغیرہ میں یہاں صرت کر کے مدینہ شریف لوٹ گئے جہاں پورے تین ماہ کے بعد آپ نے دنیا سے پردہ فرمایا۔ (اب وہ راہیں اور وہ گزر گاہیں سب مخفی ہو چکی ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے مابین کی وابستگی سے خوش نصیب ہو چکی تھیں۔ اگر واقعی اور بعینہ وہی راہیں رہ جائیں تو ایک امتی کے لئے ان راہوں پر چلنا یعنی پیروں سے چلنا ذمہ بی طور پر کس قدر دشوار ہوتا۔

نیکسی ہیں لئے جس مبارز قادی سے چل رہی تھی اس کا اندازہ اس سے کچھ کہ چالیس پینتالیس میل کی مددی پر واقع جدہ جب آیا تو اس وقت تک ان علامات صبح صادق طلوع نہیں ہوئی تھی۔ یعنی ہم لوگ جو جدے میں ٹھہرنے والے نہ تھے اگر نماز فجر کا وقت آ جاتا تو شاید اتنی دیر ضرور وہاں ٹھہر جاتے مگر بغیر رکے آگے بڑھتے چلے گئے۔ رات کے ایک منزل میں اور زمانہ فجر بڑھی، چائے ناشتہ کیا ناشتہ ساتھ تھا۔ ساری چائے منزل پر فروخت ہو رہی تھی۔ پانی بھی فروخت ہو رہا تھا رضو کرنا تھا اس لئے کہ اگرچہ رضو کر کے مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تھے مگر شانے میں موٹر کے سفر نے سب کو اذگھا دیا تھا اور نئے سرے سے رضو کرنا تھا۔

## حضورِ مدینہ منورہ

جس راہ پر پہلے کبھی گزر نہ ہوا ہو اس کے مناظر خواہ و گلش ہوں یا نہ ہوں  
 بہر حال اپنی طرف توجہ کیجئے رہتے ہیں اور جس منزل پر اس سے پہلے کبھی نہ مان  
 مسافرت نہ آتا رہا ہو اس کی اجنبیت کا تصور کسی نہ کسی عنوان سے عادی رہتا ہے  
 — لیکن جس نئی راہ پر اس وقت ہم گامزن تھے — مدینہ الرسول کی راہ — اس سے  
 پہلی دفعہ گزرنے کے بعد جو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ یہ جانی بوجھی راہ اور ایسی جانی  
 بوجھی شخصیت کی گرد گاہ سے جس کے جلو میں ہزاروں بار تصور ہی تصور میں ادھر  
 سے گزر رہا ہو چکا ہے۔

اور وہ منزل جہاں اب تک رسائی نہیں ہوئی تھی انہی جزئیات کے ساتھ  
 تصور میں اس قدر واضح تھی کہ جیسے مسافر کی منزل نہیں بلکہ مقیم کا اپنا گھر ہے۔  
 اس وقت اپنے ان بزرگوں کے لئے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں جن کی  
 حسن تربیت نے اس راہ اور اس منزل سے ایسا دارلبستہ بنا دیا کہ نہ تو اجنبیت دا  
 محسوس ہو پا رہی تھی اور نہ کسی قسم کی فکر منزل و امن غیر نظر آتی تھی سہ

قدوں سے باتیں کرتے ہیں دیوار و در سے ہم  
 دایستہ کس قدر ہیں تری رہ گوار سے ہم  
 چار پانچ گھنٹے کا سفر تھا۔ جب تک جدہ نہیں گزرا اوندھتے سوتے آگے نہٹتے  
 سہے جس منزل پر ناز فجر بڑھنے کے لئے ٹھہرے اور وضو کیا تھا۔ یہی منزل پر منزل  
 اور اندھگائی نے بھی رخصت لے لی سو بھی کیسے سکتے تھے؟ ریکٹان کی صبح ہو چکی تھی  
 جہاں سورج نکلتے ہی گرم ہو جاتا ہے، اور نیم صبح کا ہی آنا نا نا با و موسم کا زمانہ  
 اختیار کر لیتی ہے۔

زیادہ نہیں صرف پچاس سال پہلے کا زمانہ ہوتا تو ریکٹان علاقے کے اس سفر میں  
 علوم کتنی بار اس بادِ موسم سے سابقہ پڑتا جو قافلے کے قافلے کو اپنی اوٹاں ہموں دیت  
 کی چادروں میں دفن کر سکتی ہے۔ اب تو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک بستروں  
 بختہ اور سیدھی سڑک ہے جس پر صرف موٹریں اور بسیں ہی دوڑا کرتی ہیں۔  
 اور اس رفتار سے دوڑا کرتی ہیں کہ اگر زمانہ بھی ٹھوکر کھا جائیں تو نہ کوئی تنفس  
 دیکھے نہ مشین کا کوئی پرزہ سلامت رہے۔

اس گرم زمانہ کی کے باوجود کسی قسم کے خطرے کا احساس پاس نہیں بھٹک پاتا  
 تھا۔ دھن ہی تھی کہ کسی طرح منزل تک پہنچ جائیں۔ منزل مقصود تک نہیں کے  
 لئے اتنا ہمارا سفر کیا تھا وہ تو اب آنے والی تھی جہاں اب تک تھے وہ حکم کی تعمیل میں  
 تھے اب جہاں جا رہے تھے وہی وہ منزل ہے جس کے لئے گھر سے نکلے تھے۔

تو نہ مودی رہ بھٹا اگر فیتہ  
 دگر نہ جس نہ تو مارا منہ نے نیست

راتے بھر درد و شریف پڑتے رہنا ہی سب سے بڑی کام ہے جیسا کہ علما اور  
شائخ نے لکھا ہے۔ حتیٰ الوسع ہم نے بھی درد و شریف کا درد جاری رکھا اور اس یقین  
کی بدولت جاری رکھا کہ آج ہماری حاضری جو یہاں ہو رہی ہے تو صرف اسی لئے کہ  
دینہ اور صاحب دینہ کی زیارت کے شوق میں اکثر درد و شریف پڑھ کر اپنے  
دل کو سمجھا دیا کرتے تھے کہ

بے مایہ سی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں

بھجی ہیں درد و دل کی کچھ ہم نے بھی غائیں

راتے میں دو ایک منزلیں آئیں جہاں پر روانہ راہ داری کی جانچ ہوتی تھی  
ڈرائیور ہمارے کا غذا لے کر جاتا اور ہمیں لگھا لگے آتا تھا۔

بیان تک وہ خاص منزل راتے میں آئی جو یہ روانہ راہ داری کے لحاظ سے خالص  
نہ ہو مگر ہمارے تخیلات کے لئے بڑی خاص منزل تھی۔ یعنی بند کی منزل۔

بدرد وہ مقام ہے جہاں آج سے تیرہ سو چوراسی برس پہلے تین سو تیرہ اللہ کے  
بندے اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لئے بیعت ہوئے تھے۔ یہ ۱۲۳۳ ہجری کے خلیفہ تھے  
جن کے علاوہ اس وقت کہہ اور پڑھائی اور بندہ خدا ایسا نہ تھا جو صحیح طور پر اپنے  
بعد لگا کر معرفت رکھتا ہو اللہ کا نام لینے والے ضرور ہوں گے مگر اللہ کے نام کو  
بلند کرنے کے لئے جان دینے والے ہی ۱۲۳۳ ہجری کے جو صفت آرا ہو گئے تھے ان ایک ہزار  
سچ افراد کے مقابلے میں جو صرف اس لئے سامانِ خوب و ضرب سے لیس ہو کر دینے  
کا طرف دیکھے تھے کہ اللہ کے نام کو بلند کرنے والے تھے بھرا نالوں کو نیست و نابود  
کرنے کے دم نہیں گئے۔

جسٹھ فلک نے ایسا نظارہ جنگ کا ہے کہ دیکھا ہوگا کہ ایک طرف مٹی بھروہ لوگ ہیں جو ہر طرح کے سامان جنگ سے سروسز ہیں اور جو جنگ کے لئے انہیں بلکہ صرف یہ بتانے کے لئے بدر میں آئے ہیں کہ کسی دبا یا کسی دھکی سے ان کو ان کے مقصد سے محروم نہیں کیا جاسکتا دوسری طرف سگنہ تعداد میں وہ تھے جو اس دم ختم کے ساتھ آئے تھے کہ اللہ کے نور کو اپنی ہونٹوں سے بچھانے کے لئے تقابلی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے نور کی روشنی ان بڑھی اور بڑھی یہاں تک کہ ارتفاع عالم میں پھیل گئی ہے

یابان بدر شمشیر عالی اس قدر چمکی  
کہ اب تک روشنی پھیلی ہوئی ہو نہفت کشور

جب اللہ والوں کی فوج مقام بدر میں جمع ہوئی، تو یہاں صرف ایک کنواں تھا۔ اب کنواں ہے یا نہیں اور ہے تو کسی جگہ یہ ہم معلوم نہ کر سکے اس لیے کہ اتنی دیر ٹھہرنا نہیں ہو سکتا تھا۔ بہر حال اس وقت بعد ایک اچھی خاصی بستی ہے۔

بچے ذوالکلیفہ آگیا، یعنی اب مدینہ شریف سے صرف چھ میل کا فاصلہ رہ گیا ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں سے حضور الودیع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے لئے احرام باندھا تھا۔

تھا۔ اہل مدینہ کی مقامات احرام باندھنے کی مقررہ جگہ یہی ہے۔

ذرا لیور نے آگے بڑھ کر ایک نشان راہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ مدینہ شریف کی گھریاں سے شروع ہو گئی ہے ساختہ دوزر در سے در و شریف کا در ہونے لگا۔ اسی کے ساتھ خیال کرنے لگا کہ ابھی توڑی ہوا دریں سامنا ہونے والا ہے ان کی آرام گاہ کا جن کی محبت اور جن کی عاشق کا دم بہرستی کی طرح ہم بھی بہرے ہیں لیکن اس پوری عمر میں ایک مودہ بھی کبھی ایسا نہ آیا جب اس محبت و عشق کا دانی



نق بھی ادا کیا۔ جو قسم لے کر اگر کوئی پوچھ بیٹھا تو انہی کی قسم سولے شریعتی کے ادا کوئی جواب نہ تھا۔

یہ بھی خیال آگیا کہ غوث کی شدت ہو یا خوشی کی فراوانی دونوں حالتیں کمزوریوں کے لئے بے اوقات مہلک ثابت ہوتی ہیں۔ کیسے ایسا نہ ہو کہ اپنی نافرمانیوں کی سرکوبی اور آلودگیوں کے احساس کے ساتھ اس بارگاہ عالی میں حاضری ہو اور فرد جہم کے بوجھ سے دل بالکل ہی پیٹھ جائے۔ لیکن چشم زدن میں یہ خیال دھو گیا

فقد اتیت رسولہ اللہ ﷺ والعذر عند رسولہ اللہ مقبول

ا میں تو معذرت خواہ ہو کر اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں اور معافی و عذر خواہی اللہ کے رسولؐ کے یہاں بڑی مقبول جیسے ہے۔

دل ہی دل میں باتیں ہونے لگیں کہ جن کی خدمت میں بامیابی کا شرف حاصل ہو رہا ہے وہ نہ ہی ہیں جو حشر میں ہم سب گنہگاروں کے شفیع ہوں گے وہاں شفاعت کا تاج سر پر رکھنے والے یہاں گناہوں اور لغزشوں سے چشم پوشی نہ فرمائیں گے؟ وہ ہر جگہ شفیع اور ہر وقت رحمتہ عالم ہیں۔

غرض برجا شفیع و رحمتہ للعالمین تو ہے

زمین میں، آسمان میں جنت الماویٰ میں حشر میں

کیا یہ خط بھی تھا کہ یہاں ایسی حالت میں بھی آنا ہو سکتا تھا کہ نامہ اعمال میں کسی قسم کا گناہ اور کوئی لغزش درج نہ ہو؟ یہ وہم تو ان پاکیزہ نفوس تک کو کبھی نہیں ہوا تھا جو سبقت کی برکت سے بشرک تراور پاکیزہ تر ہو چکے تھے۔ لے عقل کے دشمن اب کسی امتی کے سر تا پا گناہ ہونے سے ان کے منصب نبوت و ولایت پر

کیا آٹھ آجائے والی ہے؟ انھیں آلودگیوں، لغزشوں، نافرمانیوں، معصیتوں کے ساتھ حاضری دے پھر دیکھ کہ تیرے جیسے میں کتنی رحمت اور چشم پوشی آتی ہے۔

گو من آلودہ دارم جسہ عجب

ہمہ عالم گواہ عصمت اور

کچھ بھی کیا ہو دیکھنا یہ ہے کہ ان سے دنیا تعلق — وہ بڑے نام ہی سہی — توڑا تو نہیں ہو؟ تو خدا ہی بشر بننے والا ہے کہ کسی بھی مرحلے میں دانستہ یہ جرات نہیں لے

ان انت ذوذا فاعلم ان من حق من النعم ولا حلیٰ لہنک  
اے شاعر گناہ کے مگر حضور انور سے نہ اپنی ذرا بے لگتی ختم کی اور نہ آپ اکابر کی رسی کا سلسلہ ٹوٹنے دیا،

سن رکھا تھا اس لئے ڈراؤ دے کہا کہ جہاں سے پہلے پہل گنبد خضرا کا نظارہ نصیب ہوتا ہو، ہم انبیوں کو تباہ دینا کہتے ہیں کہ بیرطلی سے نظارہ نصیب ہو کر تباہ ہو لیکن مسجد نبوی کی جدید عمارت اتنی بلند ہو گئی ہو کہ کہیں سے بھی آسان نظام رہ نہیں ہو پاتا ہو ڈراؤ رونے (نبی دہان میں ایک جگہ ہم کو متوجہ کیا مگر ہماری نگاہیں نظارہ سے فاصلہ میں) چشم زدن میں ہماری نیکی ایک آبادی کے اندر پہنچ کر ٹھہر گئی اور کسی نے پوچھ کر پوچھا کہ کس مزدور کے بیان جانا ہو؟ ہم نے شیخ باؤالدین رئیس الزہدین کا نام لیا پوچھنے والے نے ڈراؤ محمد سے کاغذات لئے کر دیکھے اور آگے بڑھنے کی اجازت دے دی۔

یہ دینہ شریف تھا۔ ہم وہاں تھے جہاں پہنچنے کے خواب ہی بکھا کرتے تھے اب جو جسمانی طور پر پہنچ گئے ہیں تو بوجھ و حواس بچا نہیں ہیں، گاڑی اب شہر کی مرکزوں پر چلی رہی تھی اور ہم ایک ایک عمارت کو اس طرح دیکھ رہے تھے کہ تباہی میں

کبھی ہمارے آباؤ اجداد کا قیام رہا ہو، مگر کوئی قیام گاہ اس پہلو سے نگاہوں میں نہیں بسی کہ موڑاؤ سے پرگازی آگئی یہاں ہیں ذرا نیورے نے کچھ کاغذات دکھائے پھر آگے بڑھا، مسٹرکون چوراہوں سے ہوتا ہوا ایک دفعہ اس نے بیک، لگایا، ہمارے نگاہوں کے سامنے مسجد نبوی کی شاندار نو تعمیر عمارت تھی ع  
یہ نصیب اللہ اکبر!! لوٹنے کی جگہ ہے۔

اترے ہوئے اور حیرانی سے مبرک عمارت کی طرف دیکھتے رہے ایک عربی لباس والے نے دریافت کیا کہ کہاں جانا ہے ہم نے کہا "محطۃ منزل" یا "جو منزل" آپ لوگوں کے پاس ان مکانات میں ٹھہرنے کا اجازت نامہ ہے؟  
"اجازت نامہ تو نہیں مائے ہیں اس لیے کہ ضرورت نہ تھی، بہاؤ الدین صاحب

کہاں ہیں آ۔

وہ بھی آتے نظر آئے۔ یہ معلوم ہونے ہی کہ یہ سوار یاں فرنگی محل سے آئی ہیں انھوں نے خندہ پیشانی کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور کہا کہ دونوں منزلوں میں سے جہاں آپ جاہیں شوق سے ٹھہر سکتے ہیں۔

ضین میاں نے کہا، مدینہ شریف میں آکر سید صاحب کے گھر میں ایدہ حسین رضوی مرحوم جن کے مکان کا نام احمد نزل ہی ٹھہریں گے۔  
ان کی اس وجہ انتخاب نے دل کی عجیب کیفیت کر دی۔

ہمارے شہر کھنڈ کے دو مخیر رئیسوں حاجی محمد اصفیٰ خاں مرحوم اور خان بہادر حاجی سید احمد حسین رضوی مرحوم نے ذرا دیر کے قیام کے لئے مدینہ شریف میں مسجد نبوی کے، دیو دعالی شان عمارتیں خرید کر وقف کر دی ہیں

اصطفیٰ منزل بالکل ہی سامنے ہے اور احمد منزل کا ایک حصہ سامنے ہے اور ایک نگلی کے اندر۔

احمد منزل کا پورا ایک کمرہ بہاء الدین صاحب نے ہم لوگوں کو دے دیا۔ جس میں بجلی پنکھا سب کچھ تھا۔ اور ایک بڑا قالین پورے کمرے میں پکھا ہوا تھا۔ ہم لوگوں کا سامان کمرے میں پہنچنے بھی نہیں پایا تھا کہ بہاء الدین صاحب ناشتہ بلکہ کھانا لے کر آگئے۔ منہدم تھوڑا کھانا کھایا۔

ہمارے خاندان کے ایک بزرگ مولانا محمد حیدر عبدالقدیر یہاں ۱۵-۱۶ سال سے مع اہل و عیال ہجرت کر کے چلے آئے ہیں، کھانے کے بعد ہم ان سے ملے چلے۔ ان کے ایک رومے کی دوکان اصطفیٰ منزل ہی میں ہے۔ دوسرے کی دوکان ذرا بڑھ کر رباط بھوپال سے متصل ہے۔ اس کی دوکان پر نام کا سامن بورڈ بھی لگا ہوا تھا۔ علی محمد الایوبی یہ بچے فرنگی محل میں پیدا ہوئے اور پہلے بڑھے تھے۔ وضع قطع بدل گئی ہے۔ بہر حال علی محمد سکہ کو پہچان لیا اس کو بتایا کہ ہم کون ہیں علی محمد نے خالص عربی، لہجہ میں کہا: اچھا رضا صاحب ہیں بلکہ رضابھائی ہیں اس کی رہنمائی میں حیدر بھائی کے گھر گئے جو بالکل قریب تھا۔ وہاں ان کی بیوی اور بہن سے ملاقات کی۔ ان بیویوں کو امی احمد بھوپو جان دینرہ کی آمد کی اطلاع تھی۔ پوچھا وہ کہاں ہیں ہم نے احمد منزل کا پتہ دیتے ہوئے پوچھا حیدر بھائی کہاں ہیں:

ایک رومے کے ساتھ حیدر بھائی کی دوکان، رگے جو مسجد نبوی کے باب السلام سے آگے بڑھ کر ایک گلی میں تھی حیدر بھائی کو صاف پہچان دیا وہ ہیں پہچان سکے۔

جب پہچانا تو انھوں نے بھی اسی اور بھوپھی جان کو دریافت کیا یہ سن کر کہ احمد  
منزل میں ہیں انھوں نے ایک ڈانٹ پلائی، ہم نے کہا، آپ کا گھر اس وقت  
تک معلوم نہ تھا اس لیے سامان وہاں رکھ دیا ہے اور ان کو بٹھا دیا ہے، وہ  
اسی وقت اسے احمد مندر منزل پہنچ کر صاف صاف کہا، آپ لوگ  
کہیں اور نہیں ٹھہر سکتیں، سامان ہانڈھو، سامان ہانڈھا اور حیدر بھائی کے  
رکان سے ملے ہوئے حیدر بھائی کے تعمیر کردہ دذلیٹوں میں سے ایک فلیٹ  
میں ہلا قیام ہو گیا۔

---

## حضورِ خواجہ دُعا عالمؒ

حیدر بھائی کے بہان ہو کر بالکل اپنے گھر کے ماحول میں پہنچ گئے، فرنگی محل میں ان کا گھر ہمارے گھر سے ملتا ہوا تھا اور ہر دم آنا جانا رہتا تھا۔ ان کے گھر کی خواتین یہاں بھی اس لباس میں رہتی ہیں جو لکھنؤ میں ان کا تھا اور وہی زبان بولتی ہیں۔ عورتیں بھی اور بچے بھی جو لکھنؤ میں ان کی تھی ۱۵-۱۶ سال کے قیام مدینہ منورہ کی بدولت بول چال کی عمل زبان ان سب کو آگئی ہے اور ضرورت پڑنے پر بڑی روانی سے سب عربی بولتے ہیں۔ مگر گھر میں سب اردی زبان ہی بولتے ہیں۔ حیدر بھائی کے نلیٹ میں سامان وغیرہ منتقل کر کے اور جلدی جلدی لکھنؤ میں رہنے والے عزیزوں رشتہ داروں کی خیر خیریت وغیرہ بنا کر مسجد نبوی میں حاضری کی تیاری میں لگ گئے۔

مدینہ شریف میں اپنی گھر کی حساب سے کوئی گیارہ بجے دن کو پہنچے تھے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں ٹھہرنے کے مراحل طے کر کے وہ اس حساب سے کپڑے وغیرہ بدلتے ہیں لگ گئے کہ ٹھہر کر نماز جو مدینہ منورہ میں پہلی پہلی نماز تھی مسجد نبوی میں

ودا کر س۔ اگرچہ اس سے زیادہ اہتمام سے یہاں حاضری دینے کا بھی چاہ رہا تھا جو اہتمام محمدیم کعبہ میں حاضری کئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یعنی حجامت پورا کرنا غسل کرنا احرام باندھنا اور حاضری کی نیت کا اعلان زبان سے کرتے ہوئے حاضر ہونا لیکن جس دربار میں اب حاضری ہونے والی تھی وہاں ظاہری لباس کی یکسانی کی اہمیت نہیں۔ اس لئے احرام کی کوئی قیدیاں نہیں۔ تاہم آداب زیارت و روضہ اطہر علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام) یہی ہے کہ غسل کر کے نئے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر حاضری دی جائے اور حاضری دینے والوں میں نیت کی یکسانی ہو یعنی یہ سب احساس سب کو ہو کہ اپنی جانوں پر ظلم کر کے بخشش اور درگزر کے پروانے لینے رحمۃ للعالمین اور خفیج المذنبین کے دربار میں آئے ہیں۔

بجائے اگر حجامت اور غسل کی فکر کرتے تو ظہر کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں حاضر نہ ہو پاتے۔ وضو کیا کپڑے بدلے اور بغیر کسی رہنما کو ساتھ لیے صرف شوق کی پہنائی میں بغیر یہ خیال کے کہ کس دروازے سے پہلے پہل مسجد نبوی میں حاضری دینے کا معمول علمائے امت کا رہا ہے جو دروازہ سامنے نظر آیا یعنی باب جمیدی اسی سے ہم اور مین میاں مسجد کے اندر داخل ہو گئے۔

ہماری قیام گاہ سے مسجد نبوی کا فاصلہ بس تین چار منٹ کا تھا۔ اتنا فاصلہ تھا کہ اگر اذان شروع ہوتے ہی گھر سے چل پڑیں تو اذان کے آخری کلمات باب مسجد پر نہیں اور دعائے اذان (اللہم ربہ خذنا من الدعوات الخیر و الصلوۃ الخیر) سے محدث الفضیلۃ (۱) مسجد کے اندر نہ آئیں۔ یہ فاصلہ اس سے بھی کم تھا جو کہ میں ہماری قیام گاہ پر رہ رہا سے حرم محترم تک تھا۔

مسجد نبوی میں ہم پہنچ تو گئے۔ لیکن جہاں تک رسائی کی تمنا ہے کہ پہلے تھے  
 روضہ اطہر تک ادھر نگاہ تک اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی نہ  
 کاؤت، ہر چکا تھا نازیوں سے مسجد شریف بھر ہو رہی تھی ہم باب مجیدی سے داخل  
 ہوئے تو نو تعمیر حصہ مسجد میں ہیں جگہ نظر آئی، وہیں ہم دروں نے سنتی ہوئی  
 اتنے میں جماعت کھڑی ہو گئی۔ ہم جماعت میں اس جگہ تھے جہاں سے نظر اٹھا کر  
 گنبد خضرا کی زیارت کر سکتے تھے لیکن اس حجرہ پاک کو نہیں دیکھ سکتے تھے جہاں  
 ہم آنے والوں کے طہا، دینی آرام فراہم ہیں بلکہ اس صحت دیکھنے کی ہمت نہیں کر  
 پا رہے تھے جو نازیوں کی صفوں کی وجہ سے ہماری نگاہوں سے اوچل بھی تھی  
 آداب زیارت میں لکھا ہے کہ دینہ شریف میں حاضری ہو تو سب سے پہلے  
 روضہ اطہر پر حاضری دی جائے، یہ جانتے ہوئے بھی ہمارا دل بے عا با حاضری کے  
 تصور سے دھڑکنے لگتا تھا۔ اگر آستانے کی چوکھٹ پر رک کر اچھلنے والے دل کو  
 تھوڑا سمجھا، سمجھا کر اندر نہ گئے، پھر آستانے کے اندر ایک ایک قدم خشوع و خضوع  
 کے ساتھ نہ رکھا اور دوری کو تدریج قرب سے نہ بدلا تو نہیں کہہ سکتے کہ اپنا  
 حال کیا ہو گا۔

بے شک ان کا معاملہ دوسرا ہے جو کہیں بھی ہوں، شب و روز حضور قلب  
 سے یہاں حاضر رہا کرتے ہیں، اگر وہ یہاں پہنچتے ہی روضہ مبارک پر حاضری میں  
 تو وہ سہارے جائیں گے اس مسرت کو یا اس رعب کو جو طہا لے متفاد نہ ہو  
 حسب حال طاری ہو سکتا ہے، ہم ایسے اگر گھنٹوں کیا دنوں اپنے دلی حالات کا  
 جائزہ لیتے رہیں تو حق بہ جانب ہوں گے۔



نماز پڑھ چکے۔ نیتیں بلکہ نفلیں بھی پڑھ لیں۔ اگرچہ نفلوں کی کوئی خاص عادت نہیں رہی ہے۔ لیکن مسجد نبوی میں یا حرم شریف میں نفلوں کا ثواب بھی بڑا دین فرضوں کے برابر ملتا ہے۔ اور ثواب کی جمع جگہ اپنے پاس رکھا؟ یہاں بے حساب ثواب مل رہا تھا تو اپنی پونجی پڑھانے کی فکر کیوں نہ کرتے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ نفلیں بھی اس خیال سے اور پڑھنے لگے تھے کہ کچھ اور وقت دھرو گئے، دل کو قرار پکڑنے کا مل جائے۔ اب اس نماز کو آپ جو بھی کہیں، چھپانے سے فائدہ کیا؟ پوری نمازیں ہمارا دھیان ان ہی کی طرف رہا جن کے سامنے تھوڑی دیر بعد ہم کھڑے ہوئے والے تھے۔

مانتے ہیں اور سچے دل سے مانتے ہیں کہ ان کے سامنے کھڑے ہونے والے تھے جن کی رحمت و شفقت، معافی و درگزر، اتنا عام ہے کہ خون کے پیاسوں تک کو ان پر پوری طرح قابو حاصل ہو جانے کے بعد بھی، دل سے معاف کر دیا۔ معاف کرنا بڑا ایک طرف شکوہ و شکایت کا نارا اٹھکی اور خفگی کا ہنر و تیش کا ایک حرف بھی اس دم زبان مبارک سے نہیں نکلا فرمایا تو بس اتنا فرمایا لا تذهب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء جان کے دشمنوں سے خون کے پیاسوں سے عورت و آبرو کے ورپے رہنے والوں سے بی بیوں اور بیٹیوں کی ہنگ کرنے والوں سے فرمایا جا رہا ہے۔ آج اور آج کے بعد بھی تم سے کسی بھی تمہاری حرکت کی باز پرس نہیں کی جائے گی جاؤ تم سب کے سب بری ہو آؤ آؤ ہو۔

یہ بھی اذعان دیتے ہیں کہ ساتھ جانتے ہیں کہ سامان کا ہونے والا ہے جنہوں نے اچھوں کے لئے نہیں بلکہ بدوں کے لئے، ان کے لئے جنہوں نے طغیانی

اور سرکش میں وہ مات بسر کیے ہیں اعلان عام فرمایا ہو کہ یہ بڑے میرے ہیں:

سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں

سلام اس پر یوں کو جس نے فرمایا یہ میرے ہیں

لیکن ایک برے کو بھی تو آخ سوچنے کی ضرورت ہے! والدین کتنے ہی شفیق ہوں کتنی ہی ناز و داریاں کرتے رہتے ہوں غلطی اور شرارت کی پر وہ پوشی کرنا ان کا مستقل معمول ہو گیا ہو تو کیا ان سہوتوں اور ان نوازشوں کا مطلب غلطی اور شرارت کی کھلی چھوٹ سمجھا جائے گا؟

مالک کتنا ہی نرم دل اور چشم پوش ہو، لاکھوں بار تجر بہ ہو چکا ہو کہ مدد کر دے زیادہ کوئی اور چیز اسے محبوب نہیں ہے بڑی بڑی مدد دل کھلی کو بھی سکون بخشنے والی سکراہٹ کے ساتھ نظر انداز کرتا رہتا ہے تو کیا ان باتوں سے غلام کو حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ مدد دل کھلی ہی کرتا رہے اور جب مالک کے سامنے آئے تو اس بے حیائی کے ساتھ آئے کہ اس کے دل میں ندامت اور خجالت کا شائبہ تک نہ پایا جاتا ہو؟

برعکس اس کے اس کو تو ارد و خسر مندہ اور خجل ہونا لازم ہے کہ نافرمانی اور مدد دل کھلی کر رہا ہے ایسے مالک کی جو کبھی سزا نہیں دیتا جتنی بڑی غلطی کر کے گزردہ بس دلا سا ہی دے گا۔ ایسے مالک کے لئے تو دل یہ چاہے گا کہ ہماری کسی لغزش اور غلطی کا پتہ بھی اسے نہ چلے پاداش کے ڈر سے نہیں۔ پاداش ملے بھی تو اس کی نگاہوں سے بچ کر رہے

کن رسوا خضد خراجہ مارا حساب من ز چشم ادنہاں گیر

لو اپنا زی مسجد سے رخصت بھی ہونے لگے۔ یہ وہی ہوں گے جو بہت پہلے میاں آئے ہیں یا نہیں کے رہنے والے ہیں۔ ہماری نماز بھی ختم ہو چکی تھی لیکن اپنی جگہ سے اٹھنے کا حوصلہ نہیں ہوا تھا۔ چشم زدن کے لئے خیال آیا کہ ہیں بھی مسجد سے رخصت ہو جانا چاہیے پھر خواجہ ہرود گسرا کے حضور میں دستور کے موافق اپنے مزدور کے ساتھ جانا چاہیے۔ دو بٹے کو تنکے کا سہارا پیسے مل جائے!

مزدور صاحب رہنمائی کرتے ہوں گے تو آداب حاضری کی ذمہ داریاں اہمیر عالمہ ہوں گی، یہیں بس ان کی پیروی کرنا ہوگی۔ اور وہ سب کچھ وہ پڑھائیں گے بھی جن کے پڑھنے کا معمول صدیوں سے چلا آ رہا ہے کیسے کیسے صحائے وقت کیسے کیسے اولیاء، اتقیا کیسے کیسے عمدتیں و فقہان دعاؤں کو حاضری کے وقت پڑھ چکے ہیں۔ ان کی مبارک زبانوں سے ادا ہونے والی دعاؤں میں برکت اور بڑھتی ہی ہوگی اور اس برکت کا کچھ نہ کچھ حصہ ہمارے ایسوں کی قسمت میں بھی آئے گا جس وقت انھیں دعاؤں کو دھرا دیں گے۔

ہم اپنی جگہ سوچ رہے تھے مین میاں بھی چپ تھے وہ بھی کچھ سوچ رہی رہے ہوں گے۔ اس وقت ہم دونوں ایک دوسرے کی موجودگی کو بھی جیسے نظر انداز کر رہے تھے۔ مہانگوں نے کچھ ہم سے کہا نہ ان سے ہم کچھ بولے

بیٹھے ہیں بزمِ دوست میں گمشدگانِ حسن و دست

عشقتا ہے اور طلب نہیں نفرت ہے اور خدا نہیں

جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے اس متبرک ترین مقام تک جو ہمارے سفر کا

مقصود ہماری منزل مقصود ہے۔ بس دو والان کا فاصلہ تھا جو اگرچہ خوب وسیع و عریض تھے پھر بھی چار پانچ منٹ میں طے کئے جاسکتے تھے۔ اور یہی چند قدم ایسے تھے جو جوئے شیر لانے کے برابر کا مشکل بن گئے تھے۔

مزدور صاحب کی رہنمائی میں حاضری دینے کا خیال جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا گیا۔ اچانک ہم نے تین میاں سے کہا: چلو! اب حاضری دیں، ایسا محسوس ہوا کہ وہ بھی اپنے دل میں یہی فیصلہ کر چکے تھے اور جیسے اسی گھڑی فیصلہ انہوں نے کیا تھا۔

اٹھ کھڑے ہوئے آگے بڑھنے کے لئے اور کافی ہمت کے ساتھ اٹھے  
ہائیں! یہ کیا؟ قدم لرزھرا کیوں رہے ہیں؟ دل اتنی زور زور سے دھڑک  
کیوں رہا ہے؟ اتنی دیر میں تو سب نیشب و فرزا بھی طرح سوچ سمجھ لئے  
تھے کیا نئی بات ایسی پیش آگئی کہ آواز گھٹی جا رہی ہے، زبان خشک  
جا رہی ہے جیسے کازنگ بھی اڑا جا رہا ہوگا۔ نئی بات کیوں نہیں ہوئی! اب  
تک جو کچھ تھا وہ سب خیالات اور تصورات کی دنیا میں تھا۔ اب عمل کا مرحلہ  
آ رہا ہے نظریاتی اور تصوراتی دنیا کے بڑے سے بڑے شہسوار بھی جب عمل  
کے میدان میں قدم رکھتے ہیں تو بچوں کی طرح انگلی پکڑنے والوں کا سہارا چاہتے  
ہیں۔ عمل کی دنیا میں قدم رکھنے کی سبب ہی دوسری ہوتی ہے پھر قدم اٹھ رہے  
ہیں کس کی طرف؟ اس کی طرف سے

جس کے قدم پہ جبہ ساردم و عجم کی تختیاں  
جس کے حضور سجدہ ریز چین اور بک کی خود مری

خیر! جو کچھ بھی ہوا ہم کسی اور کا سہاڑے بغیر ہی دنیا و آخرت میں اپنے  
آخری سہارے کے پاس جائیں گے، دل پر کچھ بھی بیٹ کیوں نہ جائے ہم خود  
اپنا نامہ سیاہ اپنے ہاتھوں میں لے آؤں گے کہ وہاں میں حاضری دیں گے  
یا رسول اللہ! اور یہ کہتے ہوئے حاضر ہوں گے۔

تالم از کسے می تالم از خویش

کہ ما شاید نشان تو نہ بودیم

ہم خود اردوں کو کوئی یہ بھی بتانے والا اس وقت نہ تھا کہ کس سمت  
سے حاضری دینے جائیں۔ سوا جہ شریف میں کس مقام پر کھڑے ہو کر صلوة  
وسلام عرض کریں اور کس جگہ نگاہوں کو مرکوز کر کے انبی اہمیت کے فیصلے کا اظہار  
کر کیا اس سلسلے میں کسی رہنما کی بھی حاجت تھی؟ بھانگا ہوا غلام جانتا ہے  
اور خوب جانتا ہے کہ دل میں اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی نگاہیں  
پینچی کئے ہوئے۔ دست بستہ اس ٹک کے حضور حاضر ہونا چاہیے جس نے ہر  
بھلے کے لئے ایک ہی انداز رکھا ہے یعنی بخشش و درگزر و مغفرت و مہربانی کا۔

وہ نون والان کو اس طرح طے کرتے ہوئے جیسے یہی ہونے کا فیصلہ سننے  
نہیں بلکہ بھانسی کی سزا کے لئے کوئی مجرم جائے ہم اس مقام پر پہنچ گئے جہاں پہنچ  
جانے کے بعد جنت میں پہنچنے کا خیال بھی دل میں لانا گستاخی نظر آتا ہے ہائیں!  
دل کی دنیا ہی بدلی نظر آنے لگی! ارے! وہ ہر اس! وہ اندیشہ! وہ ڈر وہ خوف  
یہ سب کہاں چلے گئے! اچھا! تو دل کو اتارنے کی سوچنے لگی ہے؟

تصور عرض پر جو وقت بچا جو جس میری مرا اب پوچھنا کیا؟ آسمان میرا زمین میری!

تو یہ دم غم ہو گئے ہیں اس دل کے جو چند منٹ پہلے بیٹھا جادو تھا اصرار و  
دالان کو طے کرنے کرتے یہ انقلابِ مہمیت !

اور ہونا بھی یہی تھا ! مجرم اور گنہگار تو تھا ہی یہاں پہنچ کر بھی خوش نہ ہوتا  
تو بد بخت آدمی نصیب بھی کھلتا تھا۔ بارش کی کائنات میں جانا کوئی معمولی بات تھی ؟  
استقامتِ الہی و جسمانی کے چکر میں رہے مدعی عقل و خرد ! ہزاروں لاکھوں مستطیع  
و متمول صحت مند اور ہٹے کئے ہیں جاگ رہے ہیں تو سینکڑوں پھیرے یہاں کے کر سکتے  
ہیں گرد یکھ لیا تو نے کہ وہ یہاں نظر نہیں آ رہے ہیں اور تو ادا تیرے ایسے  
بہت سے اور گرد یہاں ہیں جو خواب میں بھی یہاں پہنچ پالنے کا خیال نہیں  
کر سکتے تھے۔ ان ہی کا کرم نہیں تو ادا کیا ہے جو اپنی تمام کوتاہیوں اور غایوں  
بے مائیگیوں اور بے استقامتیوں کے ساتھ یہاں بلا لیا گیا۔

یہ آنسو بہانے کا کون سا موقع تھا ؟ اچھا ! غمِ مسرت سے آنسو نکل آئے ہوں  
گئے یہ تو ٹھیک ہے یا افراطِ انفعال سے آنسو بھنے گئے ہوں تو ان آنسوؤں کا کیا  
کھنا لیکن کیسے اپنی خوش انجامی کے بارے میں ادنیٰ سا شک میں آیا یا زرا سا بھی  
یہ تردد لاحق ہوا کہ دیکھئے ہمارا سلام قبول بھی ہو تو بس تو سمجھ لیتا چاہیے کہ یہ  
قرآن کی سرسچی نصن کا انکار کرنا ہوا یہ گناہ نہیں کفر ہوا۔

دو عالم بکا کل گرفتار و لاری      ہر مہزاراں سید کا لاری  
نہر تاج پادشہ جہتی یا محمد      نظر جانب ہر گنہگار و لاری

## آداب بار یا بی

(ادب کا تقاضا تھا کہ یا اُس مبارک سے حاضر ہو کر سوا جہ شریف (در بردی) میں بار یا بی حاصل کی جائے لیکن جسے خود اپنے سر و پا کا ہوش نہ رہا ہو اس سے کسی قسم کا تقاضا کرنا تقاضائے ہوش مندی کے خلاف ہوگا۔

آسان بات یہ تھی کہ جس سمت سے لوگوں کو دربار میں حاضر ہونے کے لئے جاتے دیکھتے اسی سمت چل پڑتے مگر ہم (اس) وقت جانے کے لئے اٹھتے تھے جب مسجد نبوی سے لوگ رخصت ہو رہے تھے رخصت ہونے والوں کا ساتھ دیتے تو جس طرح دروازے سے داخل ہوئے تھے اسی طرح باہر نکل جاتے تھے

میں کب چوکا؟ کہ اُس محفل میں جب رخصت کلاساں تھا؟

یہ لب پر تھا کہ کیا میں بھی شریک بزم جاناں تھا؟

مسجد نبوی میں داخل ہونے کے کئی دروازے ہیں قدیم بھی (اور جدید بھی)

باب السلام، باب الرحمة، باب جبرئیل، باب مجیدی، باب الف، وغیرہ

باب جبرئیل سے داخل ہونے والا پائیس شریف سے حاضری دینے والا ہوگا

باب السلام اور باب الرحۃ سے داخل ہونے والا سر ہانے سے حاضر ہونے والا ہو گا۔ دوسرے ابواب سے اگر کوئی حاضر ہو تو گویا پشت مبارک سے وہ رد بردہ کی کاشٹ حاصل کرنے جا رہا ہے۔

ہم لوگ مسجد نبوی میں باب مجیدی سے جو سابق خلیفۃ المسلمین سلطان عبد المجید کے نام سے منسوب ہے، محفلت میں حاضر ہوئے تھے اور بعد نماز پشت مبارک کی سمت سے بڑھتے چمکے مواجہ شریف میں پہنچ گئے۔ اگر پہلے سے جانتے ہوتے تو پشت مبارک سے پائیں مبارک تک جاسکتے تھے اور انتہی کے معمول کے مطابق پائیں مبارک سے مواجہ شریف تک رسائی حاصل کر سکتے

نہے نصیب! مواجہ شریف میں ہم نے اپنے کو حاضر پایا۔ رد و شریف پڑھتے۔ اس لئے کہ اس وقت کوئی اور چیز یاد نہیں رہی تھی۔ آگے بڑھے اور رد بردہ جوتے ہی زبان سے بے ساختہ السلاح علیک یا رسول اللہ کے الفاظ نکلے پھر بے اختیار رد و شریف پڑھنے کی بلند آواز نکلنے لگی۔ اگرچہ صلوٰۃ و سلام پیش کرنے والوں کی بلند آوازوں کے مقابلے میں ہماری آواز کو بلند کہنا ممکن نہیں پھر بھی رفع صوت کی غلطی کے ہم اپنے کو ترکیب یاد ہو تھے دار الحجۃ — مدینہ منورہ — کے محدث اعظام حضرت امام مالک کے پاس میں روایت ہے کہ شروع شروع وہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر دس حدیث دیتے تھے بعد میں انہوں نے مسجد میں دس دینا بند کر دیا۔ لوگوں کے استغفار پر امام مالک نے جواب دیا کہ طلباء کی تعداد زیادہ ہو جانے کی وجہ سے قدرے بلند آواز سے دس دینا ناگزیر ہو گیا تھا اور مسجد نبوی میں جہاں سرکار دو عالم آرام فرما ہیں



آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے اس لئے میں نے مسجد میں درس دینا تو تن کر دیا ہو  
ایک ذمہ خلفائے عباسیہ کا دوسرا خلیفہ منصور مدینہ المنورہ حاضر ہوا اور امام  
مالک سے مسجد نبوی میں کسی مسئلے پر بحث کرنے لگا خلیفہ وقت تھا سب اس کے  
مطیع اور ماتحت تھے ماتحتوں اور اطاعت گزاروں کے لئے آداب ہو کہتے ہیں  
مطاع اور مطلق العنان کے لئے کوئی ادب نہیں ہوتا، وہ بیچارہ اپنی عادت  
سے مجبور و زور سے گفتگو کرنے لگا، امام مالک نے تنبیہ کی "ایمر المؤمنین! اس  
مسجد میں اپنی آواز تیز نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہاں کا ادب بتا دیا ہو  
کہ اپنی آوازیں یہاں تیز نہ کرو۔"

یہ اشارہ قرآن شریف کی اس ہدایت کی طرف ہے کہ لئے ایمان والو! اپنی  
آوازیں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اونچا اور تیز نہ کرو۔  
خلیفہ کو خیال آسکتا تھا کہ قرآن نے جو حکم دیا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
کی حیات طیبہ میں حاضرین محفل مبارک کے لئے ہے جب اس نوعیت کی محفل  
نہیں تو اس محفل سے متعلق جو حکم ہے وہ بھی منطبق نہیں ہوگا۔

امام صاحب نے غائبانہ کے ذہن کو پڑھ لیا یا پھر عام لوگوں کی اطلاع  
کے لئے اس شرعی کلیہ کی بھی وضاحت کر دی کہ واثق حرمتہ صلی اللہ علیہ  
وسلمہ میتا لحوتہ حیا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں  
آپ کا احترام و اکرام لازم تھا بالکل اسی طرح حیات ظاہری کے بعد بھی آپ  
کی توقیر و تعظیم کو ملحوظ رکھنا لازم (اور ضروری ہے)  
وقت کا یہ جلیل القدر اور مطلق الغات فرمان روا، امام مالک (ارشاد

سن کر سزگوں ہو گیا !

تو جو حکم صحابہ کرام کو، جو آپ کی محفل پاک میں حاضری کی فضیلت سے مشرف تھے آداب محفل کے سلسلہ میں قرآن نے دیا ہے وہی حکم ان لوگوں کے لئے بھی ہو جو روضہ اطہر و حاضری دیں۔ یعنی چمچ کر بولنے یا آواز بلند کرنے کی بجائے ادبی تذکرہ ایسا نہ ہو کہ اس بے ادبی پر تھادی تمام نیکیاں رائیگاں ہو جائیں اور تم کو پتہ بھی نہ چلے (اے تحبط اعما لک و اختلہ لا تشعروا)

امس کہ اس صاف اور صریح حکم اور اس واضح اور غیر مبہم شرعی حکم کے باوجود مسجد نبوی ہی میں ٹھیک روضہ اطہر کے سامنے اور خاص ہوا جہ شریف میں جس میں بیٹ پچیس پچیس آدمیوں کی ایک نہیں کئی کئی ٹولیاں ایک ساتھ بلند آواز سے صلوٰۃ سلام پیش کرتی نظر آتی ہیں اور جہاں نہ اسی آواز بلند کرنا نیکیوں کو رائیگاں کر دینا ہے وہاں سیکڑوں آوازیں ٹکر کر چمچ پکار کا وہ منظر پیش کرتی رہتی ہیں کہ اگر صاحب روضہ اطہر کی شفاعت و سفارش کا یقین نہ ہوتا تو کسی کے بھی خاتمہ بخیر ہونے کی طرف سے اطمینان نہیں ہو سکتا۔

منا دی فرد میری داور محشر نے یہ کہہ کر

کر میں کیا ! شافع محشر نے اس میں لکھ دیا کچھ بڑا

حضرت نور علی احمد علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ من جاور فی ذلک الوقت تنو

الازیامتی کان حقا علی ان اکون له شفیعاً یوح الہیامۃ (جو شخص میری

نہایت کو صرف میری زیارت کی نیت سے آیا قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنا

میری ذمہ داری ہے)

اس ارشاد نبوی کے بعد قبر شریف کی زیارت کرنے والے کے انجام بخیر ہونے میں شبہ کرنا بھی من جملہ معصیت ہے۔

مواجهہ شریف میں شور و نس کا ہونا اب ایسا معمول بن گیا ہے کہ اس پر کسی طرح کی غلط بھی لوگ محسوس کرنے سے محروم ہو گئے ہیں۔ پھر ایک عبوری بھی ہو۔ زائرین حاضر ہوتے ہیں۔ مزدورین کے نائیدے ان کو مواجهہ شریف تک لے جاتے ہیں اور اس طریقے سے عولی میں صلوٰۃ و سلام پڑھاتے ہیں جو طریقہ صلیوں سے معمول بنا ہو ہے مزدور کا آدمی ایک جملہ کہتا ہے اس کے ساتھ کے تمام زائرین اس جملے کو دھراتے ہیں نذر زور سے نہ دھرائیں تو پڑھانے والے کو کیسے معلوم ہو کہ اس کا کہا ہوا جملہ سبب کی نیاؤں سے ادا ہو چکا اب آگے کا جملہ کہے۔

مزدورین پیکر دلوں اور ایک ایک کے پاس زائرین ہزاروں ان سب کے نائیدے اپنے اپنے زائرین کو لے کر ایک وقت میں جب صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کی تلقین کرتے ہیں تو کس حد تک شور کی کیفیت پیدا ہوگی اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جن کی دعا دعائیں یہی ہو کہ حشر میں سرکارِ دو عالم کی خفاعت نصیب ہو جائے وہ مدینہ شریف کی حاضری میں صرف زیارتِ روضہ اطہر کی نیت نہ رکھیں تو اُد کیا نیت رکھیں گے؟

گھر چہ درنہر دوس نعمتہا بے ست

وصل او، از ہر چہ دانی، خوشترست

بیاں پہنچ کر سو سال پرانی ایک بحث کی یاد آگئی موضوع بحث تھا کہ

مدینہ منورہ کی حاضری دینے والوں کے سفر کا مقصد اصل کیا ہوتا چاہیے منجوری

میں حاضری اور ضمنی روضہ اطہر کی زیارت یا اصلاً روضہ اطہر پر حاضری۔  
 سہ ماہی کے ایک عالم حج کوئے اور مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے بغیر  
 واپس آئے جب اس کا شمار ہوا تو ان پر طعنہ زنی ہوئے لگی کہ دیکھو یہ روضہ اطہر  
 پر حاضر ہوئے بغیر چلے آئے حالانکہ علماء زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب  
 واجب قرار دیتے ہیں مولانا صاحب نے ہر طرف سے جو یہ لعن طعن سنئے تو ایک  
 رسالہ لکھ کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ زیارت روضہ اطہر کوئی ضروری امر نہیں ہے۔  
 زیادہ سے زیادہ فعل جائز ہے۔ اس رسالے کا نام "القول المحکم فی زیارۃ قبر  
 العجیب الاکرم" تھا۔ مولانا کے دلائل کا جواب مولانا عبدالحی فرنگی علی کے  
 ایک شاگرد محمد عبدالحجاز نے ایک رسالے کے ذریعہ دیا جس کا نام تھا "الکلام  
 المبرم فی نقض القول المحکم"

کچھ عرصے کے بعد مولانا سہ ماہی صاحب نے الکلام المبرم کا جواب القول  
 المنصور فی زیارۃ میدان القبور نامی ایک رسالے کے ذریعے دیا جس میں بحث  
 بھی چھیڑی کہ ثواب کی نیت سے صرف تین جگہوں مسجد الحرام، مکہ، بیت المقدس  
 اور مسجد نبوی کا سفر کرنا جائز ہے۔ یعنی روضہ اطہر کی نیت سے مدینہ شریف  
 کا سفر کرنا کوئی شرعی فعل نہیں ہے۔ دراصل یہ نقطہ نظر علامہ ابن تیمیہ نے  
 پہلے ہی ردائے ثغور میں مدعی ہجری میں پیش کیا تھا جس پر اس وقت بھی بڑا  
 ہنگامہ ہوا تھا۔ بہر حال مولانا عبدالحی فرنگی علی کے ایک دوسرے شاگرد محمد  
 عبدالعزیز کی طرف سے مولانا سہ ماہی کے دوسرے رسالے کا جواب الکلام  
 المبرم فی رد القول المنصور کے نام سے دیا گیا۔ یہ بحث و مباحثہ کتاب کے

دھائی سو مطبوعہ صفحات سے زیادہ پھیل گیا تھا۔ مولانا سہرا می نے اپنی اہلیت میں تیسرا سالہ تمام الحجۃ علی من اوجب الزیارة مثل الحجۃ (اس شخص پر انعامِ حجت جس نے زیارتِ قبرِ نبویؐ کو غسلِ حج کے واجب و فرض قرار دیا ہے) کے نام سے تحریر کیا۔ اس رسالہ کا لقب رکھا گیا۔ المذہب الماثور فی زیارة سید القبرؐ یہ کافی ضخیم تھا اور اس میں بہت سی ضمنی بحثیں علم و فن کی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اب خود مولانا عبدالحیٰ فرنگی علی نے مولانا سہرا می کے تیسرے رسالے کے جواب میں ایک ضخیم رسالہ (مسعی الشکور فی ذوالمذہب الماثور طبق بہ واضح الحجۃ فی ابطال اتمام الحجۃ تحریر کیا۔ یہ رسالہ چار سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ ساری بحث اردو میں وہی اور خوب رہی۔

جس وقت ہماری حاضری مسجدِ نبویؐ ہوئی اس وقت بھی اور جس وقت مواجہ شریف کی طرف ہمارے قدم اٹھ رہے تھے اس وقت بھی ہماری نیت بالکل صاف تھی۔ نیت نہیں بلکہ عرض بلکہ خود غرضی ہماری بالکل آشکار تھی۔۔۔ جو ہم اے سیاہ کے مرکب کو غصہ بندہ نواز کا ساؤن درکار تھا اور اسی مایہ کی تمنایں کرے کو سٹے کرتا ہوا یہاں آ کھڑا تھا۔

سیدی انت جیبی و طبیب قلبی

پیش تو آمدہ قدسی ہے درماں طلبی

مواجہ شریف کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوں تو قبلہ کی طرف بیٹھ ہو جاتی ہوں اپنی نجات کی دعا مانگتا ہے تو آخر کس رخ نہ کر کے دعا مانگنے والا دعا مانگے؟  
طیفہٴ انفسو رنے یہی الجھن محسوس کر کے امامِ مالک سے پوچھا تھا۔

یا ایا بعد اللہ مستقبل القبلۃ وادعواہ مستقبل رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اے امام مالک! (جن کی کینٹ ابو عبد اللہ تھی) قبلہ کی طرف رخ کر دوں پھر دعا  
مانگوں یا حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رخ کر دوں؛ محدثین کے سرتاج  
امام مالک کو اس سوال پر حیرت ہو گئی اور یہی حیرت کے عالم میں انھوں نے خلیفہ  
سے پوچھا: آخر حضور انور کی طرف سے منہ پھیر کر دعا مانگنے کا خیال کیسے آگیا؟ حالانکہ  
حضور انور ہی قیام قیامت تک ترے ہی نہیں تیرے (اور ہم سب کے) باپ آدم علیہ  
السلام کے بھی وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔

اس کے بعد امام صاحب نے اسے حکم دیا: قبلہ کی طرف نہیں بلکہ مواجہ تشریف  
کی طرف رخ کرو اور ان کے وسیلے سے دعا مانگو تب اللہ تعالیٰ تیری دعا قبول کرے گا۔  
علامہ بیکنی نے لکھا ہے کہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ جب قبر شریف پر حاضری ہو تو  
روضہ اطہر کی طرف رخ اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے تقریباً چار گز پیچھے کھسک کر مواجہ  
شریف میں کھڑا ہو اور صلوٰۃ و سلام عرض کرے پھر ذرا کھسک کر حضرت ابو بکر صدیق  
اور پھر کھسک کر حضرت عمر فاروق سلام پیش کرے پھر اپنی جگہ آجائے یعنی مواجہ تشریف  
میں جہاں پہلے کھڑا ہوا تھا آکر کھڑا ہو اور جو چاہے دعائیں مانگے۔

مواجہ تشریف سے چار گز دور کھڑا ہونا ادب ہے اور یہ بڑی بے ادبی ہے کہ  
روضہ اطہر کی جالیوں والی دیوار کو چھونے کے لئے قریب پہنچ جالے یا انھیں چھوئے  
ہاں! پاس ادب! اے شرف اندوز زیارت!

ہٹ کر در اقدس سے ذرا چند قدم اور!!

یہی بہت ہے کہ یا اس آلودگی اور کثافت و اقدس کے مدبر و کھڑے ہونے کی سعادت نصیب میں آجائے۔ اس کے بعد اگر کوئی جہارت کوٹ (دوبانجی آلودگیوں اور کثافتوں سمیت مبارک جالیوں سے نصل ہو جائے یا انھیں مس کرنے کی کوشش کرے تو بڑی جرأت اور بڑی ہمت کی بات ہے۔

نبت خود بگت کر دم دیں منفعل  
زادکہ نبت بگت کوئے تو خد بے ادبی

اور تو اور حضرت امام جعفر صادقؑ "نواز لا در رسول اور اہلبیت رسولؑ میں تھے امام مالک نے ان کے شعلق بیان کیا کہ میں نے امام جعفر بن محمد صادق کو دیکھا ہے وہ عموماً ہنستے رہتے اور دلچسپ باتیں کرتے رہتے تھے لیکن جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لیتے تو حضور انورؐ کے احترام اور جلالت شان کے خیال سے ان کا رنگ زرد ہو جاتا تھا اور امام جعفر صادقؑ بغیر حضور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی نہیں لیتے تھے۔

یہ حال تھا اولیاء تقیاء اور خیار امت کا حضور انور انورؐ کے احترام اور توقیر کے سلسلے میں۔ اب اگر ہر امتی آئنا جی ہو جائے کہ نام نامی لینا تو ہر ایک طرف بے جا بان مبارک جالیوں کو چھونے لگے جو آرام گاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمؐ کے چاروں طرف ہیں تو آپ اس امتی کو کیا کہیں گے؟ یہ کوئی اظہار عقیدت ہے؟ یا اسے کوئی شوق کی بے تابی سے تعبیر کر سکتا ہے؟

ادب کا جو یہ تقاضا کہ تیرے شوق کی بات  
سنے نہ کوئی ہرے دل میں یاد میں ہے!

سینکڑوں زائرین مواجہ شریف کے روپروايتادہ تھے اور صلوٰۃ و سلام عرض کر رہے تھے ان میں ہر خطے اور ہر اقلیم کے باشندے تھے جو سر نیاز جھکے اپنی رسائی قسمت پر ناز کر رہے تھے جو صلوٰۃ و سلام سے فارغ ہو چکے تھے وہ بھی مجسم عقیدت بنے اپنی بگڑی بنانے کی فکر میں غلطاں و بیجاں نظر آ رہے تھے۔  
 برادر پاک تو ایتادہ بصد عجز و نیاز

دعویٰ و طلوسی دہندی جلسی و عربی

ان ہی فکر مند دل میں ایک وہ بھی تھا جو بگاڑ کر ہی نہیں بلکہ اپنی نبادتو اجاڑ کر جو رمیض ہو کر نہیں بلکہ ہاکم ہو کر دنا داری میں زندگی بسر کر کے نہیں جاتا اور نافرمانی میں صبح و شام کرنے کے بعد ادوروں میں رہنے کے نتیجے میں برا ہو کر نہیں بلکہ اچھوں اور نیکیوں کا درد کے درمیان رہ کر نیکیوں اور اچھا پنوں سے انحراف کر کے نہیں بلکہ ان کا قتل و مصلحت کے اور منزل مراد تک پہنچ گیا تھا اور صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کی جرأت کر رہا تھا۔

ملا کی تصریحات کے مطابق مواجہ شریف میں حاضر ہو کر اس احساس کے ساتھ صلوٰۃ و سلام عرض کرنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامنے ہی تشریف فرما ہے جس اور اس یقین کے ساتھ کہ ہر سلام پیش کرنے والے کو بنفس نفیس جواب عنایت فرما رہے ہیں۔

بحرِ روح! کھڑے ہیں وہ اصل و فاکا نام

ہم بھی کھڑے ہوئے ہیں گھٹنگا۔ کی طرح

حدیث کی سند تریج کتبوں بخاری اور مسلم میں حضور اللہ علیہ وآلہ وسلم کا



فرمودہ ایک واقعہ ملتا ہے۔ ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوسعید الخدریؓ نے بیان کیا کہ اُس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نبی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ۹۹ افراد کو مختلف اوقات میں یا ایک ہی وقت میں قتل کر ڈالا تھا۔ (جب اسے ہوش آیا اور احساس ہوا کہ اس نے اتنا بڑا گناہ کیا ہے تو) پھر وہ لوگوں سے یہ پوچھنا ہوا نکلا کہ کیا میرے ایسے کی توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے حالانکہ میں نے ۹۹ آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا ہے؟ ایک عیسائی درویش کے پاس آیا اور اس سے یہ استفسار کیا کہ کیا میری توبہ بھی قبول ہوگی؟

ظاہر ہے کہ جس شخص نے بے قصور اتنے آدمیوں کی جان لی اس کی سنگدلی کا کیا حال ہوگا اور ایسے سنگدل کی توبہ کا کیا اظہار ہوگا؟ عیسائی درویش نے اس کے ظاہری حالات کے پیش نظر حکم دیدیا کہ "نہیں" ایسے آدمی کی توبہ قبول ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، یا ایسی کا یہ جواب سن کر اس خون خوار آدمی کو چھو غصہ آیا تو اس نے عیسائی درویش کو بھی قتل کر ڈالا اور اب اس کی گردن پر سو جا لیں کا خون ہو گیا، پھر بھی یہ قاتل نجات کی تلاش سے دست بردار نہ ہوا اور جن لوگوں سے ملتا یہی پوچھتا کہ کیا میری توبہ بھی (جب کہ سو خون میری گردن پر ہیں) قبول ہو سکتی ہے؟ ایک لحد آدمی سے جب اس نے یہی سوال کیا تو اس نے کہا کو فلاں بستی میں جا۔ مدین کی توضیح کے مطابق اس شخص نے جس بستی کا پتہ دیا تھا وہاں کوئی بزرگ رہتے تھے اور وہ بستی ان بزرگ آدمی کے قیام کی وجہ سے نزول رحمت کا محل بن گئی تھی۔

جائے ہوئے پتہ کے مطابق سوانہ اول کے خون کا بار لا دے انبی نجات کی تلاش

میں شخص اس بستی کی طرف چل پڑا اور یقیناً اپنے سیاہ جرموں کے احساس سے وہ دل شکستہ ہو گیا یا نجات کی جستجو میں دوڑ دوڑ کر بے دم ہو چکا ہو گا یا پھر اس کا مقدر وقت آگیا تھا بر حال، ابھی بستی تک پہنچا نہیں تھا کہ اس کو محسوس ہو گیا کہ اس کا وقت آخر آگیا ہے موت اس کے سر پر آکھڑی ہوئی تھی اور وہ بستی جہاں سے اسے نجات اور مغفرت ملے گا اسرا تھا (یہی دور تھی) عالم نزع میں چل تو کیا پاتا پھر بھی مرنے سے پہلے اس بستی میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس نے کھسک کھسک کر اپنے کو اس بستی سے قریب کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہ اسے موت نے آیا اور اس نے بستی کی طرف اپنا سینہ بڑھانے کی کوشش کرتے ہوئے جان دیدی۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عذاب کے فرشتوں اور رحمت کے فرشتوں میں اس شخص کے بارے میں جھگڑا ہوا کہ یہ مرنے والا کس کے قبضے میں چلے۔ تو بے قصور انسانوں کا قائل ہے اس لئے عذاب کا مستحق اور عذاب کے فرشتوں کے قبضے میں جانے والا ہوا۔ دوسری طرف گناہوں سے توبہ کی نیت کر کے وہ ایک با خدا ہستی کی طرف تلاش نجات میں جا رہا تھا جب اسے موت لے آگھیرا۔ ایک نیک کام کے دوران میں مرا اس لئے رحمت کے فرشتوں کے قبضے میں لے جانا چاہیے۔

خداوند تعالیٰ نے عذاب اور رحمت کے فرشتوں کے اختلاف کو اس طرح فیصلہ کیا کہ جس جگہ اس شخص کو موت آئی ہے اس جگہ سے دونوں بستیوں کا فاصلہ ناپا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ بستی قریب ہے جہاں یہ سر نشی اور نعل و غارت گری میں مبتلا رہا یا اس کی موت کی جگہ سے وہ بستی قریب ہے جدھر وہ نجات کی تلاش

میں جا رہا تھا، پھر پروردگار عالم نے اپنی قدرت سے اس بستی کو جہاں عیسائی دوش  
قیام پیر تھا حکم دیا کہ وہ اس شخص کی لاش سے قریب ہو جائے اور اس بستی کو جہاں  
اس شخص نے غمناہوں کی زندگی بسر کی تھی حکم دیا کہ تو لاش سے اور دور ہو جا،  
اب عذاب اور رحمت کے فرشتوں نے فاصلہ ناپا تو دوش والی بستی اس شخص  
کی بستی سے بقدر ایک بالشت کے قریب نکلی بس اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مغفرت  
کر دی (اور رحمت کے فرشتوں کے حوالے یہ بتو اپنے تصور انسانوں کا قائل ہو گیا)  
ایک باخدا بزرگ تک پہنچنے کی کوشش کے نتیجے میں اگرچہ وہ کوشش کامیاب  
نہیں ہو پائی مغفرت کامل نے اس کو اپنے سایہ میں لے لیا۔ وہ صرف ایک دوش  
کی بستی تھی یا زیادہ سے زیادہ نبی اسرائیل کے کسی نبی کی بستی ہوگی۔ اگرچہ اس کی  
صراحت محدثین کے یہاں نہیں ملتی ہے پھر وہ بقعہ ارض جہاں دونوں جہاں کے لو  
رحمت لے کر آئے والا آرام فرما ہو اس سے قریب ہونے والا ہی نہیں بلکہ وہاں تک  
پہنچنے کی کوشش میں کامیاب ہو جانے والا رحمت کامل سے کس درجے میں سرفراز  
ہوگا اس کی تشریح کی کیا کوئی حاجت باقی رہ جاتی ہے۔؟

رسائی قسمت سے ہم اس بستی میں جہاں ہر وقت رحمت کا نزول رہتا  
ہے پہنچ گئے تھے اور اس ارفع و اعلیٰ مقام سے جہاں رؤف و رحیم تشریف  
فرما، ہیں ایک بالشت سے بھی کم فاصلے پر ایسا وہ ہو سکتے تھے اگرچہ او با وہاں سے  
چادر دور دینا وہ تھے نہ معلوم کون سا دن یاد کر کے یہ بھی آس گائے تھے۔ کہ  
صرف یہ کہ ہمارا سلام شرن قبولیت حاصل کر رہا ہو بلکہ لطف خاص کے ساتھ نگاہ  
بندہ پر درہماری جانب نگراں بھی ہے۔

اپنی زندگی میں تو کوئی دن بھی ایسا نہ تھا جس کو یاد کر کے لطف خاص کا سرا لگانے کا حوصلہ ہوتا ہے۔ ہاں وہ دن ضرور یاد آ رہے تھے جب مدینہ شریف کے تمام بے دلوں میں سے ہمارے جدِ اعلیٰ حضرت (ابو یوسف انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کو حضور انور و وحی فدائے کمال کے قیام کا وہ شرف حاصل ہوا تھا جس پر دنیا کے اسلام آج تک رشک کرتی ہے۔

تو کہ وطنِ فزا کہ مدینہ شریف کو اپنے قدمِ محنتِ لازم سے حضور انور (فدائے کمال) ابی دہامی نے سرفراز فرمایا، ہر ایک تمنیٰ ہے کہ قیامِ آپ کا اس کے عزیز خانے میں ہو۔ کہ وہ مرکزِ انور ہو جائے۔ دولت مندوں کے محل ہو جائے۔ جاگیر داروں کے سرسبز و شاداب باغ بھی مدینہ منورہ میں تھے ایسے جاں نثاروں کی بھی کوئی کمی نہ تھی کہ اشارہ ہو جائے تو چشمِ ندن میں ساری دولت لگا کر ادا کر دے اور آپ کے لئے کھڑا کر دیں۔

حضور انورؐ کی اذنی نے احسان فرمایا کہ اس جگہ بیٹھ گئی جس جگہ سے حضرت ابو یوسفؒ انصاری کا گھر سب سے قریب تھا ایک دفعہ بیٹھی پھر اٹھی پھر آ کر اسی جگہ بیٹھی پھر وہاں سے نہ اٹھی۔ حضور انورؐ کا سامان جلدی جلدی ابو یوسفؒ انصاری اور ان کے گھر والوں نے اتار دیا اپنے گھر پہنچایا حضور انورؐ نے بھی قیام کے لئے قدم نہ بچھ فرمایا۔ ابو یوسفؒ نے دست بستہ عرض کیا کہ نیلی منزل میں قیام پسند فرمائیں گے یا ادپری منزل میں۔ جواب عنایت ہوا: "اسفل اور ثقیل" دیکھو منزل ہی ہمارے لئے موزوں ہو گئی، تعمیلِ ارشاد میں ابو یوسفؒ اور ان کے بیوی بچے ادپری منزل میں منتقل ہو گئے اور نیلی منزل حضور انورؐ کے لئے ہو گئی ابو یوسفؒ

انصاری کے جذبہ ادب نے خیالات کو ہمیز کیا۔ جس چھت کے خیمے آقائے دو جہاں ہوں اس چھت پر تو چلے گئے ابو ایوب! کیا اس بے ادبی کا اندیشہ نہیں کہ نیچے جہاں سرکارِ دو عالم کی نشست ہو ٹھیک اسی کے اوپر چھت کو تو اپنے پیروں سے روند رہا ہو؟

نور! حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا حضور! اس چھت پر ہرگز نہیں رہ سکتا جس کے نیچے حضور دالایم قیام فرما ہوں؟

باصرا ابو ایوب انصاریؓ نے بالائی منزل پر حضورؐ انورؑ کے قیام کا بندوبست کیا اور خود پھلی منزل میں رہنے لگے، اور اس احساس میں گن رہے تھے کہ ان کو اور ان کے گھرانوں کو یہ سرفرازی حاصل ہے کہ نعلین مبارک ان کے اوپر ہیں؟ جو سر پہ رکھنے کو مل جائے کفش پائے حضورؐ

تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں؟

بے شک! جس دن ابو ایوب انصاریؓ کی "تاج پوشی" ہوئی تھی وہ دن ان کے لئے ہی نہیں ان کی قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے سرمایہ شرف و کرامت ہے، — تو اس وقت ابو ایوب انصاریؓ کی نسل کا ایک فروغ بدنام کنندہ نیکونے چند — وہی تاج پوشی کا دن یا ذکر کے پھولے نہیں سہا رہا تھا۔

ابو ایوب انصاریؓ کا گھر بھی یاد رہا تھا اور مسجد نبویؐ میں حضورؐ انورؑ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منبر شریفؐ پر وہ آخری ارشاد بھی جس کے بعد منبر شریفؐ پر پھر کوئی دوسرا خطبہ حضورؐ انورؑ نے نہ دیا حضورؐ انورؑ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ عرض خدمت بزرگچکا تھا جس میں آپؐ نے وفات فرمائی، انصاریوں کی پیش آنے والے سلسلے کے

تصویر ہی سے وہ کیفیت تھی کہ بیٹھے بیٹھے رو دیا کرتے تھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عباسؓ نے دیکھا کہ انصاری بیٹھے رو رہے ہیں پوچھا کیا وجوہ کیوں رو رہے ہو تم کو کسنا جواب ملا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں ہماری جو پوچھ گچھ تھی اُسے یاد کر کر کے رونا آرہا ہے۔ حضرت عباسؓ اسی وقت حضور انورؐ کے حجرے میں حاضر ہوئے۔ آپ بسترِ علالت پر تھے۔ انھوں نے انصاریوں کی اس کیفیت کا تذکرہ آپ سے کیا، انصاریوں کی یہ بے قراری سن کر حضور انورؐ بے چین ہو گئے اسی شدتِ علالت میں ایک چادر سے سر میں بٹھی باندھ کر حضور انورؐ برآمد ہوئے اور سیدھے منبر شریف پر تشریف لے گئے۔ صحابہؓ کا کہنا ہے کہ اس کے بعد پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ دنیا سے پردہ فرمایا۔

منبر و تشریف لا کر حمد و ثنا کے بعد آپ نے حاضرین کو مخاطب فرمایا اور

ارشاد فرمایا۔

”انصار یوں کے بارے میں تم لوگوں کو میں وصیت کرتا ہوں، انصار میرا گھر با مال و متاع (اور آل و اولاد) ہیں۔ ان پر جو فرائض تھے (دین کی خدمت اور غیرہ اسلام سے وفاداری کے) وہ انھوں نے مکاحقہ (ادا کر دئے) لیکن ان کی خدشات کے سلسلے میں جو ان کے حق دستِ پلازم ہو گئے ہیں ان کی ادائیگی ابھی نہیں ہو پائی ہے (تو میں وصیت کرتا ہوں کہ) انصاریوں میں جو نیک اور خیر خواہ ہیں ان کی پیروی کر دو اور جو انصاریوں میں غلط کاری میں پڑ گئے ہیں ان سے دور گردو۔“

یہ وصیت کہ خطا کار اللہ برے کردار والے انصاریوں سے دیکھ کر کہ، ایسی  
 بندہ پروری ہو کہ انصاریوں کی نسل کے خراب سے خراب تر فرد کو بھی ایک ہی سہارا پر آج  
 حضرت ابو ذریب ابو بٹ انصاری کی سینا لیسویں پشت کا ایک خطا کار انصاری  
 جس کا نام اس کے باپ دادا نے محمد رضا رکھ کر اور صفحہ اول کے نام نامی کو اس کے نام  
 کا جز بنا کر نجات کا ایک وسیلہ اور پیدا کر دیا اور بار میں کھڑا اگر نطفہ خاص کا متوقع  
 بنا ہوا ہو تو آپ اسے باگلی کو یاد نہیں کہہ سکتے۔ جس آقا نے دوسروں کو انصاریوں  
 سے درگزر کا حکم دیا وہ خود انصاریوں سے اور ان کی آل ابدال سے کیا کچھ سلوک  
 فرمائے گا ہنس ضرورت ہو تو اس کی کہ نسل انصاء سے تعلق رکھنے والا اس تعلق کو خود  
 یاد رکھے اور اپنی موردی غلامی کو سراپہ افتخار سمجھتے ہوئے اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔  
 در اقدس پر حاضری کے دوران جی نہیں چاہتا کہ یہاں سے ہٹ کر کسیر جایا  
 جائے۔ پس اگر کوئی چیز خلل انداز ہوتی تھی تو وہ نائزین کی بے احتیاطی اور اس میں  
 قطعاً اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ اس طرح کی صدا و شور وہاں ہو جہاں زبان سے  
 زیادہ قلب کی حضور ہی درکار ہونا چاہیے۔

جس وقت ہم لوگ حاضر ہوئے تھے یعنی بعد نماز ظہر وہ وقت تھا بھی کثرت  
 نائزین کا یہ اندازہ بعد میں ہوا۔ دوسرے اوقات میں حاضری کافی کیسویں نے نصیب لائی  
 حاضری میں کب تک ہم رہے یہ اس وقت یاد تھا نہ اب یاد آ رہا جو بہر حال وہاں  
 سے ہمیں رخصت ہونا پڑا۔ رات بھر کے جاگے تھے ساڑھے تین سو میل کا سفر طے کر کے گئے  
 تھے، قیام گاہ پر واپس آ کر قیلوہ کے لئے لیٹ گئے اور اس وقت آٹھ بجے کھلی جب  
 عصر کی اذان ہو رہی تھی۔

## مسجد نبوی اور تبرک آثار

اللہ کے گھر — خانہ کعبہ — کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ تعمیر کیا تھا جس کی مستند تاریخ سے ہم ناواقف ہیں۔ — مسجد نبوی کو ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے افضل ترین فرزند خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں، انصار و مہاجرین کے ساتھ تعمیر کیا اور اس تعمیر کی جزئیات تک باوثوق ذرائع سے ہم تک پہنچی ہیں، اولین تعمیر کے بعد جتنے اضافے مسجد شریف میں ہوئے ان کی تفصیل بھی تاریخ نے ہمارے لئے محفوظ کر لی ہے۔ حافظے اور تصور کی مدد سے کر آپ چاہیں تو مسجد نبوی کے اندر بیٹھے ہوئے اس کی تعمیر کی کیفیت کا پورا نقشہ ذہن میں تازہ کر سکتے ہیں۔

پہلی حاضری کے وقت تو تاب تصور اور قوت حافظہ جواب ہی دیئے رہتے ہیں بعد کی حاضریوں میں جب حال کا رتہ ماضی سے جوڑنے کی کوشش کرنے لگے تو ایک دنیا آہاؤ نظر آنے لگی۔

تصور کی نگاہوں نے دیکھا کہ جس مبارک مقام پر اس وقت ہیں ٹرٹ حاضری



نصیب ہے وہ ابھی مسجد نہیں صرت آرامی ہے جس پر کھجور کے درخت لگے ہوئے ہیں اور باغیچہ کی سی کیفیت پائی جاتی ہے اس باغیچے میں "مرید" بھی ہے جہاں کھجور کھائے جاتے ہیں اور چھوڑوں کی شکل میں تبدیل کئے جاتے ہیں۔ اس آرامی اور اس باغیچے کے مالک دو یتیم بیٹری بچے پہلے اوسا سہل ہیں جو درشتا اس کے مالک ہوئے ہیں۔

ادریہ شہر جہاں یہ آرامی اور یہ باغیچہ واقع ہے ابھی "شرب" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے عربستان کی تاریخ اور جغرافیہ میں اس شہر کو کوئی خاص اہمیت بھی حاصل نہیں؛ بلکہ اس کے اس شہر کے مقابلے میں جس میں اشوکا گھر — خانہ کعبہ — واقع ہے شرب اور شرب کے باشندے کم تر اور فرد تر سمجھے جاتے ہیں۔ اعزاز و احترام میں بھی شان و شوکت میں بھی سطوت و جبروت میں بھی، انتظامات کی یہ جہل پہل سی کسی نظر آ رہی ہے؛ کوئی خاص بات ضرور ہے جو شرب کے باشندوں کی نگاہ میں اپنے ارد گرد سے ہٹی، شرب کی طرف آنے والی راہ کی طرف بے ساختہ اٹھ رہی ہیں یقیناً کسی آنے والے کا انتظار کیا جا رہا ہو — کون ہے وہ آنے والا؟ کئے کے خاندان ہاشمی کا ایک جوان جسے اس کے ہم وطن گھر سے بے گھر کر دینے پر تل گئے ہیں!

جوان ہاشمی ہمان بن کر آ رہا ہے؟ نہیں! مستقل قیام کی غرض سے تشریف لانے والا ہے! خوب! مستقل قیام ہو گا کہاں؟ یہاں خدا اس کا گھر بنا رہا ہے نہیں، کسی کے یہاں۔ شہر نا ایک دن دو دن کا نہ سہی مہینہ پندرہ دن کا ہو سکتا ہو وہ بھی اگر آنے والا تھا ہو۔ اہل و عیال کے ساتھ مستقل رہنے کے لئے آنے والے

کو تو پہلے ہی کوئی گھر لے لینا چاہیئے میدھے جہاں آکر اترے !  
 ابھی آمد نہیں ہوئی، وعدہ آمد ہی ہے لیکن نہ ادا کیئے تو تیرب کا ایک  
 ایک گھر کیسا بارونق اور حسین نظر آ رہا ہے۔  
 وعدہ کس نے کیا ہے آنے کا؟  
 حسن دیکھو غریب خانے کا !

غیرس گرم ہیں کہ قدم یمینت لڑوم سے تیرب سرفراز ہونے والا ہے مگر  
 اطلاع بھی آچکی ہے کہ کمرے مہمان بزرگ کا کوچ ہو چکا ہے۔ راستہ اگرچہ تعین  
 اور معروضہ ہے لیکن دشمنوں کے بڑے ارادوں سے جو خطو غما دیا ہے ظاہر ہو  
 کہ کمرے سے تیرب تک کی مسافت ایک عام راہ کی طرح طے نہ فرمائی جائے گی،  
 ہو سکتا ہے کہ حسب موقع و ضرورت راہ میں ان جگہوں پر بھی قیام ناگزیر  
 ہو جائے جہاں منزل کرنے کا معمول عام قافلوں اور مسافروں کا نہیں، یہ سب بھی  
 ہو سکتا ہے کہ تعین شاہراہ سے ہٹ کر قطع مسافت فرمائی جائے۔ بہر حال جن  
 حالات میں سفر کیا جا رہا ہے۔ ان میں یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں  
 تاریخ یا فلاں دن کمرے کو جہاں ہے اس لئے فلاں تاریخ اور فلاں دن وعدہ  
 معروضہ ہو گا۔

تیرب کے باسی روزانہ صبح سویرے گھروں سے نکل کر حدود شہر کے باہر جمع  
 ہو جاتے اور راہ دیکھا کرتے ہیں جب دھوپ تیز ہو جاتی تو اپنے اپنے گھروں کو  
 لوٹ جاتے کہ اس چل چلاتی دھوپ میں کسی آنے دے کے آجائے کا دستور ہی  
 نہیں ہے۔ کئی دن سے انتظار مہمان میں یہی ہمدشوق آمد اور ہمدتراں رفت کا

سلسلہ جاری ہے۔

اچانک ایک یہودی کی صفائی کے لئے تھمارا مطلوب مقصود تشریف لے آیا اہل یثرب کو جو نکا دیا۔ یہ یہودی اپنے بلند قلعے سے یثرب کی طرف آنے والی شاہراہ کو دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر ناقدہ سواروں پر پڑ گئی جو یثرب ہی کی طرف آ رہے تھے۔ آمد آمد کا غلط فہمی دوز سے تھا ہی۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ آئے والے وہی ہیں جن کے انتظار میں یثرب کے باشندے بے چین ہیں اس نے قلعہ کی چوٹی سے جو پکارا تمام شہریوں تک مژدہ جانفزا پہنچ گیا۔ گھروں سے دوزخ آئے اہل یثرب نکلے اور حدود شہر سے باہر خیر مقدم کے لئے پہنچ گئے۔

شہر سے دو میل پر تباہی ایک مقام پر استقبال کرنے والے انھیں بھالے کھڑے ہیں کہ سوار ہی اس طرح نمودار ہوئی کہ حضور انور ناقدہ مبارک پر تشریف فرما اور رفیق سفر حضرت ابوبکرؓ ایک چادر کے ذریعہ سورج کی آڑ اس طرح کئے ہوئے ہیں کہ دھوپ چہرہ انور پر نہ پڑ سکے۔

یثرب کے لوگ حضرت ابوبکرؓ کو پہچانتے ہیں کہ تجارتی ضروریات کے تحت ان کی آمد رفت یہاں اکثر ہی ہے۔ حضور انورؐ کو وہی یثربی پہچان سکے جو مکہ معظمہ جا کر عقبہؓ راہی اور عقبہ ثانیہ میں آپ کے دست مبارک پر بیعت کر چکے تھے جن کی مجموعی تعداد سو سے بھی کم تھی۔ پھر وہ مہاجرین جو آپ سے پہلے ہجرت کر کے یہاں آ گئے ہیں۔

تعاقد نہ ہونے کی وجہ سے اود چہرہ انورؐ پر چادر کی آڑ ہونے کی وجہ سے بھی بہتوں کو پہچاننے میں ضرور مغالطہ ہوا،

قبائیں چار روز قیام فرما کر حضور انورؐ خاص شرب میں نزل ابطالِ فلفی کے قصد سے روانہ ہوئے تو شرب میں شادمانی کی ایک ہر ہر طرف دوڑ گئی، گلی کو چہ چمک اٹھا قلوب اہل شرب کھل پڑے شہر کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا۔ سواری حدود شہر میں داخل ہو رہی ہے، اہل شرب کی وہ بچیاں جن کے یہاں عفت دیا کیزگی کا یہ اہتمام کہ گھر کے باہر تو کیا کبھی بھت کے (وہ بھی نہیں آتی تھیں آج کھلی پھتوں پر اور کوچوں کے نکر دوں پر کھڑی ہیں۔ اور جمال جہاں آرا پر نظر بڑی ادھر ان بچیوں نے پٹوائی کا گیت گانا شروع کر دیا

منے تنیات الوداع

طلع البدر علینا

صلیٰ علیہ وسلم

وجبت الشکر علیہنا

اما وہ تمام نے الوداع کہنے والی گھائیٹوں سے ہم پر طلوع فرمایا ہمارے اوپر خگر اور اس وقت تک شکر دا جب ہو گیا جب تک کہ مرض پر اندھ کو ایک بھی بکارنے والا موجود ہے،

حضورؐ کی سواری بستی کے اندر سے گزر رہی ہے جس مکان کے قریب سے

ناقد گزرتا اس کا کین دست بستہ التجا کرتا کہ سہ

ہذا قیام منظر چشم من آشیانہ تست

کرم ناد فردا کہ خانہ خانہ تست

جواب میں دعائے خیر دینے کے ساتھ فرمادیا جاتا کہ اونٹنی کو روکونیسیں،

وہ دشت کی طرف سے سامع ہے جہاں حکم خداوندی ہے، میں قیام کرے گی۔ اونٹنی

کی مبارک جھیل پر دی گئی ہے وہ گزرتی چلی جاتی ہے اور غلات معمول داہنے

ہائیں دیکھتی بھی جاتی ہے وہ دیکھے بنی نجار دیشرب کے ایک خاندان کے مکان کا  
 کے پاس (دو منی پہنچ کر ایک آراہنی پر بیٹھ گئی ہے یہ آراہنی تو سہل اور  
 سہیل دو یتیم بچوں کی ہے جس پر کھجور کے درخت لگے ہیں۔ لیجئے! (دو منی اٹھی  
 اور) قریب ہی ابوایوب انصاری کے دروازے پر پھر بیٹھ گئی پھر وہاں سے  
 اٹھی اور اپنی پہلی بیٹھک پر آکر اس طرح بیٹھی کہ گردن بھی ڈال دی ہے یہ  
 اشارہ ہے کہ بس اب آگے جانے کا حکم نہیں۔

ابوایوب انصاری کے دروازے پر (دو منی بیٹھی ہے ان کے گھرانے کی  
 روٹیاں گل پڑی ہیں اور دھڑ پگھلنے لگی ہیں۔)

نحن جوار من بنی نجار۔ یا جند محمد بن جار  
 ہم بنی نجار کی روٹیاں ہیں، اے نصیب! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایسا پردی  
 ہمارے نصیب میں آگیا۔

انتہائے کرم اور درخشندہ شہادت کے ساتھ حضور بنی نجار کی ان روٹیوں کو  
 مخاطب کر کے دریافت فرما رہے ہیں تمہیں مجھ سے بڑی محبت ہے؟  
 سب ایک زبان ہو کر عرض کرتی ہیں: جی ہاں اے اللہ کے رسول!۔  
 روٹیوں کو اس کے معاوضے میں کیا سرفرازی ملی؟ فرمایا: "واللہ یعلم قلبی شکک"  
 (خدا جانتا ہے کہ میرا دل تم سے محبت کرتا ہے)

یشرب کے لئے اور نوکر چاکر مہینہ کی گلیوں میں مارے خوشی کے چہچہے پھر  
 رہے ہیں: آگئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آگئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آگئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آگئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)  
 حضرت دالانے خاندان بنی نجار کے ایک فرد ابوایوب انصاریؓ کے غریب خانے

کو اپنے قیام سے سرفراز فرمایا گیا غیروں میں نہیں رشتہ داروں میں قیام پذیر ہوئے ہیں بنی نجار آپ کے جد امجد حضرت عبدالملک کے ناینبائی رشتہ دار ہیں۔

ابھ! بنی نجار کے فرد ابدا یوب انصاری کو یہ شرف بھی حاصل ہو کہ وہ سرکار کے رشتہ دار ہیں!!

خیر! یہ شرف تو خاندان بنی نجار کے دوسرے افراد کو بھی نصیب ہے ہاں! ابدا یوب کے اس شرف میں ان کا کوئی مقابل نہیں جو سات ہینے تک سرکار کے ان کے گھر میں قیام فرمائے اور اتنے عرصے تک ابدا یوب کے گھر والوں کو آپ کی غلیں مبارک بیدھی کرنے کی نعمت غیر مترقبہ کی شکل نصیب ہوا جس آراضی پر پہلے پہل نانا بیٹھا تھا اور جہاں اس وقت مسجد نبوی ہے اس آراضی کو حضور الہی نے خریدنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور دونوں تیم بکوں کو عند یہ لینے کے لئے یاد فرمایا ہے، بچے آپ سے لین دین والا معاملہ کرنا منظور نہیں کر رہے ہیں اور ہدیہ پیش کرنے کی آرزو ظاہر کر رہے ہیں۔

آپ معاف فرمائیے بغیر لینے پر راضی نہیں ہیں بالآخر حضور کے مشاور خواہش کے موافق آراضی کا معاملہ طے ہو رہا ہے۔

ابا یثرب "کا شرف یہ ہو گیا کہ کوئی اسے شرب نہیں کہتا ہے آپ کی نسبت سے مدینۃ الرسول، مدینۃ الرسول، مدینۃ الرسول، زبانوں پر چڑھ گیا ہے اور عام بول چال میں صرف "مدینہ" کہا جانے لگا۔ اور یثرب والے انھار پکارتے ہیں۔

حصولِ امرِ رضی کے بعد مسجد کی تعمیر ہو لی ہے۔ اس طرح کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس اپنے اصحاب کے ساتھ اینٹ اٹھا کر لائے ہیں اور اپنے ہی ہاتھوں سے تعمیر فرما رہے ہیں اس کارِ خیر کے وقت زبانِ فیض ترجمان سے یہ صدائیں دے رہی ہے اللہم لا خیر الا خیر الا خیرۃ فارجلہ لانساک والمہاجرۃ۔

(اے پروردگار! آخرت کی بھلائی کے سوا کوئی بھلائی بھلائی کھلانے کی سختی نہیں لے اللہ! انھاریں پر اور ہماریں پر اپنی رحمت نازل فرما) کچی اینٹوں کی دیواریں، کھجور کے تنوں کے ستون اور کھجور کے درختوں کے پتوں کی پھٹ۔ یہ سب کچھ بے سارے آخری نبی اور اصحابِ نبی نے بنا کر کھرا کر دیا ہے۔ کتنی ادبِ نبی ہے یہ مسجد، صرمت سا گز، گنئی بڑی، قبلہ (جنوب) سے شمال تک پچاس گز اور مشرق سے مغرب تک ۶۳ گز۔

ہجرت کے ساتوں سال مسجدِ نبوی میں کچھ توسیع ہوئی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے آس پاس کے کچھ مکانات خرید کر کے مندرگزارتے ہیں اور مسجد کا طول و عرض سو سو گز کر دیا جاتا ہے۔

یہی اصل مسجدِ نبوی ہے اور یہی اصل مسجد سے متصل مشرق جانب دو حجرے بھی تعمیر ہوئے، دونوں بی بیوں حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ کے رہنے کے لئے اس وقت تک یہی دو بیویاں حضور کے نکاح میں تھیں اس کے بعد ازواجِ مطہرات کی تعداد کے مطابق حجرے بنے گئے۔ حارثہ بن نضان، انھاری نے جن کے کئی مکان کعبہ ثمرین کے قریب تھے آنحضرتؐ کی ضروریات کے لئے یکے بعد دیگرے سب بنائے۔

نذر کر دیے۔ حضرت بی بی عائشہ کے حجرے سے متصل حضرت بی بی فاطمہ کا حجرہ ہے جب بھی حضور انورؐ سفر سے واپس تشریف لاتے پہلے مسجد تشریف میں دو رکعت نماز پڑھتے اس کے بعد حضرت بی بی فاطمہؑ کے پاس تشریف لے جاتے ان کی اور بچوں کی خیر و عافیت دریافت فرماتے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں مسجد نبویؐ میں مختصر سا اضافہ جانب قبلہ اور سمت مغرب میں ہوا پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں مسجد کی چھت اور صحن کو بچختہ کرادیا اور قبہ میں کچھ اضافہ بھی کیا۔ مگر جس طرف اندراج مطہرات کے حجرے تھے اس طرف کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ پھر عبدالملک بن مروان کے زمانے میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ تشریف کے گورنر تھے مسجد نبویؐ میں کافی توسیع ہوئی قرب جوار کے مکانات اور اندراج مطہرات کے حجرے خرید کر مسجد میں شامل کر دیئے گئے۔

سلاطین ترک کے زمانے میں مسجد نبویؐ کی تعمیر از سر نو ہوئی اور اس میں بہت دستبرد ہو گئی، یہ سب توسیعیں مغرب اور شمال کی سمت ہوئیں جنوب کی طرف (جو مسجد نبویؐ کے لئے سمت قبلہ ہے) اور مشرق کی طرف (جس سمت درختہ اطہراؑ برائے نام توسیعیں ہوئیں)۔

آخری توسیع ابھی سات آٹھ سال قبل معزول شاہ سعود کے اہتمام میں ہوئی اور یہ اضافہ شدہ حصہ اس قدر سبک اور اس قدر مناسب ہے کہ خوبی و رحمتی میں تاج محل کا تاثر پیدا کر دیتا ہے۔

فلحاد و سلاطین نے سنگ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھروں سے مسجد نبویؐ کو تعمیر کرایا اور کرایش درنیت کے پہلو سے سونے کا کام اس کے ستونوں اور جھتوں میں کرایا۔ خدا



جزائے خیر دے سلاطین ترک کو کہ انھوں نے ہر عہد کی مسجد نبوی کی حدود کو نقش و نگار کے فرق سے واضح کر کے تاسیخ اسلام پر گمراہ با احسان کیا ہے۔

پہلے مسجد نبوی کتنی بلند اور کتنی لمبی چوڑی تھی اس کی وضاحت ستونوں کی نوعیت سے کی گئی ہے پھر کتنی وسیع عہد اموی میں ہوئی اور کس حد تک توسیع سلاطین ترک کے زمانے میں ہوئی یہ تجھروں کی تبدیلی اور نقش و نگار کے ڈوبنے سے بخوبی واضح کر دی گئی ہے۔

اصل مسجد نبوی جسے حضور اقدس اہل آپ کے اصحاب نے اپنے مبارک ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا اگرچہ موجودہ عمارت مسجد کے دیکھتے بہت مختصر ہے لیکن ابھی مختصر ہے میں "روضہ جنت" بھی ہے محراب البنی بھی ہے حضور کے اعتکاف کرنے کی جگہ بھی ہے اسٹن خانہ کا مدفن بھی اور ستون ابولبابہ بھی جسے ستون توبہ بھی کہتے ہیں اور پھر اس اصل مسجد نبوی سے ملی ہوئی خاص آرام گاہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے۔

یا خیر من دُفنت فی القاع عظمہ      قطاب من طیبھن القاع ولا کھ  
نفسی القداء القبرانتے مآکنہ      فیہ العفاف و فیہ الجود و الملک  
اے وہ افضل ترین ذات جس کے اجزائے جسم سپرد زمین کے آگے اور ان اجزاء  
جسم کی پاکیزگی کی بدولت زمین کا نشیب و فراز سب پاکیزہ ہو گیا۔

میری جان اس قبورِ قربان جس میں آپ قیام فرما ہیں۔ اس قبر میں مجھ پاک  
داعی، امیرِ پانیا ضی اور سرِ پائشرف آرام فرما ہے  
یہ چار مصرعے ایک اعرابی نے مزارِ مبارک کے روبرو درود کر پڑھے تھے ہائے

آپ کے سامنے نہیں بارہ سو برس پہلے ان کے سامنے جو کس زیادہ دین کے ذات کا اور رموز شریعت کے شاسا تھے۔

مختصر سجد نبوی سے متصل از خارج مطرات کے حجرے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب دنیا سے پردہ فرمایا تو آپ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے اسی حجرے میں حضورؐ کی تدفین بھی عمل میں آئی۔

قبر خیرین بن جانے کے بعد بھی حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا قیام اسی حجرے میں رہا حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے قیام کی وجہ سے قبر خیرین تک رسائی بغیر اجازت حاصل کئے نہیں ہو سکتی تھی یہ جو حدیثوں میں ملتا ہے کہ خاندان زیارت حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اتنا کرتے تھے کہ لے ہمارے ماں! خدا حضورؐ کو اللہ کی قبر مبارک مبارک سے لے کھول دیجئے، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اجازت دیدیجئے کہ ہم حجرے کے اندر آسکیں یہ بھی روایتوں میں ملتا ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیچ میں پردہ ڈال کر حجرے کے دروازے کھولے تھے ایک میں ان کا قیام رہتا تھا دوسرے میں مزار انور تھا اس وضاحت کے ساتھ زیارت کے لئے مزار شریف کے "کھول دینے" کی صورت اور صفات بتجاتی ہیں اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد دیگرے اس حجرے میں باجاء حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا دفن ہوئے اور اب بھی اندرون حجرہ حاضری بلا اجازت نہیں ہو سکتی تھی بھولہ اجازت کے بعد اندرون حجرہ مبارک پہنچنے میں کوئی ٹوک نہ تھی یہ صورت حالی کم و بیش ستر سال قائم رہی روایتوں میں ملتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے بعد حکومت میں جب مردان بن الحکم مدینہ شریف کا گورنر تھا تو اس نے ایک صاحب کو اپنا چہرہ قبر خیرین سے ملنے دیکھا اور پہچان نہ پایا کہ یہ کون صاحب

ہیں، اس نے بے ادراکی کے ساتھ ان کی گدی پر کڑکھا، کچھ بہہ بھی ہے کہ تو کیا کر رہا ہے۔ ان صاحب نے بڑی بے نیازی کے ساتھ مردان کی طرف منہ کر کے جواب دیا "ہاں، جانتا ہوں کہ کیا کر رہا ہوں یہ مت سمجھ کہ میں مٹی اور پتھر کے ڈھیر کے پاس آیا ہوں پتھر اور مٹی کے ڈھیر کے پاس نہیں میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا ہوں۔"

مردان کی سبے ادراکی پر اس کو تنبیہ بھی کرنا ضروری امر تھا۔ اس لئے کہ اپنا چہرہ قبر خسر لین پر رکھنے والے صاحب صحابی رسول تھے (و بعض اوقات) کے مطابق میزان رسول حضرت ابوالیوب انصاری تھے۔

بہر حال اس زمانے تک جب مردان مدینہ شریف کا گورنر تھا، بلکہ اس کے بھی تیس برس بعد تک مزار مبارک پر حاضری دینا اس طرح ممکن تھا کہ حجروں کے اندر تک رسائی ہو جاتی تھی اگرچہ عام امتیوں کے لئے کیا خاصاں وقت کے لئے بھی آداب زیارت کا ضابطہ ہی ہے کہ زیارت کرنے والا کسی بزرگ کے مزاد سے آنا ہی قریب ہو جتنا قرب صاحب مزار کی زندگی میں اس کی محفل میں اس کو نصیب تھا۔ ولید بن عبد الملک کے عہد حکومت میں (یعنی ششم میں) جب مسجد نبوی کی توسیع ہوئی جیسا کہ منتظم ولید کی طرف سے مدینہ شریف کے گورنر حضرت عمر بن عبد العزیز مقرر ہوئے تو پہلی بار مزار پر انوار لگائے گئے اس طرح پوشیدہ کر دیا گیا کہ حجروں کی عائنتہ کی قدیم دیواریں شہید کر کے پختہ دیواریں نئی بنیو ڈال کر اس طرح بنائی گئیں کہ حجرے کے اندر جانے کا کوئی دروازہ نہیں رکھا گیا۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ جب حجرے کی بنیادوں کو پختہ دیواریں قائم کرنے کے لئے

شرقی جانب گہرا کیا جانے لگا تو ایک قبر کی جھکھل گئی اور ایک پاؤں نمودار ہو گیا تو لوں میں دہشت پھیل گئی۔ بعض جاننے والوں نے بتایا کہ اس دیوار سے متصل حضرت عمرؓ کی قبر تھی اور یہ قدم جو نمودار ہو گیا ہے وہ حضرت عمرؓ کا ہے۔

معتبر روایت کے مطابق حجرے میں حضور انورؐ کے مزار سے قریب حضرت ابو بکرؓ کی تدفین پاس ادب ذرا نیچے کھسکا کر اس طرح کی گئی کہ حضرت ابو بکرؓ کا سر حضور انورؐ کے سینہ مبارک کے عاڈی، ہا بھر حضرت عمرؓ کی تدفین اس طرح ہوئی کہ ان کا سر حضرت ابو بکرؓ کے سینہ کے عاڈی رہا۔ حجرہ مختصر تھا حضرت عمرؓ کی میت جب سپرد لحد کی گئی تو جگہ کی تنگی کی وجہ سے میت کے پاؤں دیوار کی بنیاد کے اندر رکھ دیئے گئے۔ اب جو دیوار بدننے کے لئے بنو مٹائی گئی تو پاؤں ظاہر ہو گئے۔ بہر حال پختہ چہار دیواری جس میں کوئی دروازہ نہیں دکھائی قائم کر دینے کے بعد ایک اور حصار چاروں طرف بنا دیا گیا اس میں بھی کوئی دروازہ نہیں دکھائی۔ البتہ حجرے کی چھت میں ایک روشن دان بنا دیا گیا تھا اس طرح پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے ہی حضور انورؐ کا مزار پر انوار اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی قبریں نگاہوں سے مخفی کر دی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان خوش نصیبوں کے دور کے خاتمے کے بعد جنھوں نے ظاہری نگاہوں سے بھی ان مزارات کو دیکھا تھا اچھا خاصا اختلاف اس بارے میں ہونے لگا کہ تینوں قبروں کس ترتیب سے واقع ہیں اور قبروں کی کیفیت کیا ہے زمین سے کتنی اونچی ہیں اور کس وضع کی ہیں؟ دیکھنے داتے جب نہیں رہے تو دیکھنے والوں کی زبانوں سے سننے والوں نے اپنی اپنی یاد کے موافق حجرے کے اندر

کی تفصیلات بیان کیں جو جزئیات میں ایک دوسرے سے قدمے مختلف تھیں۔

پھر کئی برسوں کے بعد ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ ۵۵۷ھ میں سلطان نور الدین خلیفہ محمود بن زنگی نے ایک رات تین بار خواب میں حضور انور کی زیارت کی کہ آپ دو آدمیوں کی طرف اشارہ فرما کر ارشاد فرما رہے ہیں کہ ان دونوں کی خجانت اور شر سے بچنا۔

سلطان نور الدین خواب سے بیدار ہوتے ہی فراست ایمانی سے سمجھ گیا کہ مہم شریف میں کوئی غیر معمولی بات اٹھ کھڑی ہوئی ہے وہ راتوں رات میں ہمارے بیوں کے ساتھ شام سے چل پڑا اور ۶ دن کے اندر مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ پھر بچتے ہی اس نے حکم دیا کہ تمام اہل مدینہ بڑے چھوٹے سب صلیب داروں کو لینے کے لئے حاضر ہوں۔ قیام حکم میں مدینہ شریف کی ساری آبادی ایک جگہ جمع ہو گئی۔ سلطان نے ایک ایک کو بنظر غور دیکھا مگر وہ دو شخص نظر نہ آئے جو خواب میں دکھائے گئے تھے۔

اس کے یہ تاکید پوچھنے پر کہ کوئی رہ تو نہیں گیا اسے بتایا گیا کہ صرف دو آدمی جو بالکل خاندانین ہیں اور مال و دولت سے بے نیاز عبادت و ریاضت میں منہمک رہتے ہیں انہیں آئے ہیں سلطان نے حکم دیا کہ وہ بھی پیش کے جائیں۔ دونوں حاضر کے لئے آئے تو ہو ہو رہے تھے جن کو خواب میں سلطان شہید نے دیکھا تھا ان کی رہائش گاہ کا پتہ معلوم ہونے کے بعد سلطان ان دونوں کو اسی جگہ کھڑا چھوڑ کر وہاں پہنچا اور ساندہ جا کر ایک ایک چیز دکھائی، سوائے کتابوں کے اور کچھ نہ پایا۔

زمین پر جو چٹائی پڑی ہوئی تھی اسے بھی سلطان نے ہٹایا تو اس کے نیچے ایک  
سزنگ۔ نظرائی جو حجرہ شریف کی طرف اندر راند کھودی گئی تھی دوسری طرف  
ایک کنواں تھا جس میں سزنگ سے مٹی نکال نکال کر ڈالی جاتی تھی سخت گرفت  
کرنے پر پتہ چلا کہ یہ دونوں بھیس بدلے ہوئے نصرانی تھے جو عبد اطر کے ساتھ  
گستاخی کرنے کی نیت سے اندر اندر سزنگ کھود کر اس مبارک مقام تک پہنچ  
باتا چاہتے تھے ان دونوں کو قرار واقعی سزا دی گئی۔ اس کے بعد سلطان نے  
حجرے کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھودوائی کہ وہ سطح آب تک پہنچ جائے  
پھر اس خندق کو پتھلائے ہوئے سیسے سے ادپ تک بھر دیا اور ایسا محکم بنادیا کہ  
اب کسی نہج سے رسائی کا کوئی اندیشہ ہی نہیں رہا۔

اس طرح حجرہ شریف کو ہر طرف سے محصور کر دیا گیا ہے اور دوسرے  
حصار کے بعد چند فٹ چاروں طرف چھوڑ کر پتیل کی جالیاں چاروں طرف  
بنادی گئی ہیں۔ ان میں سادہ دادہ ہے اندرون حجرہ پہنچنا تو ناممکن ہے البتہ  
مبارک جالیوں کے اندر رسائی ہو سکتی ہے۔ اور خاص خاص اشخاص کی ہوتی ہیں  
گنبد خضراء اس حجرے کے ادپر دوسرے حصار پر قائم ہے۔

اتنے پمدوں اور محابوں کے باوجود، اہل کشت و صاحبان بصیرت  
کی بات نہیں عام امتیوں تک کو موجب شریف میں ایسا وہ ہوتے ہی محسوس  
ہونے لگتا ہے کہ وہ دیباہ و دیباہ میں حاضر ہیں اور مراحم خضرانہ سے علی حسب مراتب  
سرفرازی بخشی جا رہی ہے۔

ادپردہ نہیں ہیں تھے اور بظن سے کیا پنہاں مری آنکھوں سے ہویا ہے دل میں

وہ جو عشق بڑی کی دولت ہے الامال ہیں تو ان کا کیا کھانا کوئی عجب اپنے  
لے عجب نہیں۔ کوئی دودی ان کے لئے دودی نہیں ہے  
دراو عشق مرحلہ قسربا و بعد نیست

می بنیت عیاں و دعای فرست

اہل دل و صاحبان نظر کی اسی سرزازی سے تا نہیں بھری پڑی ہیں کہ  
انہوں نے مواجہ شریف میں حاضر ہو کر چشم ظاہر سے مشاہدہ جمال نبوی کی  
سعادت حاصل کی اور بلا واسطہ شرف تخطیب سے مرزاد ہوئے۔ علامہ  
جلال الدین سیوطیؒ نے خود تحریر کیا ہے کہ ۵۶ بار انہیں اسی طرح شرف بادیاہی  
نصیب ہوا۔

ہمارے ایک بزرگ خاندان مولانا عبدالباقی انصاری ایہی ہجرت کر کے  
مدینہ شریف میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ تقریباً پچاس سال شرف حضور کے  
شاد کام رہنے کے بعد ۱۹۵۵ء میں وہیں ان کا انتقال ہوا اور جنت البقیع  
میں مدفون ہوئے۔ ان کے ایک شاگرد مولانا محمد ابراہیم انجمنی نے ان کے  
معلق گو یا چشم دید واقعہ یہ بیان کیا کہ مولانا عبدالباقیؒ نے جو مسجد نبوی میں  
بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک دن دوران درس میں ایک آواز سنی  
یا عبدالباقی! مئی مدرس البخاری دلائلہ میں کتابی "دوسے عبدالباقی" بخاری کا  
درس کیا تک دیتے رہو گے اور میری کتاب کا درس دینا شروع نہ کر دو گے،  
مولانا نے اس آواز کو سنتے ہی سبق بند کر دیا اور خود اواجہ شریف میں  
حاضر ہو کر صلوة و سلام پیش کر کے عرض کیا: حضور نے یہ ارشاد نہ فرمایا کہ وہ

کون سی کتاب ہے جس کو حضورؐ نے "میری کتاب ہے یا دفرمایا ہے۔"  
براہ راست جواب ملا "الموطا امام محمدؒ مع التعلیق والمجملہ امام الک  
کی موطا (حدیث کی کتاب) جو امام محمدؒ کی روایات سے مروی ہے اس لئے موطا  
امام محمدؒ کہی جاتی ہے۔ اس کی شرح التعلیق، امجد کے ساتھ)  
التعلیق امجد موطا امام محمدؒ کی وہ شرح ہے جسے مولانا عبدالحیٰ فرنگی علی نے  
تصنیف کیا ہے۔ مولانا عبدالحیٰ کے شاگرد مولانا عبدالباقی ہاجرہ فی تھے۔

مولانا عبدالباقیؒ صاحب نے اسی دن سے بخاری شریف کا درس ملوثی  
کر کے موطا امام محمدؒ کی شرح التعلیق والمجملہ کے ساتھ پڑھانا شروع کر دیا۔ پھر  
نگاہ یار جسے آٹھ سالے زاد کرے

وہ اپنی خوبی قسمت پر کیوں فرما کرے

یوں تو مدینہ شریف کے درے درے ایمان ایتار، بخت، جاں نثاری  
مواخات مواسات کی پوری پوری تاریخ وایت ہے لیکن اول تو حاضری دینے  
دلوں میں ایسے گفتے کہ جریدہ عالم پر ثبت تاریخ کو پڑھ سکیں دوسرے اس سرشتہ  
فیض تک پہنچ جانے کے بعد اس کا موقع کہاں کہ دوسری طرف توجہ میں کی جائے۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تاکہ

تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

مواہجہ شریف یا مسجد شریف سے اٹھ کر کوئی کہاں جائے؟ مچکے تو کیا دیکھے؟

مجمولی ہر عشوہ گرے راجہ کمنہ کس؟

آجاکہ تو باشندہ گرے راجہ کمنہ کس؟



بجا کہ ان کی وہ گزروں پر بھی سر کے بل چلنے کا بھی چاہتا ہے بلکہ ان کے جان ٹکڑوں کی خاک پاگو آنکھوں سے نگانے کے لئے بھی بے چین ہو جاتا ہے ان ماہوں میں پھرنے کا شوق بھی کروٹیں دیتا ہے جن راہوں سے عشق و سرفروشی کے قافلوں کی صبح و شام آہ و رقت رہتی تھی لیکن ابھی ابھی بھج شریف کی حاضری سے سیری کہاں ہوئی؟  
”ووضہ جنت میں بھی ابھی حاضری نہیں دی۔ ستون ابی لبابہ سے لپٹ کر توبہ و توفیق“  
ابھی کہاں کیا؟

ابھی بھج شریف سے اجازت لے کر ہم اصل مسجد نبوی کی طرف بڑھے اور وضہ جنت کی طرف رخ کر لیا۔

”روضہ جنت ہے کیا؟“ بھڑو بی بی عائشہؓ اور منیر مسجد کے درمیان جو جگہ ہے اس کو حضورؐ انورؑ نے ”روضہ من ریاض الجنۃ“ جنت کے باغیچوں میں کا ایک باغ بھی فرمایا ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس میں ایک ایسی جگہ بھی ہے جہاں نماز پڑھنے کے اجر کا اندازہ اگر لوگوں کو ہو جائے تو اس جگہ کے حصول کے لئے قرعہ اندازی کی جانے لگے، عرصہ تک یہ متین جگہ لا معلوم رہی پھر حضرت بی بی عائشہؓ نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اس متین مقام کی نشان دہی فرمادی۔ اب اس متین مقام پر جو ستون ہے اُسے ستون عائشہؓ کہتے ہیں۔

”ستون ابی لبابہ“ حضرت ابو لبابہؓ انصاری سے منسوب ہے اور ستون توبہ بھی کہلاتا ہے حضرت ابو لبابہؓ نے یہودی قبیلہ بنی قریظہ سے جن سے ان کے گھرے مرگم تھے اس وقت جب بنی قریظہ کا محاصرہ مسلمانوں نے کر دیا تھا یہودیوں کے مشورہ طلب کرنے پر غلطی سے ایسا ارشاد کر دیا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ”تم اگر اپنے کو سپرد کردو گے تو

قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس طرح غیر ضروری بات کہنے پر بعد میں ان کو سخت ندامت ہوئی اور انہوں نے مسجد نبوی میں آکر ایک کھنبے سے اپنے کو باندھ لیا اور ملے کر لیا کہ اب اسی وقت اپنے کو متون سے کھلوائیں گے جب ان کی توبہ قبول ہوگی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست مبارک سے ان کی بندشیں کھولیں گے۔

ابولبابہؓ کی صاحبزادی پانچویں وقت آکر نماز کے لئے ان کی رسیاں کھول دیتی تھیں نماز کے بعد پھر کھنبے سے باندھ دیتی تھیں یا حرامی ضرور یہ کئے لئے کھولتی تھیں پھر باندھ دیتی تھیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر ابولبابہ پہلے ہی میرے پاس آجاتے، تو میں ان کے لئے دلوں مغفرت کرتا مگر اب جبکہ انہوں نے اپنا معاملہ خدا کے وائے کر دیا ہے کہ جب تک وحی کے ذریعہ توبہ کی مقبولیت معلوم نہ ہو جائے گی اس وقت تک وہ اپنے کو باندھے رکھیں گے تو اب جب تک خدا کا حکم نہ ہوگا۔ میں انہیں نہیں کھولوں گا۔

ابولبابہؓ بھوک و پیاس کی شدت اور توبہ کے لئے احتجاج دزدی سے بے حال ہو گئے یہاں تک کہ ان کی قوت سماعت جواب دے بیٹھی اور بھارت بھی جواب دے جاتی کہ ایک دن سحر کے وقت جبکہ حضور انورؐ حضرت علیؓ ام سلمہؓ کے حجرے میں تھے قبولیت توبہ کے سلسلے میں وحی نازل ہوئی اور آپؐ نے ابھی وقت اپنے دست مبارک سے ابولبابہؓ کی بندشوں کو کھولا۔

چہ مبارک سحرے بود چہ فرخندہ شبے  
گن شب قدر کہ ایں چہ زہ بر اتم دارند

اس طرح یہ ستون توبہ بھی کہا جاتا ہے اور یہاں گنہگاروں کی توبہ آئندہ بھی قبول ہوتی رہے گی اس لئے کہ یہ مقام نزول رحمت کا محل ہے۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں نماز فجر کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہو جاتے اور وہ اصحاب جن کا مسجد کے علاوہ کوئی اور ٹھکانا نہ تھا یا اصحاب عقیقہ آپ کے ارد گرد بیٹھ جاتے تھے اس وقت حضور انور ان کی تعلیم دیتے رہتے تھے اللہ تعالیٰ کو جو کچھ قرآن نازل ہوا ہوتا وہ ان حضرات کو سناتے اور یاد کراتے تھے طلوع آفتاب کے بعد دوسرے اصحاب جو گھر بار والے تھے حاضر خدمت ہوتے اور اسی جگہ انھیں فقراء و مساکین کے درمیان بیٹھ جاتے اور دینی امور کے بارے میں استفسارات کرتے یہی وہ جگہ بھی ہے جہاں اعتکاف کے زمانے میں کبھی کبھی حضور انور کا ٹیکہ پکھونا بچھا دیا جاتا تھا اور آپ اسی ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے۔

اگرچہ اس کے قریب ایک دوسرا ستون بھی ہے جسے "ستون سر پہ پکتے ہیں اس ستون کے پاس چٹائی دسریہ اسے ایک آڑ کھڑی کر دی جاتی تھی جس کے اندر حضور انور اعتکاف کے دن گزارتے تھے۔

اسی قدیم مسجد نبوی میں ایک ستون حرس نگہبانی کا کھنبا بھی ہے جسے ستون علی بھی کہتے ہیں یہاں رات کے وقت عموماً حضرت علیؓ اور کبھی کبھی دوسرے صحابہ حجرہ مبارک کی پاسبانی کرتے تھے حضرت علیؓ پاسبانی کے دوران مات بھر اسی جگہ نفیس پڑھا کرتے تھے اسی لئے یہ ستون حرس بھی کہلاتا ہے اور ستون علی بھی۔ ستون حرس کے بعد ستون دوفد ہے جو حجرہ بی بی عائشہؓ اور حجرہ بی بی فاطمہؓ کے درمیان ہے۔ باہر کی جامعیت اور دوفد جب حضور انورؐ سے شرفِ نیاز حاصل کرنے

یا بکھوٹے کرنے یا دینی امید پر تباہ لڑجھال کرنے حاضر ہوتے تو اسی ستون کے پاس حضور انورؐ انھیں ٹھہرتا دیا جلی بختیہ اس وقت آپ کے اڑھارہ بڑے بڑے صحابہ بھی ہوتے تھے۔

اسی ستون و فود کے پاس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابی فاطمہ حضرت علی اور حضرات حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مخاطب فرما کر "السلام علیکم یا اہل البیت" فرمایا کرتے تھے۔

ستون حرم ستون زود اور ستون سراب بھی موجود ہیں مگر ان کے ارد گرد کو زمین کا بیشتر حصہ دھواں اور گرد کھینچی ہوئی چالیوں کے اندر گنجا ہوا اس لئے یہاں نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں نکل پائی۔ البتہ ستون عائشہ اور ستون توبہ کے آس پاس کئی کئی آدمیوں کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے اور یہ جگہ ہر وقت بھری رہتی ہے۔

مجرہ ابی ابی فاطمہ کے پائیس سے متصل ایک ستون تہجد ہے جہاں حضور انورؐ کھجور کی ایک چٹائی پر تہجد کی نماز ادا فرماتے تھے اتباع میں صحابہ بھی مقصدی بن کر تہجد پڑھنے لگے تو آپ نے مجرہ شریف کے اندر تہجد پڑھنے کا معمول فرمایا۔

ایک ستون مقام جبریل کے نام سے موسوم ہے حضرت جبریلؑ دینی پونچا کے لئے جب حاضر خدمت ہوتے تو اسی جگہ نزول کرتے تھے۔ ان سب کو "اسرار امانت" درجہ خدادادی کے ستون کہاجاتا ہے اور ان تمام جگہوں پر نفیس پڑھایا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں یہاں جگہ مل جانا باعث فخر و اجر ہے۔

پھر وہ مقدس مقام ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں کی امامت کے لئے قیام فرما ہوتے تھے جسے "محراب النبی" کہاجاتا ہے حضور کے نماز پڑھنے کی جگہ پر

ایک محراب اس طرح بنادی گئی ہے کہ صرف آنا حصہ باہر ہو جہاں امامت کے دوران حضور انور کے پائے مبارک ہوتے تھے۔ سجدہ گاہ بھی محراب کے آثار کے اندر چلی گئی اب حاضری دینے والوں کو اس جگہ نماز پڑھنے میں سجدہ اس جگہ نصیب ہوتا ہے جہاں پائے مبارک ہوتے تھے۔

حجرہ بی بی فاطمہؓ کے پائیں سے متصل ستون تہجد ہو اور پھر زمری جگہ چھوٹی ہوئی ہے اس کے بعد اصحاب صفہ کا چوترا ہے عہد رسالت میں یہاں ایک چھپر تھا جس کے نیچے وہ اصحاب رسول رہتے تھے جن کا گھر بار بھی نہ تھا اور جن کا ذریعہ معاش بھی کچھ نہ تھا۔ یہ اللہ کے رسول کے مکان رہتے تھے اور دن بھر خدمت میں حاضر رہتے تھے ان ہی اصحاب صفہ میں حضرت ابو ہریرہؓ بھی تھے جن سے بہت بڑی تعداد میں ارشادات نبوی مروی ہیں ایک دفعہ دو گول کے اس اعتراض کو سن کر کہ ابھرتے کثرت احادیث روایت کرتے ہیں جب کہ دوسرے بڑے بڑے صحابہ بہت کم روایت کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا تھا کہ "اور اصحاب کے اوقات کار و بار میں بھی گزارتے تھے اور میں صبح و شام اس سجدہ میں منہ اور حجرے کے درمیان بھوکے سے نڈھال پڑا رہتا تھا دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ مجھے مرگی کا درد پڑا ہے۔ اس طرح ہم وقت کی حضورؐ کے طفیل سب سے زیادہ ارشادات کو سننے کا موقعہ مجھے ملا۔"

اب اصحاب صفہ کا چوترا حجرہ مبارک کے خدمت گزاروں کی بیٹھک ہو اور یہاں قرآن شریف بھی رکھے ہیں لوگ یہاں بیٹھ کر عبادت بھی کرتے ہیں۔

اصحاب صفہ کے چوتھے اور حجرہ بی بی فاطمہؓ کے درمیان جو جگہ چھوٹی ہوئی ہے وہی واسطہ ہے پائیں سے باب جبریل تک جانے کا۔

ہم نے مسجد نبوی میں حاضری کا محول باب جبریلؑ ہی سے رکھا تھا۔ باب جبریلؑ سے آنے والا پہلے مراد مبارک کے پائیں حاضر ہوتا ہو، دروازے اندر پائیں مبارک کے دو میان اتنی گنجائش ہو کہ نمازیوں کی کئی صفیں ایک ایک صف میں بیٹھ چکیں نمازیوں کے حساب سے قائم ہوتی ہیں۔ ہم نوک درہم تین میاں اور شیخ ظہیر حسین، ان ہی صفوں میں اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ حضور انورؐ کے مبارک قدموں سے قریب رہیں، نماز کے علاوہ بھی پیس آ کر بیٹھتے تھے، نماز ہونے لگتی یا سنتیں وغیرہ پڑھتے تو ہمارا منہ قبلہ کی طرف ہو جاتا ورنہ قدم ہائے مبارک کی طرف رخ کئے بیٹھے رہتے تھے۔

ایک دفعہ اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ باہی نے نوک کر کمانے، قبلہ اور وہیں ہے دبا تھہرے اشارہ کر کے، اس طرف ہے۔

ہم نے جواب دیا، ہم نماز نہیں پڑھ رہے ہیں کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری جو اس نے درختی سے ہیں، قبلہ احاجات کے بجائے قبلہ، نماز کی طرف منہ کرنے کو کہا یہ خیال کر کے کہ جواب جا ہاں باشد خموشی پر عمل درآمد کرنے کا یہی عمل ہو ہم خاموش رہے، باہی نے بھی اس سے آگے بات کو بڑھانا نہ چاہا۔

”باب جبریلؑ سے حاضری دینے میں ہیں اور تین میاں کو ایک خاص مزہ اس نے بھی آتا تھا کہ اسی دروازے سے نہ آسا آگے بڑھ کر ہمارے جد حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا وہ گھر تھا جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک قیام فرمایا تھا جب تک مسجد نبویؐ اور دواغ مہلات کے حجرے نہیں بن گئے۔

باب جبریلؑ سے آگے قبلہ رخ ہو رہے جاتا ہو اس میں چند قدم چل کر پہلے وہ جگہ

پڑتی ہے جو مشہد عثمانؓ کہلاتی ہے۔ یعنی جہاں حضرت عثمان غنیؓ کا مکان تھا اور اس مکان کو ایک مہینہ سے زیادہ تک گھیرے میں دکھایا تھا کہ نہ حضرت عثمانؓ مسجد نبویؐ میں نماز کے لئے آسکتے تھے اہل کوئی شخص ان تک ضروریات کا سامان پانی تک پہنچا سکتا تھا۔ اسی مکان میں چالیس دن تک بے آب و دانہ محصور رکھنے کے بعد ایک نئے دشمنوں نے پھجواڑے سے داخل ہو کر حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔

اس سے نرا اور آگے بڑھ کر ایک تختہ مکان ہو جس پر دارِ صید مانا جیسا جو بے الانصاری سے من الاوقات ہے پتھروں کے نقش سے لکھا ہوا ہو مکان مہینہ نہ نہیں راجہ عہد رسالت میں تھا بلکہ بختہ بنا دیا گیا ہے اور جب ہم نے دیکھا ہے تو اس میں ایک اسلامی ملک کے سفارت خانے کا شفاخانہ تھا،

ایک دفعہ ادھر سے ہم گزر رہے تھے دو تیار دی حاجی دہان کچھ ڈھونڈتے تھے۔ ہمارے دک جانے پر ایک نے دوسرے سے ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا ان ہی سے پوچھ لو۔ ان میں سے ایک نے پوچھا ”وہ کون سی جگہ ہو جہاں ہمارے سرکار کا ناتہ آکھٹھا تھا“ ”وہ جگہ تو مسجد نبویؐ کے اندر ہے“

اس نے وضاحت کے ساتھ سوال کیا ”جس دروازے کے قریب خاتہ بیٹھا تھا پھر سرکارؐ نے اسی گھر میں قیام فرمایا وہ جگہ کون سی ہے؟“  
وہ حضرت ابویوبؓ (انصاریؓ) کے گھر کو ڈھونڈ رہے تھے ان کو بتایا اور وہ عبارت بھی دکھا دی جو باہر کی دیوار پر نقش ہے۔

ان دونوں کے حرکات و سکنات میں عقیدت کی غیر معمولی کیفیت دیکھ کر ہم نے بے اختیار کے ساتھ انھیں یہ بھی بتایا کہ ہم حضرت ابویوبؓ (انصاریؓ) کی اولاد میں ہیں

دونوں ادب سے جھک گئے اور کہنے لگے کہ ہماری پیٹھ پر ہاتھ پھیر دیجئے !  
 اس کے بعد انھوں نے بنایا کہ وہ تطفیلہ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مزار  
 پر حاضری دے چکے ہیں اب ان کے گھر کی زیارت کر رہے ہیں اور خوشی اس پر بھی  
 ہے کہ انہیں کی اولاد کے ایک فرد کے ساتھ زیارت کر رہے ہیں اور ہیں خوشی اس  
 بات پر ہو رہی تھی کہ ہم بھی بزرگ قرار پا رہے ہیں اور ہمارے آگے بھی لوگ ادب  
 سے جھک رہے ہیں۔

تا داغ غلامی تو دارم

ہر جا کہ رویم یاد شاہیم

اور اسی داغ غلامی کے احساس کے ساتھ جب مواجہہ شریف میں حاضر ہوتے تھے اور  
 ابو ایوب انصاریؓ کا درمیان دے کر اپنی عرض پیش کرتے تھے تو اس وقت اپنا  
 دماغ عرش معلیٰ پر نظر آنے لگتا تھا۔

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ اتنی بڑی سرکار میں حاضری دینے والے پر جو عجب دین  
 طاری رہنا چاہیے اس سے ہیں کہیں سابقہ نہ بڑا برعکس اس کے نشاط کا عالم ان تمام  
 دنوں میں موجود رہا۔ شریف میں ہماری حاضری کے دن تھے یا نہیں پڑتا کہ اس سے  
 پہلے بھی کبھی امدادِ مسرت کی ایسی دولت ہاتھ آئی ہو اور وہاں سے رخصت  
 ہو کر چلے آنے کے بعد کا عالم؟ تو اتفاقاً میں اس کا نقشہ کھینچ دینا اپنی قدرت اور  
 استطاعت سے باہر ہے۔ مختصر یہ کہ

وال سے نکل کے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب

آسودگی کی جان، تری انجمن میں تھی !



قیام مدینہ شریف کے دوران جنت البقیع میں بھی حاضری دی، جہاں ہزاروں صحابہ تابعین (دیا اور علماء مدفون ہیں جہاں ازودج مطہرات اور آنحضرت کے اہل بیت دائی علمہ فرزند حضرت ابراہیمؑ سب کی قبریں ہیں مگر کون کس کی قبر کو یہ اب کوئی نہیں بتا سکتا نہ کوئی نشان نہ کوئی علامت بس بے کے ڈھیر جاہ جانظر آتے ہیں اور قبرستان کے گنجان اس سٹا وہاں کھڑے رہتے ہیں کہ کوئی کسی قبر کو یہ ہاتھ نہ لگانے پلے یہی گنجان اگر کسی وقت مہربان ہوں تو یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ یہ ڈھیر جو نظر آ رہا ہے فلاں کی قبر ہو یا مزین ہوا ہوں تو وہ بتاتے جاتے ہیں کہ کس کی قبر کہاں ہو! یعنی کہاں پر تھیں!!

جنت البقیع کج بھی اہل مدینہ کا عام قبرستان ہو اور مدینہ منورہ میں جو کوئی خوش قسمتی سے مرتا ہے خواہ اہل ہوا یا آفاقی ہی جو اس صرح میں دفن کیا جاتا ہے۔

جس خوش نصیب کو حد مدینہ میں مرنا نصیب ہوتا ہے۔ اس کے خاندانے کی خان بھی عجیب ہوتی ہے کھانے کے بعد میت مسجد نبوی میں لائی جاتی ہے اور یہ نماز خازہ پڑھی جاتی ہے۔ پھر خازے کو مو اچھ شریف سے گزار کر باب جبریل سے باہر لے جاتے ہیں اور جنت البقیع میں دفن کر دیتے ہیں۔ تقریباً ہر نماز کے بعد کسی نہ کسی خوش نصیب کے خازے کی نماز ہم نے بھی پڑھی۔

مولانا محمد ابراہیم خٹنی (وہا جرمی) نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک صاحب کا خازہ اسی طرح مسجد نبوی میں لایا گیا اور نماز کے بعد مو اچھ شریف سے گزار کر جنت البقیع لے جایا گیا۔ یہ عالم دیکھ کر مدینہ شریف کے ایک دوکان دار نے اپنے دل میں کہا کہ یہ مرنے والا جتنی ہے بشرطیکہ ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا ہو۔

دل ہوا دل میں یہ بات سوجھ کر وہ اپنی دوکان کھولنے چلا گیا۔ اچانک ایک درویش جو مدینہ شریف میں مجذوب کی حیثیت سے تعارف تھا آیا اور دوکاندار کی بیٹھ پر ایک ڈنڈا رسید کر کے بولا۔ تو مدینہ میں مرنے والے کے ایمان میں شک کرتا ہے!

جاں می درہم بباد غمت می بزم نجاک  
مورلی ملن یورتا و فی قلبہ ہواک

مدینہ منورہ سے تین میل دور کوہ احد کے دامن میں وہ تمام ہی جہاں جنگ احد ہوئی تھی۔ یہاں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا مزار اور دوسرے شہداء احد کے مزارات بھی تھے اب میدان کی سی کیفیت ہے۔ چالیس سال جوئے مزار خمیدہ کر کے زمین کے برابر کر دیئے گئے۔ یہاں بھی حاضری دینے والوں کو اگر سی سی دبتائے کر یہ کس کی قبر کی علامت ہے تو کوئی نہیں جان سکتا کہ کہاں حضورؐ اور جن کے علم خرم حضرت حمزہؓ مدفون ہیں اور کہاں حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ایسے جلیل القدر صحابی دفن ہوئے۔

مدینہ شریف کو اگر کوئی اس پہلو سے دیکھنا چاہے کہ اسلامی تاریخ کے کیسے کیسے اہم واقعے اور کیسی ایسی اہم شخصیتیں یہاں سے وابستہ ہیں تو اس کے لئے ایک عمر چاہیے اور اس کے بیان کرنے کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہوں گے ہم نے نو دس دن کی حاضری میں یہ حوصلہ نہیں کیا۔ بس انھیں مقدس مقامات کو جو زیارت گاہ کی حیثیت سے خیرت یا پکے ہیں دیکھنے گئے اور زیادہ وقت اس اطلاع کار میں گزرا اور غم کی کوشش کرتے رہے تھے۔

سب اعلیٰ قری سرکار ہے سب افضل  
میں کے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل

اور اس سرکار میں حاضری کی دولت ہاتھ آ جانے کے نتیجے میں اند کیا کیا تھا  
روح اور قلب کے حصے میں آتی ہیں۔ اور بے شک و شبہ آتی ہیں۔ ان کا  
ادراک ہر ایک کے بس سے باہر ہے اور جو واقعی ان ساداتوں کے اندازہ فرما س  
ہوتے ہیں وہ بھی یہ سمجھ کر چپ ہو جاتے ہیں۔

دیکھ آئے ہیں جو چشم حقیقت کو سے ہم  
کہتے نہیں ہیں حضرت! غلطی کے ڈر سے ہم

بالآخر وہ وقت بھی آ گیا جب ہمیں گنبد خضرا پر خصوصی نگاہ ڈالنا پڑی اور  
درود سلام کے ساتھ درود کر دیا میں مانگنے لگے کہ

"اے اللہ کے رسول! خدمت اقدس میں ہمارا یہ پہلی حاضری ہے آپ کے  
صدقے میں ایسی حاضری بار بار نصیب ہوتی رہے"

مشرق مگر چہ شد جا می ز مطفش  
خدا یا این محرم بار و گھر کن

# فتاویٰ فرنگی محل

موسسہ

## فتاویٰ قادریہ

الحاج مفتی محمد عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ، فرنگی محل کے چالیس سالہ فتاویٰ کا انتخاب

مرتب

محمد رضا انصاری

صفحات ۲۷۵ سائز ۲۶×۲۰

قیمت

غیر مجلد چار روپے پچیس پیسے

اس انتخاب میں میلاد شریف، قیام تقیسی، عرس، سماع اور  
دوسرے ان مسائل کے بارے میں جو اختلافی ہیں جو بات ہیں

ناشر

فرنگی محل کتاب گھر، فرنگی محل لکھنؤ

# مجدوب اور ان کا کلام

خواجہ عزیز الحسن مجدوب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی شخصیت نیز ان کا انتخاب کلام

مؤلف

محمد رضا انصاری

صفحات ۴۴۱ ساٹھ ۳۰۹

قیمت

غیر ملکہ ایک روپیہ پچاس پیسہ

ناشر: فرنگی محلے کتاب گھر، فرنگی محلے، لاہور

Slip No. 1

Book No.....

**UNIVERSITY LIBRARY, ALLAHABAD**

**Date Slip**

The borrower must satisfy himself before leaving counter about the condition of the book which is lent to be complete and in good order. The borrower is held responsible for all damages.

An overdue charge will be charged if the book is not returned on or before the date last stamped below.

--	--	--

